# حرمتِ سود پر عدالتی بیانات

مولانا گوہر رحمن

شیخ القرآن والحدیث جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن مردان

ناشر: مکتبہ تفہیم القرآن مردان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**توجہ فرمائیں!**

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب............

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

**تنبیہ**

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

**نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں**

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

# حرمتِ سود
# پر
# عدالتی بیانات

مولانا گوہر رحمٰن

شیخ القرآن والحدیث جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن مردان

ناشر: مکتبہ تفہیم القرآن مردان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

WWW.KITABOSUNNT.COM

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

253.3
ح - گوہ

نام کتاب ........ حرمت سود پر عدالتی بیانات

مصنف ........ مولانا گوہر رحمٰن

صفحات ........ 389

ناشر ........ مکتبہ تفہیم القرآن مردان

کمپوزنگ ........ اشتیاق حسین صوابی

سرورق ........ محمد طاہر حجازی

مطبع ........ میٹرو پرنٹرز

تاریخ طباعت ........ اگست 2000ء

تعداد ........ 1100

قیمت ........ -/150

12696

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بسم اللہ الرحمان الرحیم ط

# فہرست عنوانات


| نمبر شمار | عنوان | صفحہ نمبر |
| --- | --- | --- |
| ۱۔ | دیباچہ | ۱۳ |
| ۲۔ | باب اول | ۱۷ |
| ۳۔ | وفاقی شرعی عدالت کے سوالنامے کا جواب اور عدالتی بیان | ۱۷ |
| ۴۔ | سوال نمبر ۱ ربا کی تعریف | ۱۸ |
| ۵۔ | ربا کے لغوی معنے | ۱۸ |
| ۶۔ | ربا کا شرعی مفہوم قرآن کی روشنی میں | ۱۹ |
| ۷۔ | ربا کا شرعی مفہوم احادیث و آثار کی روشنی میں | ۲۰ |
| ۸۔ | ربا کی تعریف اجماع امت کی روشنی میں | ۲۴ |
| ۹۔ | ربا کی تعریف مفسرین اور فقہاء کی نظر میں | ۲۵ |
| ۱۰۔ | ربا کی اس تعریف میں سود مرکب بھی شامل ہے | ۲۷ |
| ۱۱۔ | ربا حکمی یا ربا خفی یا ربا الفضل | ۳۲ |
| ۱۲۔ | سوال نمبر ۲ غیر سودی بنکاری کی عملی صورت کیا ہے؟ | ۳۵ |
| ۱۳۔ | سوال نمبر ۳ حکومت کی جانب سے جاری کردہ قرضوں پر سود کا مسئلہ | ۳۹ |
| ۱۴۔ | سوال نمبر ۴ بنکوں سے غیر سودی قرضے حاصل کرنے کی متبادل تجاویز | ۴۰ |
| ۱۵۔ | سوال نمبر ۵ نجی اور سرکاری بنکاری میں امتیاز کا مسئلہ | ۴۵ |


محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com




| | | |
|---|---|---|
| ۱۶۔ | سوال نمبر ۶ کیا زر نقد کے استعمال پر معاوضہ لینا رہا ہے؟ | ۴۶ |
| ۱۷۔ | ارسطو کا قول | ۴۸ |
| ۱۸۔ | امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ کی تحقیق | ۴۸ |
| ۱۹۔ | شیخ محمد عبدہ کی تحقیق | ۴۹ |
| ۲۰۔ | اشیاء استعمال کے معاوضے اور نقدین کے استعمال کے معاوضے کے درمیان فرق | ۵۰ |
| ۲۱۔ | سوال نمبر ۷ کیا کرنسی کی قیمت میں کمی کا اثر قرض کی اصل رقم پر نہیں پڑتا؟ | ۵۳ |
| ۲۲۔ | سوال نمبر ۸ کیا سونے اور اشیاء صرف کی قیمتوں میں اضافے کا قرض کی اصل رقم پر اثر نہیں پڑتا؟ | ۵۵ |
| ۲۳۔ | سوال نمبر ۹ ملکی اور غیر ملکی تجارت کی کامیابی کی تجاویز | ۵۵ |
| ۲۴۔ | سوال نمبر ۱۰ دو مسلم یا مسلم اور غیر مسلم ریاست کے مابین سودی کاروبار کا مسئلہ | ۵۶ |
| ۲۵۔ | مسلمان اور کافر کے درمیان دار الحرب میں سودی کاروبار کا مسئلہ | ۵۷ |
| ۲۶۔ | امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی رائے | ۵۸ |
| ۲۷۔ | امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے دلائل | ۵۸ |
| ۲۸۔ | علماء دیوبند کا فتویٰ | ۶۷ |
| ۲۹۔ | ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے دلائل | ۷۰ |
| ۳۰۔ | سوال نمبر ۱۱ کیا بینک کا کاروبار سود کے بغیر چلایا جانا ممکن ہے؟ | ۷۰ |
| ۳۱۔ | بیمہ کمپنیوں کا موجودہ کاروبار سود اور قمار پر مشتمل ہے | ۷۱ |
| ۳۲۔ | بیمہ کی جائز صورتیں | ۷۶ |


محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com




۳۳۔ سوال نمبر ۱۲ کیا پراویڈنٹ اور سیونگ اکاؤنٹ پر نفع ربا ہے؟ ۸۱
۳۴۔ سوال نمبر ۱۳ کیا انعامی بانڈوں پر دی جانے والی رقم ربا ہے؟ ۸۴
۳۵۔ سوال نمبر ۱۴ کیا تجارتی قرضوں اور غیر تجارتی قرضوں میں امتیاز کرنا درست ہے؟ ۸۵
۳۶۔ عام کی تعریف ۸۶
۳۷۔ سوال نمبر ۱۵ اچت پر ابھارنے کے محرکات کیا ہیں؟ ۹۱
۳۸۔ سوال نمبر ۱۶ کیا اسلامی حکومت مسلمانوں پر ٹیکس لگا سکتی ہے؟ ۹۲
۳۹۔ باب دوم ۹۳
۴۰۔ ٹیکس کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے سامنے تحریری بیان ۹۳
۴۱۔ وفاقی شرعی عدالت کا سوالنامہ ۹۴
۴۲۔ جواب کی تمہید ۹۶
۴۳۔ عوام کی بنیادی ضرورت پوری کرنے کے لئے زکوۃ کے علاوہ بھی مالی حق واجب ہے ۹۷
۴۴۔ آیات قرآنیہ ۹۷
۴۵۔ احادیث رسول ﷺ ۱۰۵
۴۶۔ سنت خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ ۱۰۸
۴۷۔ ان فی المال لحقا سوا الزکوۃ ۱۱۰
۴۸۔ آثار صحابہ و تابعین ۱۱۳
۴۹۔ لیس فی المال حق سوی الزکوۃ کے اسناد کی تحقیق ۱۱۴
۵۰۔ میتب بن واضح الحمصی متوفی ۲۴۶ھ ۱۱۵
۵۱۔ میتب بن شریک التمیمی متوفی ۱۸۰ھ ۱۱۶


محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com




| | | |
|---|---|---|
| ۵۲۔ | عتبہ بن یقظان | ۱۱۶ |
| ۵۳۔ | تطبیق بین الروایات | ۱۱۸ |
| ۵۴۔ | فقہاء اسلام کے اقوال | ۱۲۰ |
| ۵۵۔ | امام جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ | ۱۲۰ |
| ۵۶۔ | قاضی ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ اور امام قرطبی متوفی ۶۷۱ھ | ۱۲۱ |
| ۵۷۔ | امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ | ۱۲۱ |
| ۵۸۔ | امام فخر الدین رازیؒ ۶۰۶ھ | ۱۲۱ |
| ۵۹۔ | عبداللہ بن محمود بن مودود حنفی متوفی ۶۸۳ھ | ۱۲۲ |
| ۶۰۔ | علامہ ابن حیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ | ۱۲۳ |
| ۶۱۔ | علامہ رملی شافعیؒ | ۱۲۳ |
| ۶۲۔ | علامہ آلوسی بغدادی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ | ۱۲۴ |
| ۶۳۔ | جہاد بالمال | ۱۲۴ |
| ۶۴۔ | آیات قرآن | ۱۲۵ |
| ۶۵۔ | احادیث رسولؐ | ۱۲۶ |
| ۶۶۔ | سنت اصحاب رسول | ۱۲۷ |
| ۶۷۔ | حافظ ابن قیم متوفی ۷۵۱ھ کا قول | ۱۲۹ |
| ۶۸۔ | نفقۃ الاقارب | ۱۳۰ |
| ۶۹۔ | ٹیکس عائد کرنا مصالح مرسلہ میں شامل ہے | ۱۳۱ |
| ۷۰۔ | الغرم بالغنم | ۱۳۲ |
| ۷۱۔ | ٹیکس لگانے کی شرائط | ۱۳۴ |
| ۷۲۔ | عام رفاہی اور ترقیاتی مصارف پر زکوۃ صرف نہیں ہو سکتی | ۱۳۷ |


محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com




۷۳۔ ٹیکس کے بارے میں فقہاء کی آراء ۱۳۸
۷۴۔ شیخ الاسلام مرغینانی صاحب ہدایہ متوفی ۵۹۳ھ ۱۳۹
۷۵۔ ابن الہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ ۱۳۹
۷۶۔ علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ ۱۳۹
۷۷۔ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ ۱۴۰
۷۸۔ امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ ۱۴۱
۷۹۔ امام ابو اسحاق شاطبی متوفی ۷۹۰ھ ۱۴۱
۸۰۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ ۱۴۲
۸۱۔ ڈاکٹر وھبۃ اللہ الزحیلی ۱۴۳
۸۲۔ ڈاکٹر عبد العزیز النعیم ۱۴۴
۸۳۔ فاضل درخواست گزار کے دلائل کا جائزہ ۱۴۵
۸۴۔ خمس و عشور ۱۴۶
۸۵۔ خمس کے معنے ۱۴۸
۸۶۔ باب سوم ۱۵۳
۸۷۔ باب سپریم کورٹ شریعت اپیلیٹ بنچ کے سامنے تحریری بیان ۱۵۳
۸۸۔ ربا کی حرمت ۱۵۶
۸۹۔ ربا کی حقیقت ۱۶۳
۹۰۔ ربا کی حقیقت قرآن و سنت اور آثار صحابہ و تابعین کی روشنی میں ۱۶۴
۹۱۔ ربا کی حقیقت مفسرین کی نظر میں ۱۶۶
۹۲۔ ربا کی حقیقت اجماع امت کی روشنی میں ۱۶۸


محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com




۹۳۔ شبہات کا ازالہ ۱۷۳

۹۴۔ حضرت عمرؓ کا قول ۱۷۳

۹۵۔ اضعافاً مضاعفۃ ۱۷۵

۹۶۔ تجارتی قرضوں پر سود کا لین دین ۱۷۸

۹۷۔ دار الحرب میں سودی لین دین ۱۸۳

۹۸۔ سود اور کرائے میں فرق ۱۸۶

۹۹۔ ربح اور ربا میں فرق ۱۸۹

۱۰۰۔ کیا افراط زر کی وجہ سے قرض کی رقم میں اضافہ لینا جائز ہے ؟ ۱۹۰

۱۰۱۔ کیا بغیر شرط کے قرض کی مقدار میں اضافے کا نظام بنانا جائز ہے ؟ ۱۹۳

۱۰۲۔ جب ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ جائز ہے تو قرض پر اضافہ کیوں جائز نہیں ہے ؟ ۱۹۶

۱۰۳۔ کیا سود باہمی رضامندی سے حلال ہو سکتا ہے ؟ ۲۰۱

۱۰۴۔ سودی حیلے ۲۰۳

۱۰۵۔ حیلے کی حقیقت اور اس کی مذمت ۲۰۴

۱۰۶۔ نوٹوں کے لین دین میں سونے کی قیمت کو معیار بنانے کا حیلہ ۲۰۸

۱۰۷۔ اشاریہ بندی (ایڈیکسیشن) کا حیلہ ۲۱۰

۱۰۸۔ قرض کی واپسی جنس کی صورت میں طے کرنے کا حیلہ ۲۱۵

۱۰۹۔ حسن قضاء کا نظام بنانے کا حیلہ ۲۱۶

۱۱۰۔ قرض دینے والوں کو سرکاری واجبات میں رعایت دینے کا حیلہ ۲۱۸

۱۱۱۔ کرنسی نوٹوں کا زیادہ قیمت پر فروخت کرنے کا حیلہ ۲۱۹

۱۱۲۔ بیع عینہ کا حیلہ ۲۲۱


محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com




| | | |
|---|---|---|
| ۱۱۳۔ | بیع الوفا کا حیلہ | ۲۲۴ |
| ۱۱۴۔ | سودی نظام کا متبادل | ۲۲۷ |
| ۱۱۵۔ | صرفی قرضوں کے سود کا متبادل | ۲۲۹ |
| ۱۱۶۔ | کسب اور محنت | ۲۲۹ |
| ۱۱۷۔ | خاندانی تکافل | ۲۳۱ |
| ۱۱۸۔ | اجتماعی تکافل | ۲۳۱ |
| ۱۱۹۔ | اسراف و تبذیر سے اجتناب | ۲۳۲ |
| ۱۲۰۔ | قرض حسن | ۲۳۴ |
| ۱۲۱۔ | پیداواری قرضوں کے سود کا متبادل | ۲۳۴ |
| ۱۲۲۔ | مضاربت | ۲۳۶ |
| ۱۲۳۔ | شرکت عنان | ۲۳۸ |
| ۱۲۴۔ | شرکت الاعمال | ۲۳۹ |
| ۱۲۵۔ | شرکت الوجوہ | ۲۴۱ |
| ۱۲۶۔ | مرابحہ | ۲۴۳ |
| ۱۲۷۔ | نقد قیمت سے ادھار کی قیمت زیادہ مقرر کرنا | ۲۴۷ |
| ۱۲۸۔ | اجارہ | ۲۴۹ |
| ۱۲۹۔ | مزارعت و مساقات | ۲۵۰ |
| ۱۳۰۔ | اسلام کا پورا معاشی نظام سودی نظام کا متبادل ہے | ۲۵۱ |
| ۱۳۱۔ | مہنگائی اور افراط کے انسدادی احکام | ۲۵۲ |
| ۱۳۲۔ | بیع قبل القبض اور سٹہ بازی کی ممانعت | ۲۵۳ |
| ۱۳۳۔ | تلقی جلب کی ممانعت | ۲۵۳ |


محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com




۱۳۴۔ احتکار اور ذخیرہ اندوزی کی ممانعت ۲۵۴

۱۳۵۔ غبن فاحش کی ممانعت ۲۵۵

۱۳۶۔ غش اور دھوکہ دہی کی ممانعت ۲۵۵

۱۳۷۔ کیا سود کے خاتمے کو صالح معاشرے کے قیام تک ملتوی کیا جاسکتا ہے؟ ۲۵۷

۱۳۸۔ **باب چہارم** ۲۵۹

۱۳۹۔ **بین الاقوامی سودی معاہدے نفاذ شریعت ایکٹ کی دفعہ ۱۸ کے خلاف شرعی عدالت میں تحریریان** ۲۵۹

۱۴۰۔ بین الاقوامی سود سے متعلق تنقیح طلب امور ۲۶۱

۱۴۱۔ حرمت ربا کے بارے میں قرآنی آیات عام ہیں ۲۶۲

۱۴۲۔ حرمت ربا کے بارے میں احادیث رسول ؐ ۲۶۴

۱۴۳۔ قرآن و سنت کے عام حکم میں شرعی دلیل کے بغیر تخصیص جائز نہیں ہے ۲۷۵

۱۴۴۔ عام کی فنی تعریف ۲۷۵

۱۴۵۔ اسلامی حکومت قومی اور بین الاقوامی اداروں میں اسلامی احکام کی نمائندگی کرے ۲۷۸

۱۴۶۔ غیر مسلموں اور حربی کافر کے درمیان دار الحرب میں سودی کاروبار کا مسئلہ ۲۸۳

۱۴۷۔ دار الحرب میں سودی کاروبار کے بارے میں فقہاء اسلام کی آراء ۲۸۴

۱۴۸۔ دار الحرب میں جواز ربا کے مبینہ دلائل اور ان کا جواب ۲۸۸

۱۴۹۔ پہلی دلیل لاربا بین المسلمین واھل الحرب فی دار الحرب ۲۸۸

۱۵۰۔ دوسری دلیل حربی کافر کا مال مسلمان کے لئے مباح ہے ۲۹۶


محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com




۱۵۱۔ ابوبصیر اور اس کے ساتھیوں کا عمل ۲۹۸

۱۵۲۔ مغیرہ بن شعبہ کا عمل ۳۰۰

۱۵۳۔ تیسری، چوتھی اور پانچویں دلیل ۳۰۱

۱۵۴۔ چھٹی دلیل ابن رکانہ کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کشتی لڑنے میں شرط لگانا ۳۰۲

۱۵۵۔ علماء دیوبند کا فتویٰ ۳۰۹

۱۶۵۔ سودی معاہدوں کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے ۳۱۰

۱۵۷۔ کیا بین الاقوامی سودی معاہدے نظریہ ضرورت کے تحت جائز ہو سکتے ہیں؟ ۳۱۷

۱۵۸۔ بین الاقوامی سودی قرضوں سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے ۳۲۲

۱۵۹۔ مولانا مودودی کی رائے ۳۲۵

۱۶۰۔ جماعت اسلامی کی اقتصادی کمیٹی کی سفارشات ۳۲۸

۱۶۱۔ بین الاقوامی سودی معاہدوں کو شریعت کے اطلاق سے مستثنیٰ کرنا قرآن و سنت کے خلاف ہے ۳۲۹

۱۶۲۔ باب پنجم ۳۳۱

۱۶۳۔ کرنسی کے بارے میں ایک سوال کا جواب اور مولانا محمد طاسین کی رائے پر تبصرہ ۳۳۱

۱۶۴۔ سوال ۳۳۲

۱۶۵۔ پہلے اشکال کا جواب ۳۳۹

۱۶۶۔ کرنسی کی شرعی حیثیت کے بارے میں تحقیقاتی اداروں اور کبار العلماء کی آراء ۳۴۳


محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com




۱۶۷۔ سعودی عرب کے کبار العلماء اور مجمع الفقہ الاسلامی مکہ کا متفقہ فیصلہ ۳۴۴

۱۶۸۔ اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کا متفقہ فیصلہ ۳۴۷

۱۶۹۔ جسٹس مولانا تقی عثمانی کی رائے ۳۴۹

۱۷۰۔ مولانا غلام رسول سعیدی کی رائے ۳۵۱

۱۷۱۔ دوسرے اشکال کا جواب ۳۵۲

۱۷۲۔ تیسرے اشکال کا جواب ۳۵۴

۱۷۳۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے مقالے کا جائزہ ۳۵۹

۱۷۴۔ کرنسی نوٹوں کے قرض لین دین کے بارے میں مولانا محمد طاسین مرحوم کی رائے پر تبصرہ ۳۷۱

۱۷۵۔ سوال از ماہنامہ ترجمان القرآن ۳۷۱

۱۷۶۔ جواب ۳۷۲

۱۷۷۔ کرنسی نوٹوں کا قرض لین دین ۳۷۷

۱۷۸۔ قرض لین دین اموال مثلیہ میں جائز ہے ۳۷۹

۱۷۹۔ نوٹ جتنے لئے تھے اتنے ہی واپس کرنے ہوں گے ۳۸۱

۱۸۰۔ سودی حیلے ۳۸۳

۱۸۱۔ فلوس کے قرض کے بارے میں فقہاء اسلام کی رائے ۳۸۶


محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بسم اللہ الرحمان الرحیم ط

# دیباچہ

ارسال رسل اور انزال کتب یعنی تمام انبیاء و رسل کے بھیجنے اور ساری کتابوں اور صحیفوں کے اتارنے کا مقصد دنیا میں عدل وانصاف پر مبنی نظام حیات کا قیام ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ:

لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت و انزلنا معھم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط (الحدید ۲۵)

"بے شک بھیجے تھے ہم نے اپنے رسول کھلی اور واضح دلیلوں کے ساتھ اور نازل کی تھیں ہم نے ان کے ساتھ کتابیں اور عدل کے احکام تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔"

لیکن اقامت عدل اقامت دین کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لئے کہ دین حق زندگی کا مکمل نظام ہے جس کے احکام ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ان کے ثمرات اسی وقت ظاہر ہوتے ہیں جب کہ یہ پورے کے پورے نافذ کر دیئے جائیں۔ کسی بھی مرکب چیز کے اثرات اسی وقت ظاہر ہوتے ہیں جب کہ اس کے تمام اجزائے ترکیبی درست حالت میں موجود ہوں اگر ایک جزء بھی کم ہو یا اس میں کوئی خرابی آگئی ہو تو وہ چیز بے اثر ہو جاتی ہے وقت بتانے والی گھڑی کا ایک چھوٹا سا پرزہ بھی اگر خراب ہو جائے تو گھڑی وقت نہیں بتاتی' بیمار کے علاج کے لئے طبیب نے جو نسخہ تجویز کیا ہو اس کے اجزائے ترکیبی میں سے اگر ایک چیز بھی کم ہو جائے تو وہ نسخہ بے اثر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح زندگی کے مکمل نظام کا ایک شعبہ بھی اگر دین حق کی خلاف چل رہا ہو اور دین کے احکام میں سے بعض احکام کو اگر زندگی کے نظام سے خارج کر دیا گیا ہو تو پورے نظام کے ثمرات' برکات اور اثرات ظاہر نہیں ہوں گے اور انسانی معاشرہ اعتدال و اقتصاد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور عدل وانصاف کی بجائے بے اعتدالی' بے انصافی اور ظلم واستحصال کا شکار ہو جائے گا۔

ہماری بد قسمتی اور بد نصیبی یہ ہے کہ ہم عبادات اور شخصی معاملات میں تو کسی حد تک اسلامی احکام پر عمل کرتے ہیں لیکن اجتماعی نظام کو ہم نے دین حق سے آزاد کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم معاشی ظلم واستحصال کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور ہمارا سیاسی نظام بھی ظلم واستحصال پر قائم ہے۔

۲۔ معاشی بے انصافی اور اقتصادی استحصال کی اساس سود ہے۔ ہمارے عقیدے اور آئین پاکستان دونوں کا تقاضی تو یہ تھا کہ تشکیل پاکستان کے ساتھ ہی اسلام کا معاشی نظام نافذ کر دیا جاتا اور سود کی لعنت سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کو پاک کر دیا جاتا لیکن چونکہ پاکستان کی حکومت آج تک اسی طبقے کے ہاتھ میں ہے جو لادین معیشت ہی کو جانتا اور مانتا ہے اسلام کے اقتصادی نظام کو یہ طبقہ نہ جانتا ہے اور نہ مانتا ہے الانا‌ء ینضح بما فیه یعنی برتن سے وہی چیز نکلتی ہے جو اس میں موجود ہو۔ سودی بنکاری اور سودی معیشت کو چلانے والوں کا ذہن چونکہ غیر اسلامی افکار ونظریات سے بھرا ہوا ہے اس لئے وہ ابتداء ہی سے یہ رٹ لگائے چلے آرہے ہیں کہ سود کے بغیر معاشی نظام چلایا ہی نہیں جاسکتا اور اس کے بغیر ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ اگر سود اچھی چیز ہے اور معاشی ترقی کا ذریعہ ہے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کو حرام کیوں قرار دیا ہے اور سود خوروں کی خلاف قرآن کریم میں اعلان جنگ کیوں کیا گیا ہے؟ تو سودی ذہنیت رکھنے والے یہ لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں ربا کو حرام کیا گیا ہے اور دور جدید کے بنک جو نفع دیتے اور لیتے ہیں یہ ربا نہیں ہے۔ علماء اور دینی مدارس کے فضلاء چونکہ جدید معیشت سے واقف نہیں ہیں اس لئے یہ بنکوں کے سود کو ربا کہتے ہیں حالانکہ یہ ربا نہیں ہے بلکہ تجارتی نفع ہے جو حلال ہے۔ جب علماء کی جانب سے ان کے اعتراض کا خود ان کی زبان میں جواب دے دیا گیا اور ثابت کر دیا گیا کہ موجودہ بنکاری نظام ربا پر مبنی ہے اور جو نفع بنک لیتے اور دیتے ہیں یہ تجارتی نفع نہیں ہے بلکہ ربا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے اور حرام ہے تو سودی معیشت کے وکیلوں نے پینترا بدلا اور کہنے لگے کہ متبادل بتاؤ جب متبادل بتایا گیا تو وہی پرانی رٹ پھر شروع کر دی کہ علماء دور جدید کے مسائل کو نہیں سمجھتے ان کا بتایا ہوا متبادل صحیح نہیں ہے ہم متبادل کی تلاش میں ہیں جب مل گیا تو سود کو ختم کر دیں گے۔ اگرچہ سود کی حرمت کے لئے کسی عدالت کے فیصلے کی ضرورت نہیں ہے لیکن چونکہ سود کے حامیوں کا دعوی یہ تھا کہ بنکوں کا سود وہ ربا نہیں ہے جسے قرآن نے حرام قرار دیا ہے اس لئے یہ مسئلہ ایوان عدالت میں پیش کیا گیا اور وفاقی شرعی عدالت نے ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کو متفقہ فیصلہ سنا دیا کہ بنکوں کا سود وہی ربا ہے جسے قرآن نے حرام قرار دیا ہے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ نے بھی ۲۳ دسمبر ۱۹۹۹ء کو اس فیصلے کی توثیق کر دی ہے اور حکم دیا ہے کہ جون ۲۰۰۱ء تک سودی معیشت کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا جائے۔

۳۔ سود کا یہ مقدمہ جب ایوان عدالت میں زیر بحث آیا اور سودی معیشت کے پیشہ ور وکلاء نے جب اپنے وہی پرانے بے سروپا دلائل پیش کئے جن کا بے سروپا ہونا علماء نے اپنی کتابوں میں پہلے ہی ثابت کر دیا تھا تو علماء اور اسلامی وکلاء نے یہ مقدمہ ایوان عدالت میں بھی لڑنے کا فیصلہ کیا اور الحمد للہ عدالت کے سامنے قانونی جنگ میں سود کے وکیلوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا میں نے اپنی دوسری مصروفیات کے باوجود اس مقدمے کو جیتنے کا عزم کر لیا تھا اس لئے اللہ کی دی ہوئی توفیق کے مطابق وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ دونوں میں تحریری اور زبانی بیانات دیئے بحث میں حصہ لیا اور آخر کار اللہ تعالی نے حق کو باطل پر فتح دی فالحمد للہ ثم الحمد للہ۔

میں جانتا ہوں کہ سود اور دوسرے مظالم و مفاسد کا خاتمہ اسلامی حکومت کے قیام کے بغیر نہیں ہو سکتا لیکن پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کا یہ تسلیم کرنا کہ موجودہ بنکاری نظام ربا پر مشتمل ہے علم و تحقیق کے میدان میں بہت بڑی کامیابی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وفاقی شرعی عدالت کے سامنے میں نے جو تحریری بیانات دیئے تھے وہ حرمت سود کے نام سے ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور نے جنوری ۱۹۹۳ء میں شائع کر دیئے تھے جس کا دوسرا ایڈیشن بھی جون ۱۹۹۷ء میں شائع ہو چکا تھا۔ لیکن ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ سود کے موضوع پر میں نے جو مضامین اور بیانات لکھے ہیں ان سب کو یکجا کر کے ایک کتاب مرتب کی جائے۔ ان مضامین کو ترتیب جدید کے ساتھ مرتب کرنے کے لئے وقت نہیں ملتا تھا لیکن آخر کار اللہ تعالی نے توفیق دیدی اور یہ کتاب تیار ہو گئی۔ اس کتاب کے پانچ ابواب ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

باب اول: وفاقی شرعی عدالت کے سوالنامے کا جواب اور عدالتی بیان

باب دوم: وفاقی شرعی عدالت کے سامنے ٹیکس کے بارے میں عدالتی بیان

باب سوم: وفاقی شرعی عدالت کے سامنے شریعت ایکٹ کی دفعہ ۱۸ کے خلاف عدالتی بیان

باب چہارم: سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ کے سامنے عدالتی بیان

باب پنجم: کاغذی کرنسی کے بارے میں ایک سوال کا جواب اور مولانا محمد طاسین کی رائے پر تبصرہ

چونکہ کتاب کے چار ابواب میرے عدالتی بیانات پر مشتمل ہیں اور پانچواں باب بھی انہی بیانات سے متعلق ہے اس لئے اس کتاب کا نام "حرمت سود پر عدالتی بیانات" تجویز کیا گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب عام تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لئے عموماً اور اسلامی تحریکوں کے کارکنوں کے لئے خصوصاً مفید ثابت ہو گی۔

والله يقول الحق و يهدى السبيل۔

گوہر رحمان

مدیر و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن مردان

۲۰۰۰-۷-۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# باب اول

# وفاقی شرعی عدالت کے سوالنامے

## بابت

# مالی قوانین کے جوابات اور عدالتی بیان

یہ جوابات ۳۰ جون ۱۹۹۱ء کو تحریری طور پر بھیجے گئے تھے اور بعد میں ان کا خلاصہ عدالت میں زبانی طور پر بھی پیش کیا گیا تھا۔ الحمد للہ میری اور دوسرے اہل علم کی محنت بار آور ثابت ہوئی اور محترم جناب جسٹس تنزیل الرحمان کی صدارت میں وفاقی شرعی عدالت نے ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کو متفقہ فیصلہ سنایا کہ ہر قسم کا ربا حرام ہے اور حکومت پاکستان کو حکم دیا کہ ۳۰ جون ۱۹۹۲ء تک تمام سودی قوانین کو قرآن و سنت کے احکام کے مطابق بنا دیا جائے ورنہ یکم جولائی ۱۹۹۲ء سے یہ قوانین غیر مؤثر ہو جائیں گے لیکن افسوس ہے کہ نواز شریف کی قیادت میں مسلم لیگ کی حکومت نے سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بنچ میں اس تاریخی فیصلے کے خلاف اپیل کر کے اس فیصلے کو غیر موثر بنا دیا اور سودی قوانین کو بحال رکھا۔

گوہر رحمان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بسم اللہ الرحمان الرحیم ط

## سوال نمبر ۱:

# ربا کی تعریف

سوال: قرآن و سنت کے مطابق ربا کی تعریف کیا ہے؟ کیا یہ دور جدید کے مالیاتی معاملات کے سود مفرد اور سود مرکب پر مشتمل ہے؟

جواب: "قرض کی اصل رقم پر جو زائد رقم مدت و مہلت کے مقابلے میں بطور شرط و معاہدہ لی جائے وہ ربا ہے۔" اور یہ تعریف دور جدید کے سود مفرد اور سود مرکب پر یقیناً صادق آتی ہے۔ اصل راس المال پر ایک پیسے کا اضافہ لیا جائے یا کئی گنا اضافہ لیا جائے وہ ربا ہے' جب کہ اس اضافے کی شرط معاہدے کے وقت لگائی گئی ہو۔ اس جواب کی تفصیل اور اس کے دلائل درج ذیل ہے۔

## الف۔ ربا کے لفظی اور لغوی معنے:

عربی زبان میں لفظ ربا کے لغوی معنے ہیں زیادت' اضافہ اور بڑھوتری۔ یہ لفظ قرآن کریم میں بھی زیادت اور نما کے معنوں میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً و یربی الصدقات "اور بڑھاتا ہے وہ صدقات کو۔" (البقرہ ۲۷۶)

فاذا انزلنا علیها الماء اهتزت و ربت "پس جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے۔" (الحج ۵)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ربوہ اونچی جگہ کے معنوں میں آیا ہے۔(المومنون ۵۰)

رابیۃ سیلاب پر رونما ہونے والا جھاگ۔(الحاقہ ۱۰)

ائمہ لغت نے بھی ربا کے یہی معنے بیان کئے ہیں۔ علامہ جوہری (متوفی ۳۹۳ھ) اور علامہ ابن منظور افریقی (متوفی ۷۱۱ھ) دونوں نے لکھا ہے:

ربا الشیئی یربو ربوا (ربوا و رباء ای زاد

"کوئی چیز بڑھ گئی، بڑھ رہی ہے، بڑھنے کے ساتھ یعنی زیادہ ہو گئی ہے۔"(۱)

## ب۔ ربا کا شرعی مفہوم قرآن کی روشنی میں:

ظاہر ہے کہ ہر قسم کا اضافہ اور نفع تو حرام نہیں ہے۔ بیع مرابحہ میں بھی اصل قیمت خرید پر نفع لیا جاتا ہے جو حلال ہے۔ اس لئے کہ یہ چیز کی قیمت میں اضافہ ہے۔ قرض پر اضافہ نہیں ہے، تو ربا کا شرعی مفہوم معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔ قرآن کریم میں مادہ پرستوں اور سود خوروں کا قول نقل ہوا ہے۔

انما البیع مثل الربا و احل الله البیع و حرم الربا (البقرہ ۲۷۵)

"بیع بھی تو سود کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔"

مال کے بدلے مال کے معاہدے کو بیع کہا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ربا کو بیع کے مقابلے میں ذکر کیا ہے تو اس تقابل سے معلوم ہوا کہ ربا کی صورت میں راس المال پر جو اضافہ لیا جاتا ہے یہ بیع نہیں ہے یعنی مال کے بدلے مال کا معاملہ نہیں ہے تو پھر یہ زائد مال کس چیز کے بدلے میں لیا اور دیا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب ہم کو اگلی آیات

(۱) الصحاح للجوہری طبع بیروت ۱۹۸۴ء ص ۲۳۴۹ ج ۶ لسان العرب للافریقی طبع بیروت ص ۳۰۴ ج ۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



میں بڑی صراحت اور آسانی کے ساتھ مل گیا ہے۔

و ذروا ما بقی من الربا ان کنتم مؤمنین ... و ان تبتم فلکم رؤوس اموالکم لا تظلمون و لا تظلمون... و ان کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة (البقرہ۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰)

"اور چھوڑ دو جو کچھ بقایا ہے سود کا اگر تم مومن ہو... اور اگر تم توبہ کر لو گے تو ملیں گے تم کو تمہارے اصل اموال نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا.... اور اگر وہ تنگدست ہو (مقروض ہو) تو اس کو مہلت دینی ہو گی آسودہ حالی تک۔"

"اصل الاموال" "اگر وہ تنگدست ہو" اور "اس کو مہلت دینی ہو گی" یہ الفاظ بغیر کسی ابہام کے اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ ربا کا مال مہلت اور مدت کے بدلے میں لیا جاتا ہے۔ ان آیات میں تدبر کرنے سے ربا کی شرعی تعریف یہ قرار پائی ہے کہ "قرض کے اصل مال پر جو زائد رقم مدت کے بدلے میں لی جاتی ہے وہ ربا ہے۔" اللہ تعالی نے اس زائد رقم کو حرام قرار دیتے ہوئے حکم دیا ہے کہ اس زائد رقم کو جو تم مہلت کے بدلے میں لیتے ہو چھوڑ دو اور اصل مال وصول کر لو۔ مقروض اگر نادار ہو تو بہتر یہ ہے کہ اصل مال بھی معاف کر دو' لیکن اگر ایسا نہ کر سکو تو کشادہ دستی تک مہلت دینا تم پر لازم ہے اور یہ مہلت نادار مقروض کا حق ہے جو تمہیں دینا پڑے گا۔"

## ج۔ ربا کا مفہوم احادیث و آثار کی روشنی میں:

ربا کے یہی شرعی معنے جو قرآن کریم کی درج بالا آیات سے معلوم ہوتے ہیں۔ احادیث و آثار سے بھی ثابت ہوتے ہیں جو قرآن کی تعبیر و تشریح کا مستند ذریعہ ہیں۔

۱۔ عن عمارة الھمدانی سمعت علیا یقول قال رسول اللہ ﷺ کل قرض جر نفعا فھو ربا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ ہر وہ قرض جو نفع کھینچتا ہو تو اس کا یہ نفع سود ہے۔" (۱)

اصل میں یہ حدیث حارث بن محمد بن ابی اسامہ التیمی البغدادی (متوفی ۲۸۲ھ) کی کتاب "مسند حارث" میں سند کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔ مولانا حبیب الرحمان الاعظمی نے المطالب العالیہ کی تعلیق میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مسند حارث کے مخطوطہ کے صفحہ نمبر ۳۰۸ جلد ا پر موجود ہے۔ اس کی سند میں سوار بن مصعب نامی ایک راوی آیا ہے جو ضعیف اور غیر ثقہ راوی ہے۔

امام بخاریؒ نے اسے منکَر الحدیث (کاف کی زبر کے ساتھ) کہا ہے۔ (۲)

نسائی، ابوداؤد، احمد بن حنبل، یحیٰ بن سعید قطان اور دار قطنی نے بھی اسے متروک اور غیر ثقہ کہا ہے۔ (۳)

لیکن ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام الحرمین اور امام غزالی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (٤)

سیوطی کی جامع صغیر کے شارح عزیزی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔ یعنی شواہد کی وجہ سے قابل قبول ہے۔ (٥)

محدثین کا تسلیم شدہ قاعدہ ہے کہ جس حدیث کے دوسرے اسانید کے ساتھ شواہد موجود ہوں، یعنی اس مفہوم کی دوسری روایات موجود ہوں اگرچہ صحابہ کے

---

(۱) المطالب العالیہ از ابن حجر طبع بیروت ص ۴۱۱ جلد ا رقم الحدیث ۱۳۷۳ بحوالہ مسند حارث۔ کنز العمال از علی المتقی ص ۲۳۸ جلد ۶ حدیث نمبر ۱۵۵۱۶ الجامع الصغیر از سیوطی ص ۹۴ جلد ۲

(۲) کتاب الضعفاء از ابن جوزی طبع بیروت ۱۶۹ جلد ۲ نمبر ۲۳۵۹

(۳) کتاب الضعفاء از ابن جوزی طبع بیروت ۱۹۸۶ء ص ۳۱ جلد ۲، ۳ میزان الاعتدال از ذہبی ص ۲۴۶ جلد ۲

(۴) تلخیص الحبیر از ابن حجر طبع سانگلہ ہل پاکستان ص ۳۴ جلد ۳

(۵) اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی ص ۴۹۹ جلد ۱۴ بحوالہ عزیزی ص ۸۷ جلد ۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اقوال ہوں اور سلف وائمہ مجتہدین کے ہاں اس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو' یعنی انہوں نے اس حدیث کو دلیل بنایا ہو' تو وہ سنداً ضعیف ہونے کے باوجود قابل استدلال ہوتی ہے۔اب اس حدیث کے کچھ شواہد ملاحظہ کیجئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ حدیث سنداً اور روایتاً ضعیف ہونے کے باوجود معناً اور درایتاً قابل قبول ہے جب کہ اس کا مفہوم قرآن کریم سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے قرض کی اصل رقم پر اضافے کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔

(۲) عن فضالة بن عبيد قال كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا۔(۱)

"حضرت فضالہؓ (صحابی) فرماتے ہیں کہ جو قرض نفع کھینچتا ہے وہ سود کی ایک قسم ہے۔" (۳'۴'۵'۶'۷)

امام بیہقی نے کل قرض جر منفعۃ کے عنوان سے مستقل باب قائم کیا ہے جس کے تحت حضرت عمرؓ' عبداللہ بن مسعودؓ' ابی بن کعبؓ' عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن سلامؓ سے روایات نقل کی ہیں (موقوف روایات) جن کا مفہوم یہ ہے کہ قرض پر نفع لینا سود ہے۔(ص ۳۴۹ـ۳۵۰ ج ۵)

(۸) ان رجلا اتى عبدالله بن عمر فقال يا ابا عبدالرحمان انى اسلفت رجلا سلفا و اشترطت عليه افضل مما اسلفته فقال عبدالله بن عمر فذالك الربا۔(۲)

"ایک شخص ابن عمر کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ایک شخص کو قرض دیا ہے مگر یہ شرط لگائی ہے کہ مجھے اس سے زائد دو گے جو میں نے تمہیں دیا ہے۔ ابن عمر نے فرمایا

(۱) سنن کبری للبیہقی ص ۳۵۰ جلد ٥ و نصب الرایہ ص ٦٠ جلد ٤

(۲) مؤطا امام مالک طبع قاہرہ باب الربا فی الدین ص ٦٧٢ ج ٢

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یہی توربا ہے۔"

(۹)عن زید بن اسلم قال کان الربا فی الجاهلیة ان یکون للرجل علی الرجل الحق الی اجل فاذا حل الاجل قال اتقضی ام تربی فان قضی اخذوا لازاده فی حقه و اخر عنه فی الاجل.(۱)

"زید بن اسلم تابعی فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں ربا کی شکل یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص کا دوسرے پر کوئی حق واجب الادا ہوتا جس کی میعاد مقرر ہوتی تھی۔ جب ادائیگی کی میعاد آجاتی تو دائن اپنے مدیون کو کہتا حق دیتے ہو یا سود دیتے ہو؟ اگر وہ اصل دے دیتا تو لے لیا جاتا اور اگر وہ ادا نہ کر سکتا تو قرض کی مقدار میں اضافہ کر دیا جاتا اور اس کے بدلے میں مدت بڑھا دی جاتی۔"

(۱۱٬۱۰) قال مجاهد و مثله قال قتادة کانوا فی الجاهلیة یکون للرجل علی الرجل الدین فیقول لك كذا و كذا تؤخر عنی فیؤخر عنه.(۲)

"حضرت مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص کا دوسرے پر قرض ہوتا تو مدیون دائن کو کہتا کہ میں تم کو اتنی مقدار زائد دوں گا مگر تم مہلت بڑھا دو' چنانچہ وہ اس زائد رقم کے بدلے میں مدت بڑھا دیتا۔"

---

(۱)مؤطا امام مالك ص۶۷۲، ج۲ باب الربا

(۲)تفسیر ابن جریر ص ۶۷ ج ۳ طبع بیروت ۱۹۷۸ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## (د) ربا کی تعریف اجماع امت کی روشنی میں:

قرآن کریم اور احادیث و آثار کی روشنی میں ربا کی مذکورہ تعریف پر امت مسلمہ کا اجماع ہے اور اجماع بھی حجت شرعیہ ہے۔

ابن عبدالبر (متوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

و قد اجمع المسلمون نقلا عن نبیّهم ان اشتراط الزیادة فی السلف ربا و لو کان قبضة من علف اوحبة۔(۱)

''مسلمانوں نے اپنے نبی سے نقل کی بنا پر اجماع کر لیا ہے کہ قرض کے اصل مال پر اضافے اور زیادتی کی شرط لگانا سود ہے' اگر چہ یہ اضافہ ایک مٹھی گھاس (جانوروں کے لئے چارہ) ہو یا ایک حبہ (دانہ) ہو۔''

و لم یختلفوا فی معنی قولهم اما ان تقضی و اما ان تربی انه الربا الجمتمع علیه الذی نزل القرآن بتحریمه و لم تعرف العرب الربا الا فی السنة المذکورة فنزل القرآن بذالك۔(۲)

''ان کے اس قول کے مفہوم میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ قرض دیتے ہو یا سود دیتے ہو یہ وہ اجماعی ربا ہے جس کی حرمت پر قرآن کی آیات نازل ہوئی ہیں عرب کے لوگ اس طریقے کے علاوہ ربا کے کسی دوسرے طریقے کو نہیں جانتے تھے تو اس کی حرمت کے بارے میں قرآن نازل ہوا تھا۔''

---

(۱) التمهید لابن عبدالبر طبع لاهور ۱۹۸۳ء ص۶۸ ج٤

(۲) الاستذکار لابن عبدالبر طبع بیروت ۲۰۰۰ء ص۴۸۸۔۴۸۹ ج٦

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## (ھ) ربا کی تعریف مفسرین اور فقہاء کی نظر میں:

قرآن وحدیث اور اجماع امت سے ثابت شدہ ربا کی مذکورہ تعریف مفسرین اور فقہاء نے بھی نقل کی ہے۔ چند حوالے ملاحظہ فرمایئے:

(۱) امام المفسرین محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی تفسیر "جامع البیان عن تاویل آی القرآن" میں لکھتے ہیں جو ام التفاسیر کہلاتی ہے:

و حرم الزیاۃ التی یزاد رب المال بسبب زیادته غریمه فی الاجل و تاخیره دینه علیه۔(۱)

"حرام کردہ سود سے مراد وہ اضافہ ہے جو مال کے مالک (دائن) کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اس نے اپنے مقروض کے لئے مدت بڑھادی ہے اور اپنے قرض کی وصولی موخر کردی ہے۔"

(۲) امام طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ) لکھتے ہیں کہ ربا کی شکل یہ ہوتی ہے کہ مدیون دائن کو کہتا:

اجلنی منه الی کذا و کذا بکذا و بکذا درهما ازید کها فی دینك۔(۲)

"مجھے قرض کی ادائیگی میں اتنی مہلت اور دے دو تو میں اتنے روپے تمہارے قرض میں بڑھادوں گا۔"

(۳) امام جصاص (متوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

و هو القرض المشروط فیه الاجل و زیادۃ علی المستقرض۔(۳)

"ربا قرض کا وہ معاملہ ہے جس میں میعاد مقرر کی گئی ہو اور قرض لینے والے پر

(۱) تفسیر ابن جریر ص ۱۰۳ ج۲ و نحوه فی ص ۹۰ ج ٤ طبع بیروت ۱۹۸۸ء

(۲) شرح معانی الآثار للطحاوی باب الربا ص ۲۲۳ ج۲

(۳) احکام القرآن ص ٤۲۹ ج ۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قرض کی اصل رقم سے کچھ زیادہ دینے کی شرط لگائی گئی ہو۔“

(۴) امام بغوی (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

ان اهل الجاهلية كان احدهم اذا حل ماله على غريمه فطالبه فيقول الغريم لصاحب الحق زدني في الاجل حتى ازيدك في المال فيفعلان ذالك۔(۱)

”جاہلیت کے زمانے میں جب کسی کے مال کی ادائیگی کی میعاد آجاتی اور وہ اپنے قرض کا مطالبہ کرتا تو اس کا مقروض کہتا مدت بڑھا دو تو میں تمہارے قرض میں اضافہ کر دوں گا' چنانچہ دونوں ایسا معاملہ کر لیتے۔“

(۵) قاضی ابو بکر ابن عربی (متوفی ۵۴۷ھ) فرماتے ہیں:

و كان الربا معروفا عندهم يبايع الرجل الرجل الى اجل فاذا حل الاجل قال اتقضى ام تربى ... فحرم الله الربا.... ان من زعم ان هذه الآية مجملة فلم يفهم مقاطع الشريعة۔(۲)

”ربا عربوں کے ہاں ایک معروف چیز تھی۔ ایک شخص دوسرے کے ساتھ مدت مقررہ تک قرض کا کوئی معاملہ کرتا۔ جب میعاد آجاتی تو قرض خواہ قرض وار سے کہتا۔ میرا قرض دیتے ہو یا سود دیتے ہو؟ تو اللہ نے سود کو حرام کر دیا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ربا سے متعلق یہ آیت مجمل ہے تو انہوں نے شریعت کے قطعی اور طے شدہ احکام کو نہیں سمجھا۔“

(۶) امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) کا ارشاد ہے:

و اما ربا النسيئة فهو الامر الذى كان مشهورا متعارفا بينهم فى

(۱) معالم التنزیل للبغوی طبع ریاض ۱۴۰۹ ھ ص ۳۴۱ ج ۱

(۲) احکام القرآن ص ۳۲۰، ۳۲۱ ج ۱ طبع بیروت ۱۹۸۸ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الجاهلية و ذالك انهم كانوا يرفعون المال علی ان يأخذوا كل شهر قدرا معينا و يكون راس المال باقيا ثم اذا حل الدين طالب المديون براس المال فان تعذر عليه الاداء زادوا فی الاجل و الحق فهذا هو الربا الذی كانوا فی الجاهلية يتعاملون به۔(۱)

"ادھار کا سود جاہلیت کے زمانے میں معروف و مشہور تھا۔ اس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ لوگ اپنا ادھار مال اس شرط پر لوگوں کو دیتے کہ اتنی مقدار ماہانہ سود دینا ہوگا اور اصل رقم بدستور باقی رہے گی۔ جب ادائیگی کی میعاد پوری ہو جاتی تو قرض دار سے ادائیگی کا مطالبہ کرتے۔ اگر وہ ادائیگی سے معذور ہوتا تو میعاد بڑھادی جاتی اور اس میعاد کے بدلے میں سود بھی بڑھا دیا جاتا۔ یہی وہ ربا تھا جس پر جاہلیت کے زمانے میں معاملات ہوتے تھے۔"

اس بحث سے ربا کی وہی تعریف سامنے آجاتی ہے جس کا ذکر ابتدا میں ہو چکا ہے یعنی یہ کہ قرض کی اصل رقم پر جو زائد رقم بطور شرط و معاہدہ لی جائے وہ ربا ہے۔

## ربا کی اس تعریف میں سود مرکب بھی شامل ہے:

ربا کی یہ تعریف سود مفرد اور سود مرکب دونوں پر صادق آتی ہے اور دونوں حرام ہیں۔ حرم الربا میں لفظ ربا عام ہے جس میں تخصیص اور استثناء کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ عدم تخصیص کی دلیل موجود ہے اور وہ ہے فان تبتم فلكم رؤس اموالكم۔ اس آیت میں صرف راس المال ہی کو لینے کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ اس پر اضافے کو جائز تسلیم نہیں کیا گیا خواہ وہ اضافہ تھوڑا ہو یا کئی گنا زیادہ ہو۔ اسی طرح كل قرض جر نفعا فهو ربا اور اس مفہوم کی دوسری روایات میں ہر قسم کے نفع کو جو قرض کی

---

(۱) تفسیر کبیر از امام رازی طبع مصر ۱۹۳۸ء ص ۹۱ ج ۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اصل رقم پر لیا جائے اسے سود قرار دیا گیا ہے خواہ مفرد ہو یا مرکب ہو۔ باقی رہی سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۳۰ جس میں آیا ہے کہ "اے ایمان والو مت کھاؤ سود کئی کئی گنا بڑھا کر۔" تو یہ قید حرمت کی شرط نہیں ہے بلکہ امر واقعہ کا اظہار ہے کہ عربوں میں یہ جرم عظیم رائج تھا کہ مقروض پر عائد کردہ سود بعض اوقات اضعافا مضاعفہ تک پہنچ جاتا۔ اس کے علاوہ سورہ آل عمران کی یہ آیت سورہ البقرہ کی آیات سے پہلے نازل ہوئی تھی اور سورہ بقرہ کی آیات آخر میں نازل ہوئی تھیں جن میں مطلق ربا کو حرام کیا گیا ہے' تھوڑا ہو یا زیادہ درا اصل ربا کی حرمت کے احکام شراب کے احکام کی طرح تدریجاً نازل ہوئے تھے۔ پہلی آیت جس میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ سود میں برکت نہیں ہے اور یہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے مکہ میں نازل ہوئی تھی جو یہ ہے:

و ما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ و ما اتیتم من زکوۃ تریدون وجہ اللہ فاولئك هم المضعفون۔

"اور جو کچھ دیتے ہو تم ربا میں سے تاکہ وہ لوگوں کے اموال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے پس وہ نہیں بڑھ سکتا اللہ کے دربار میں اور جو کچھ دیتے ہو تم صدقے میں سے جس سے اللہ کی خوشنودی چاہتے ہو تو ایسے ہی لوگ بڑھانے والے ہیں اپنے اموال کو۔"

ربا کا لفظ اس آیت میں اپنے وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے جس میں اصطلاحی سود بھی شامل ہے اور وہ تحفہ بھی اس میں شامل ہے جو برادری اور دوستوں کی تقریبات میں دیا جاتا ہے تاکہ اس کے بدلے میں زیادہ مل جائے جسے عرف عام میں نیوتہ کہا جاتا ہے۔ عام مفسرین نے تو اس جگہ ربا سے یہی نیوتہ مراد لیا ہے' لیکن حسن بصری اور سدی نے متعارف سود ہی مراد لیا ہے۔ روح المعانی اور تفسیر نیشاپوری میں بھی اسی کو ترجیح دی گئی ہے' مگر صحیح یہ ہے کہ دونوں مراد ہیں۔ اس آیت میں سود کی برائی تو بیان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کی گئی ہے' لیکن قطعی طور پر اسے حرام نہیں کیا گیا' صرف نفرت دلائی گئی ہے' تاکہ لوگ ذہنی طور پر اسے چھوڑنے پر تیار ہو جائیں۔

دوسری آیت سورہ النساء کی ہے جو مدنی سورہ ہے اس میں کہا گیا ہے کہ یہودیوں پر عذاب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ سود کھاتے تھے۔ اس سے مسلمانوں کے ذہنوں میں سود کی مزید نفرت پیدا کی گئی تاکہ وہ ذہنی طور پر اسے چھوڑنے پر تیار ہو جائیں۔

واخذھم الربوا و قد نھوا عنه و اکلھم اموال الناس بالباطل واعتدنا للکافرین منھم عذابا الیما۔ (النساء ٤'١٦١)

"یہ سزا اس وجہ سے بھی دی گئی تھی کہ یہ لوگ (یہود) سود لیتے تھے حالانکہ انہیں تو اس سے منع کر دیا گیا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ یہ لوگ دوسرے لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

تیسری آیت سورہ آل عمران کی ہے اور یہ بھی مدنی سورۃ ہے۔ اس میں سود مرکب کی ممانعت کی گئی ہے کہ یہ ظلم عظیم تو نہ کرو کہ کئی کئی گنا بڑھا کر سود کھاتے ہو۔ گندگی کی تھوڑی مقدار بھی غلاظت ہے اور قبیح ہے' مگر جب اس غلاظت کو بڑی مقدار میں کھایا جائے تو یہ خباثت کی انتہا ہے' غریب کے خون کا ایک قطرہ چوسنا بھی ظلم ہے' لیکن جب اس کے خون کی بڑی مقدار چوسنے کی عادت پڑ جائے تو یہ ظلم کی انتہا ہے۔

یا ایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفة واتقوا الله لعلم تفلحون۔ (آل عمران ٣'١٣٠)

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو' مت کھاؤ سود کئی کئی گنا بڑھا کر اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

چوتھے اور آخری مرحلے پر سورہ بقرہ کی سات آیات نازل ہوئی تھیں جن کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



درمیان ایک آیت زکوۃ کے بارے میں ہے اور آخری آیت میں خوف خدا اور فکر آخرت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ان سات آیات کو نقل کر دیا جائے جو یہ ہیں:

الذین یأکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس ذالك بأنهم قالوا انما البیع مثل الربوا و احل الله البیع و حرم الربوا فمن جاء ه موعظة من ربه فانتهیٰ فله ما سلف و امره الی الله و من عاد فاولئك اصحاب النار هم فیها خالدون یمحق الله الربوا و یربی الصدقت والله لا یحب کل کفار اثیم ان الذین امنوا و عملوا الصلحت و اقاموا الصلوة و اتوا الزکوة لهم اجرهم عند ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون یا ایهاالذین امنوا اتقوا الله و ذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله و رسوله و ان تبتم فلکم رء وس اموالکم لا تظلمون و لا تظلمون و ان کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة و ان تصدقوا خیرلکم ان کنتم تعلمون واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله ثم توفی کل نفس ما کسبت و هم لا یظلمون. (البقره ۲۷۵ تا ۲۸۱)

"جو لوگ کھاتے ہیں سود وہ کھڑے نہیں ہو سکیں گے، مگر جس طرح کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے خبطی بنا دیا ہو شیطان نے دیوانہ بنا کر۔ اس لئے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ بیع بھی تو سود کی طرح ہے' حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ پس جس کو بھی یہ نصیحت پہنچ گئی اس کے رب کی جانب سے اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ پہلے لے چکا ہے وہ اسی کا ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اور جو کوئی دوبارہ پلٹ جائے تو ایسے لوگ دوزخ والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ سود سے برکت مٹا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ پسند نہیں کرتا ہر ناشکرے گنہگار کو بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک کام کئے ہیں اور نماز قائم کی ہے اور زکوۃ دی ہے تو ان کے لئے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس۔ نہ ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو کچھ بھی باقی ہو سود میں سے 'اگر تم مومن ہو۔ پس اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تیار ہو جاؤ جنگ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے اور اگر تم نے توبہ کر لی ہو تو ملیں گے تم کو تمہارے اصل مال۔ نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اور اگر وہ تنگدست ہو تو اس کے لئے مہلت ہے آسودہ حالی تک اور اگر معاف کر دو تو یہ زیادہ بھتر ہے 'اگر تم جانتے ہو۔ اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا ہر شخص کو اس کے اس عمل کا جو اس نے کیا ہو اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔"

ان آیات میں وہ آخری اور حتمی حکم بیان ہوا ہے کہ جس میں مفرد اور مرکب سود کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ سود کا بقایا اگر ایک حبہ بھی ہو تو اسے بھی لینا جائز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ قطعی اور حتمی حکم وہی ہوتا ہے جو آخری ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

آخر آية نزلت على النبیﷺ آية الربا۔(۱)

"آخری آیت جو نبی پر نازل ہوئی تھی وہ ربا کی حرمت کی آیت ہے۔"

اس روایت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ سورہ بقرہ کی آیات اس بارے میں آخری آیات ہیں جو اس موضوع پر باقی تمام آیات پر حاوی ہیں اور ان میں ہر نوع کے سود کو حرام کر دیا گیا ہے۔ جو لوگ اضعافا مضاعفة کی قید کو سود مفرد کے جواز کی دلیل بناتے ہیں ان کی مثال اس بے وقوف شخص کی طرح ہو گی جو لا تقربوا الصلوة و

(۱) بخاری شریف کتاب التفسير واتقوايوما۔ البقرہ ۲۸۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



انتم سکاری کو اس بات کی دلیل بناتا ہو کہ شراب پینا صرف نماز کے اوقات میں حرام ہے' دوسرے اوقات میں حرام نہیں ہے۔ اس لئے کہ شراب پینے اور نشہ آور چیز کے استعمال کو صرف نماز کے اوقات میں منع کیا گیا ہے' تو ایسا شخص یا تو دانستہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہو گا یا پھر اسے اس بات کا علم نہیں ہو گا کہ شراب کی حرمت کا حکم تدریجا نازل ہوا تھا۔ ایک مرحلے میں صرف نماز کے اوقات میں نشہ حرام تھا' مگر آخری اور حتمی حکم تو یہ آیا تھا کہ شراب گندی چیز ہے اس سے دور رہو' اسی طرح سود کے احکام بھی تدریجا نازل ہوئے تھے' مگر آخری اور حتمی حکم ہر قسم کے سود کی حرمت کا تھا جو اب قیامت تک باقی ہے' جسے کوئی شخص مسلمان ہوتے ہوئے نہ ختم کر سکتا ہے اور نہ اس میں ترمیم و تخفیف کر سکتا ہے۔

## ربا حکمی یا ربا خفی یا ربوا الفضل:

ربا کی جو تعریف سطور مذکورہ میں کی گئی ہے یہ اس ربا کی تعریف ہے جس کی حرمت قرآن کریم کی مذکورہ آٹھ آیات سے ثابت ہے۔ اس کی حرمت بھی قطعی ہے اور اس کی تعریف بھی متفق علیہ ہے اور اس میں کسی قسم کا ابہام و اجمال بھی نہیں ہے اور یہی وہ ربا ہے جو عربوں میں معروف و مشہور تھا جس کو وہ بیع کی طرح حلال سمجھتے تھے۔ اس کو ربا القرآن بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس کی حرمت قرآن سے ثابت ہے۔ اسے ربا جلی اور ربا حقیقی بھی کہا جاتا ہے' اس لئے کہ یہ کھلا اور حقیقی معنوں میں سود ہے' صرف سود کا ذریعہ نہیں ہے اور اس کا مشہور نام ربا النسیئہ ہے' اس لئے کہ یہ سود ادھار پر لیا جاتا ہے۔

لیکن ربا کی ایک اور قسم بھی ہے جسے ربا حکمی کہا جاتا ہے' اس لئے کہ اس پر ربا کا حکم نافذ ہوتا ہے اور یہ حقیقی اور جلی ربا کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اسے ربا خفی بھی کہتے ہیں' اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لئے کہ یہ کھلا سود نہیں ہے' بلکہ کھلے سود کا ذریعہ اور چور دروازہ ہے اور اسے ربا الفضل بھی کہا جاتا ہے' اس لئے کہ اس میں دست بدست بیع میں بھی ایک جانب سے زیادہ اور اضافہ ممنوع ہے۔ ربا کی یہ قسم قرآن سے ثابت نہیں ہے بلکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ حرمت سد ذریعہ کے طور پر ہے۔ ربا الفضل کی حرمت کے بارے میں احادیث کی تعداد تو زیادہ ہے مگر ایک حدیث بطور نمونہ عرض خدمت ہے:

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة والتمر بالتمر والبر بالبر والشعير بالشعير والملح بالملح مثلا بمثل يدا بيد فمن زاد اواستزاد فقد اربى الآخذ والمعطى فيه سواء۔(۱)

"سونا سونے کے بدلے میں' چاندی چاندی کے بدلے میں' کھجور کھجور کے بدلے میں' گندم گندم کے بدلے میں' جو جو کے بدلے میں اور نمک نمک کے بدلے میں بیچے جاسکتے ہیں' مگر شرط یہ ہے کہ برابر برابر ہوں اور دست بدست ہوں' جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا تو اس نے سود کا لین دین کیا۔ لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔"

ان چھ چیزوں میں ادھار لین دین تو اس حدیث کی بنا پر جائز ہی نہیں ہے اور اگر معاملہ دست بدست کا ہو تو پھر ایک ہی جنس کے تبادلے میں ایک طرف سے اضافہ ممنوع ہے۔ البتہ اگر جنس مختلف ہو مثلاً گندم کا تبادلہ جو سے یا سونے کا تبادلہ چاندی سے ہو تو پھر اضافہ جائز ہے' مگر ادھار پھر بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

فاذا اختلف الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد۔(۲)

---

(۱) صحیح مسلم کتاب المساقات باب الصرف

(۲) مسلم باب الصرف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"جب چیزوں کی اصناف مختلف ہوں تو جس طرح چاہو بیچو بشرطیکہ معاملہ دست بدست ہو۔"

ربا الفضل کے حرام ہونے کی علت و حکمت حقیقی ربا کا راستہ بند کرنا ہے اور سودی ذہنیت کا انسداد ہے' تاکہ اسے حقیقی سود یعنی ربا النسیئہ کا ذریعہ نہ بنا سکیں۔ یہی حکمت حضرت عمرؓ نے بیان فرمائی ہے کہ:

"سونا سونے کے بدلے میں فروخت نہ کرو' مگر برابر برابر اور ایک کا دوسرے پر اضافہ نہ کرو۔ چاندی چاندی کے بدلے میں نہ بیچو' مگر برابر برابر۔ ایک کا دوسرے پر اضافہ نہ کرو۔ اور چاندی سونے کے بدلے میں ادھار نہ بیچو کہ ایک طرف سے ادھار ہو اور دوسری طرف سے نقد ہو۔ اگر تم سے گھر تک مہلت مانگی جائے تو اتنی مہلت بھی نہ دو' اس لئے کہ انی اخاف علیکم الرماء والرماء الربا۔ "مجھے خطرہ ہے کہ اس طرح تم کہیں حقیقی سود میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔"(۱)

ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

الربا نوعان نوع حرم لما فیه من المفسدة و هو ربا النسیئة و نوع حرم تحریم الوسائل و سدا للذرائع۔(۲)

"ربا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ربا النسیئۃ جو ذاتی خرابی کی وجہ سے حرام کیا گیا ہے اور دوسری وہ قسم ہے جو اس لئے حرام کی گئی ہے کہ یہ ربا النسیئۃ کا ذریعہ بن سکتی ہے۔"

(۱) مؤطا امام مالك فى البيوع باب الذهب بالذهب ص ٦٣٤ ج ٢

(۲) اعلام الموقعين بيروت ص١٦٧ و ٢٤٤ ج ٤ والموافقات للشاطبى ص ٤٠ تا ٤٢ ج ٤

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سوال نمبر ۲:

# غیر سودی بنکاری کی عملی صورت

سوال: غیر سودی بنک کے قیام کی صورت میں بنکوں کے معاملات کو اسلامی احکام کے مطابق بنانے کی عملی صورت کیا ہو گی؟

جواب:

(الف) پہلا قدم تو یہ اٹھانا ہو گا کہ ملک کی تمام معاشی سرگرمیوں سے سود کو قانوناً ختم کر دیا جائے۔ سود کے دروازے چوپٹ کھلے رکھ کر غیر سودی بنکاری کی عملی صورتیں تلاش کرنا نہ عقل و خرد کا تقاضا ہے اور نہ شریعت کا تقاضا ہے۔ جب تک سود خوروں کو ملکی قانون اور عدالتوں کی مدد حاصل ہے اس وقت تک غیر سودی نظام مالیات وجود میں نہیں آسکتا۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ فاضل عدالت حکم صادر فرمادے کہ سود اسلام میں حرام ہے اور تمام وہ قوانین (ناموں کے تعین کے ساتھ) اور قواعد و ضوابط اسلامی احکام کے خلاف ہیں جن کی بنا پر ملک میں سودی لین دین ہوتا ہے۔ حکومت کو ایک متعین مدت دے دی جائے کہ اس کے بعد یہ سارے قوانین کالعدم ہو جائیں گے اور عدالتیں تمام مالی امور کے فیصلے شرعی احکام کے مطابق دینے کی قانوناً بھی مجاز ہوں گی۔ یہ مدت زیادہ طویل نہیں ہونی چاہئے، اس لئے کہ حکومت کو پہلے ہی ۴۴ سال کی مدت مل چکی ہے اور عملی خاکے تیار ہو چکے ہیں۔

(ب) غیر سودی بنکاری کا اجرا اور بنکوں کے نظام کو اسلامی احکام کے مطابق بنانے کا مثالی اور بہترین طریقہ تو شراکت اور مضاربت کا نظام ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے اس سلسلے میں بڑا مفید کام کیا ہے۔ اس نے سودی نظام کے خاتمے کے لئے اپنی حتمی رپورٹ جون ۱۹۸۰ء میں صدر مملکت کی خدمت میں پیش بھی کر دی تھی، مگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



افسوس ہے کہ اس پر عمل نہیں کیا گیا۔ پی ایل ایس کا جو سسٹم بنکوں میں چل رہا ہے اس میں بھی سود شامل ہے اور یہ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ کے مطابق نہیں ہے۔ شرکت و مضاربت کے تفصیلی احکام جو ہر دور میں قابل عمل ہیں حدیث و فقہ کی کتابوں میں لکھے ہوئے موجود ہیں۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اس موضوع پر بھی اپنی معروضات اور خدمات پیش کر سکتا ہوں۔ انشاء اللہ۔ مگر اس سلسلے میں پہلے مسلم ماہرین معاشیات کافی کام کر چکے ہیں۔

(ج) عقد بیع میں ادھار کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ربوا نہیں ہے اور جائز ہے' بشر طیکہ قیمت کا تعین معاہدہ بیع کے وقت وضاحت کے ساتھ کر دیا گیا ہو اور میعاد میں اضافے کے ساتھ قیمت میں مزید اضافہ نہ کیا جائے' یعنی مارک اپ پر مارک اپ کا سسٹم نہ ہو۔ اگر مشتری میعاد پر قیمت ادا نہ کر سکے تو پھر بھی قیمت وہی ہو جو عقد بیع کے وقت طے کی گئی تھی۔ نقد کے مقابلے میں ادھار قیمت میں جو اضافہ ہوتا ہے وہ قرض میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ قیمت میں اضافہ ہوتا ہے جو ربوا نہیں ہے بلکہ ثمن ہے اور جائز ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے بیع مؤجل کا جو جائز طریقہ تجویز کیا تھا' حکومت نے اس پر عمل نہیں کیا اور غیر سودی کاروبار کے نام سے سود ہی کی لعنت کو برقرار رکھا ہے۔ (اس موضوع پر میری ایک تحریر پہلے سے تیار تھی اس کی فوٹو کاپی ارسال خدمت ہے۔) یہ تحریری کتاب تفہیم المسائل ص ۴۶ تا ۹۲ پر دیکھی جاسکتی ہے۔

(د) ایک معتد بہ تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اپنی رقوم حفاظت کے لئے بطور امانت بنکوں میں رکھتے ہیں۔ ان رقوم کو بنک امانت کی بجائے قرض کے طور پر اپنے پاس رکھے اور مقررہ میعاد پر یا عند الطلب واپس کرنے کی ضمانت دے تو ایسی صورت میں بنک کو حق حاصل ہوگا کہ ان رقوم کو تجارت میں لگائے اور نفع کمائے اور اگر نقصان ہو جائے تو اسے اپنے دوسرے ذرائع سے پورا کرے' چونکہ یہ رقم لوگوں کے قرضے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہوں گے اور قرضوں پر نفع لینا جائز نہیں ہے' اس لئے نفع میں کھاتہ داروں کا کوئی حصہ نہیں ہوگا اور ان کا مقصد بھی نفع کمانا نہیں ہوتا' بلکہ اپنی بچتوں کی حفاظت ان کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ مشہور صحابی زبیر بن عوامؓ جو بدری ہیں اور عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں ان کی وفات کے وقت ۲۲ لاکھ درہم کا قرضہ ان کے ذمے واجب الاداء تھا۔ اس قرض کی وجہ بیان کرتے ہوئے ان کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں:

انما کان دینه الذی علیه ان الرجل یاتی بالمال فیستودعه ایاه فیقول الزبیر لا ولکنه سلف فانی اخشی علیه الضیعة۔(۱)

"ان پر جو قرض تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک شخص اپنا مال لے کر آتا اور کہتا کہ اسے اپنے پاس امانت رکھ لو' مگر حضرت زبیرؓ فرماتے نہیں یہ قرض ہوگا' کیونکہ مجھے اس کے ضائع ہو جانے کا خوف ہے۔"

ابن حجر عسقلانی نے اس کی دو وجوہات بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ قرض بنا کر اس مال کا تحفظ کیا جائے اور مالک کو اطمینان حاصل ہو جائے اس لئے کہ قرض بہر صورت واجب الادا ہوتا ہے اور امانت کے ضائع ہو جانے پر اس کا عوض واجب نہیں ہوتا' بشرطیکہ حفاظت میں غفلت نہ برتی گئی ہو۔ اور دوسری وجہ ابن بطال کے حوالے سے یہ بیان فرمائی ہے کہ اس مال سے تجارت کرنا اور نفع کمانا حضرت زبیر کے لئے جائز ہو جائے۔(۲)

قرض کھاتے میں بڑی مقدار میں رقوم بنکوں کو مل سکتی ہیں۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

"جدید بنکوں کا تجربہ بتاتا ہے کہ عند الطلب کھاتوں میں (جن پر سود نہیں دیا

---

(۱) بخاری ابواب الخمس باب برکة الغازی فی ماله نمبر ۲۹۶۱

(۲) فتح الباری طبع مصر ۱۹۵۹ء ص ۳۸ ج ۷ ابواب الخمس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جاتا) جمع کی جانے والی رقوم بحیثیت مجموعی ان طویل المدت رقوم سے زیادہ ہوتی ہیں جو بچت کھاتے میں جمع ہوتی ہیں۔"(۱)

اسی صفحے کے حاشیے میں لکھتے ہیں:

"۱۹۵۸ء میں برطانیہ کے تجارتی بنکوں کے مجموعی کھاتوں کا ۶۰ فیصد عند الطلب کھاتوں پر مشتمل تھا اور ۴۰ فیصد طویل المیعاد کھاتوں پر۔ امریکہ میں بھی دونوں کھاتوں کے درمیان یہی تناسب ہے۔"

قرض کھاتے سے حاصل شدہ تجارتی نفع کا ایک حصہ ریزرو رکھا جاسکتا ہے جس سے عند الطلب قرضوں کی ادائیگی بھی ہو سکے گی اور ان کھاتوں پر بنک کے آنے والے اخراجات بھی پورے ہو سکتے ہیں' بلکہ اس نظام سے عوام اور حکومت کو غیر سودی قرضے بھی دیئے جاسکیں گے۔

(ہ) غیر سودی بنک اسی طرح جائز خدمات پر معاوضہ وصول کر سکیں گے جس طرح آج بھی بالمعاوضہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس مد سے بھی بنک کو کافی آمدنی ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب سود کے راستے کلی طور پر بند کر دیئے جائیں گے تو غیر سودی راستے خود بخود سامنے آتے رہیں گے' مگر شرط یہ ہے کہ عزم بھی ہو اور اخلاص بھی ہو۔

(۱) غیر سودی بنکاری ص ۵۹' ۶۰ بحوالہ ریڈ کلف کمیٹی کی رپورٹ ۱۹۵۹ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## سوال نمبر ۳:

# حکومت کی جانب سے جاری کردہ قرضوں پر سود کا مسئلہ

سوال: کیا قومی ضروریات کی تکمیل کے لئے حکومت کی جانب سے جاری کردہ قرضوں پر نفع ربا کے ضمن میں آتا ہے؟

جواب: یقیناً ربا کے ضمن میں آتا ہے۔ و حرم الربا و ذروا ما بقی من الربا اور کل قرض جر منفعة فهو ربا یہ شرعی نصوص عام ہیں۔ ان میں کسی استثنا کی دلیل موجود نہیں ہے' بلکہ حکومت کا سودی لین دین افراد کے سودی لین دین کے مقابلے میں زیادہ قباحت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ حکومت کا فرض منصبی یہ ہے کہ سود سے معیشت کو پاک کرے اور جب یہ خود اس میں ملوث ہو تو عوام کو کس طرح اس لعنت سے روک سکے گی' اس کے علاوہ یہ قانونی نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ حکومت دراصل عوام کی وکیل کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ جو کچھ بھی کرتی ہے عوام کی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے انہی کے دیئے ہوئے اختیارات استعمال کرتی ہے تو جس چیز کی اجازت خود عوام کو حاصل نہ ہو اس کی اجازت حکومت کو کیسے دی جا سکتی ہے؟ جس کام کا حق مؤکل کو حاصل نہ ہو اس کا حق وکیل کو بھی حاصل نہیں ہوتا۔ باقی رہیں قومی ضروریات تو ان میں سے کچھ تو قومی محاصل سے پوری کی جائیں گی' کچھ زکوۃ و عشر سے پوری کی جائیں گی' کچھ بنکوں سے غیر سودی قرض لے کر پوری کی جا سکتی ہیں' اس لئے کہ بنک بھی قرض کھاتوں کی رقوم تجارت میں لگا کر نفع کماتے ہیں' لیکن پھر بھی حکومت کو قرضوں کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اگر یہ ضرورت پیداواری منصوبوں کے لئے ہو تو حکومت مضاربت اور شرکت کے اصول پر عوام سے اور بنکوں سے سرمایہ حاصل کر سکتی ہے اور ان منصوبوں کے منافع میں سرمایہ فراہم کرنے والوں کو حصہ دار بنا سکتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے۔ اور اگر غیر پیداواری منصوبوں کے لئے مثلاً دفاع کے لئے یا عوام کو دوسری سہولتیں فراہم کرنے کے لئے قرض کی حقیقی ضرورت درپیش ہو تو وہ جب عوام سے اپیل کرے گی تو امید ہے کہ لوگ رضاکارانہ طور پر غیر سودی قرضے دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ جب وہ اپنی فاضل دولت حفاظت کے لئے بنکوں کو دیتے ہیں تو قومی ضرورت کے لئے اپنی حکومت کو کیوں نہیں دیں گے حکومت کے پاس تو ان کا روپیہ زیادہ محفوظ ہوگا' لیکن اگر بالفرض مذکورہ تمام ذرائع سے مطلوبہ سرمایہ نہ مل سکا اور ضرورت حقیقی اور فوری ہو تو مطلوبہ قرض سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے زبردستی لینے کا حق بھی حکومت کو حاصل ہے' اس لئے کہ مصلحت عامہ کو مصلحت خاصہ پر ترجیح حاصل ہے اور امیر کا یہ حکم معصیت کا حکم نہیں ہوگا' بلکہ معروف اور نیکی کا حکم ہوگا جس کی اطاعت عوام پر لازم ہے۔ موجودہ حکومت چونکہ شریعت کی پابند نہیں ہے اس لئے لوگوں کا اس پر اعتماد نہیں ہے اگر سودی معیشت کا خاتمہ کردے اور اسلام کا عادلانہ نظام قائم کردے تو لوگ بڑی خوشی سے اپنی اسلامی حکومت کو ٹیکس بھی دیں گے اور غیر سودی قرضے بھی دیں گے۔

سوال نمبر ۴:

## بنکوں سے غیر سودی قرضے حاصل کرنے کی متبادل تجویز

سوال: بنکوں کی جانب سے مختلف ضروریات کے لئے غیر سودی قرضے فراہم کرنے کے بارے میں آپ کیا متبادل تجویز دیتے ہیں؟

جواب: قومی ضروریات کے لئے حکومت کو جن قرضوں کی ضرورت پڑتی ہے ان کے بارے میں تو سوال نمبر ۳ کے جواب میں متبادل تدابیر کا خلاصہ عرض کردیا گیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے' باقی رہے وہ قرضے جو عوام کو اپنی صرفی یا تجارتی ضروریات کے لئے فراہم کئے جاتے ہیں تو اس بارے میں درج ذیل نکات پیش خدمت ہیں۔

ا۔ غیر سودی معاشرے میں انشاء اللہ باہمی تعاون اور ہمدردی کا ایسا ماحول پیدا ہو جائے گا جس میں لوگ ایک دوسرے کی مدد قرض اور اعانت دونوں صورتوں میں کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے اور بنکوں یا حکومت سے قرض لینے کی ضرورت نسبتاً کم ہو جائے گی۔

۲۔ جو لوگ اپنی بنیادی ضروریات تک سے محروم ہو چکے ہوں اور قرض کی واپسی کا کوئی ذریعہ بھی نہ رکھتے ہوں تو ان کی کفالت حکومت اور معاشرے کی ذمہ داری ہے۔ زکوۃ و عشر سے یا قومی خزانے سے ایسے لوگوں کو قرض نہیں بلکہ امداد دی جائے گی اور حکومت اس مد کو باقی تمام مدات پر فوقیت دینے کی شرعاً پابند ہے۔

۳۔ جو لوگ سرکاری یا نجی اداروں میں ملازم ہوں ان کو ضرورت کے وقت قرضے فراہم کرنا ان محکموں یا اداروں کا فرض ہے جن میں وہ خدمات انجام دیتے ہوں اجیر خاص (جو کسی اور جگہ کام نہ کرتا ہو) کی کفالت آجر کی شرعی ذمہ داری بھی ہے اور اس سے آجر اور اجیر کے باہمی تعلقات خوشگوار ہونے کی وجہ سے پیداوار پر بھی اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔ حکومت قوانین و قواعد بنا کر اس نظام کو قانوناً نافذ کر سکتی ہے۔

۴۔ وہ لوگ جن کو اپنی ضروریات کے لئے وقتی طور پر قرضوں کی ضرورت ہو اور وہ کسی محکمے یا ادارے کے ملازم نہ ہوں' بلکہ عام صارفین ہوں اور ان کے پاس ایسے ذرائع موجود ہوں جن سے وہ مستقبل میں قرضے واپس کر سکتے ہوں تو ان کو بھی قرض فراہم کرنے کی اصل ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لئے الگ فنڈ ہونا چاہئے جس میں حکومت بھی رقم جمع کرے اور اغنیاء سے بھی اس فنڈ میں حصہ لینے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کی اپیل کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

فمن توفي من المومنين فترك دينا فعلي قضاء ه و من ترك مالا فلورثته۔(۱)

"مسلمانوں میں سے جو شخص وفات پا چکا ہو اور اپنے اوپر اس نے قرض چھوڑا ہو (اور مال نہ چھوڑا ہو) تو اس قرض کا ادا کرنا مجھ پر لازم ہے (حکومت پر) اور جس نے مال چھوڑا ہو تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔"

جب نادار مقروض کا قرض ادا کرنا حکومت کا فرض ہے تو نادار لوگوں کو ان کی ضروریات کے لئے قرض فراہم کرنا بھی حکومت کا فرض ہونا چاہئے۔

اگر الگ فنڈ قائم نہ بھی ہو سکے تو ریاست کے عام بجٹ میں بھی اس کے لئے رقم مختص کی جا سکتی ہے اور وسائل کے طریقے معلوم کئے جا سکتے ہیں۔

۵۔ باقی رہے تجارتی اور صنعتی اغراض کے لئے قرضے جن کی ضرورت کاروباری لوگوں کو پڑ سکتی ہے' تو اس سلسلے میں اصولی بات تو یہ ہے کہ جب شرکت اور مضاربت کا نظام ملک میں رائج ہو جائے گا تو بنک لوگوں کو نفع نقصان میں شراکت یا مضاربت پر سرمایہ فراہم کرے گا اور اس سے تجارت اور صنعت کو انشاء اللہ فروغ ملے گا۔ اسی طرح حکومت بھی کاروباری لوگوں کو تجارت کے لئے مضاربت اور شرکت کے اصول پر قومی خزانے سے قرض فراہم کر سکتی ہے اور اپنے سرمائے کے تناسب سے نفع حاصل کر سکتی ہے۔

شراکت اور مضاربت کے بغیر بھی حکومت کاروباری لوگوں کو بلا سود قرضے دے سکتی ہے اور اسے دینے چاہئیں' اس لئے کہ جب عوام کاروبار کریں گے تو اس سے قومی دولت میں اضافہ ہو گا اور حکومت کا بوجھ کم ہو جائے گا۔ روزگار فراہم کرنا تو ویسے

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الکفالہ باب الدین نمبر ۲۱۷۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بھی حکومت کا فرض ہے اور قومی معیشت کے استحکام کے لئے ضروری ہے۔ تجارت کے لئے سرکاری خزانے سے قرض دینے کی مثالیں خلافت راشدہ کے دور میں بھی ملتی ہیں مثلاً:

"حضرت عمرؓ کے دو بیٹے عبداللہؓ اور عبیداللہؓ مجاہدین کے ساتھ عراق گئے تھے۔ جب جہاد سے فارغ ہونے کے بعد بصرہ کے امیر حضرت ابو موسیٰؓ اشعری سے ملنے آئے تو امیر بصرہ نے کہا کہ میرے پاس ایک رقم ہے جسے میں امیر المومنین کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہوں۔ آپ دونوں اس رقم سے عراق کا کوئی سامان تجارت خرید لیں اور مدینہ میں فروخت کر دیں۔ اصل رقم امیر المومنین کو دے دیں اور نفع آپ دونوں کا ہوگا۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ یہ دونوں بھائی جب مدینہ پہنچے تو عراق کا مال نفع کے ساتھ بیچ دیا۔ نفع اپنے پاس رکھا اور اصل رقم حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ اکل الجیش اسلفه مثل ما اسلفکما؟ قال لا فقال عمر ابنا امیر المومنیٔن فاسلفکما ادیا المال و ربحه۔ "کیا امیر بصرہ نے پورے لشکر کو اتنا ہی قرض دیا تھا جتنا تم کو دیا تھا؟ انہوں نے فرمایا نہیں! اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تم امیر المومنین کے بیٹے ہو اس لئے اس نے تم کو قرض دیا ہے۔ اصل رقم کے ساتھ اس سے جو نفع ہوا ہے وہ بھی جمع کرا دو۔ عبداللہ تو خاموش ہو گئے مگر عبید اللہ نے کہا امیر المومنین اگر یہ مال ضائع ہو جاتا تو اس کے ہم ذمہ دار ہوتے (اس لئے کہ قرض تھا) لیکن حضرت عمرؓ نے دوبارہ فرمایا نہیں! نفع بھی جمع کرا دو۔ عبداللہ تو بدستور خاموش رہے، مگر عبید اللہؓ نے اپنی بات پھر دہرائی۔ حاضرین مجلس میں سے کسی نے تجویز پیش کی کہ اگر آپ اس مال کو قراضہ یعنی مضاربہ قرار دیں تو بہتر ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے اس تجویز کو منظور کرتے ہوئے فرمایا:

قد جعلته قراضا فاخذ عمر راس المال و نصف الربح و اخذ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



عبدالله و عبيدالله ابنا عمر نصف ربح المال۔

"میں نے اس مال کو مضاربہ قرار دے دیا' چنانچہ عمر نے بیت المال کے لئے اصل مال اور آدھا نفع وصول کیا اور باقی آدھا نفع عمر کے بیٹوں عبداللہ اور عبیداللہ نے لے لیا۔" (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قومی خزانے کا مال قرض کے طور پر تاجروں کو دینا بھی جائز ہے اور مضاربت کے طور پر دینا بھی جائز ہے' اس لئے خلیفہ راشد حضرت عمرؓ نے بیت المال سے تجارتی قرضے دینے پر اعتراض نہیں کیا' بلکہ انہوں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ خصوصی رعایت کے شبہے کی وجہ سے اس مال کو مضاربہ قرار دے کر آدھا نفع بھی بیت المال کے لئے وصول کر لیا۔ یہ حضرت عمرؓ کا کمال تقویٰ اور ورع تھا' ورنہ ان کے بیٹے عبید اللہؓ نے جو یہ کہا تھا کہ اگر یہ مال ضائع ہو جاتا (یا تجارت میں خسارہ ہو جاتا) تو اس کے ضامن ہم ہوتے' یعنی اپنے پاس سے یہ قرضہ ادا کرتے' لہذا اس کا نفع بھی ہمارا حق ہے۔ یہ بات اس حدیث کے مطابق تھی کہ الخراج بالضمان یعنی جو شخص نقصان کی ذمہ داری اٹھاتا ہے فائدہ اٹھانا بھی اسی کا حق ہے۔ (۲)

اس حدیث کے مستند حوالے میں نے اس لئے تفصیل کے ساتھ تلاش کر کے دیئے ہیں کہ معاشی مسائل کی متعدد جزئیات میں اس کو دلیل بنایا جا سکتا ہے اور یہ ایک مسلمہ فقہی قاعدہ بن گیا ہے' بہر حال اس وقت اس حدیث کو اس بات کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے کہ حکومتی خزانے سے بھی بلا سود تجارتی قرضے جاری ہو سکتے ہیں اور جاری ہونے چاہئیں۔

دوسری مثال حضرت عمرؓ کے دور خلافت کی ہے جسے ابن جریر طبری (متوفی

(۱) مؤطا امام مالکؒ کتاب القراض طبع مصر ص ۶۸۷ ج ۲

(۲) ابو داؤد فی البیوع باب من اشتری نمبر ۳۵۰۸' ترمذی فی البیوع نمبر ۱۲۸۵' ۱۲۸۶' نسائی شریف فی البیوع باب الخراج بالضمان' ابن ماجہ فی التجارات باب الخراج بالضمان' مسند احمد صفحہ نمبر ۴۹' ۸۰' ۱۱۶' ۱۶۱' ۲۰۸' ۲۳۷' جلد ۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۳۱۰ھ) نے "تاریخ الامم والملوک" میں اس طرح نقل کیا ہے:

عن زید بن اسلم عن ابیه قال ان هند بنت عتبه قامت الی عمر بن الخطاب فاستقرضته من بیت المال اربعة آلاف تتجر فیها و تضمنها فاقرضها فخرجت فیها الی بلاد کلب فاشترت و باعت.(۱)

"ہند بنت عتبہ (ابو سفیان کی بیوی اور معاویہ کی والدہ) حضرت عمر کے پاس آکر کھڑی ہو گئی اور ان سے بیت المال کی رقم سے چار ہزار کا قرض مانگا تاکہ وہ اس سے تجارت کر سکے اور وہ اس کی واپسی کی ذمہ دار ہو گی۔ حضرت عمرؓ نے مطلوبہ قرضہ دے دیا' چنانچہ وہ بنو کلب کے علاقے میں گئی اور وہاں پر خرید و فروخت کی۔"

اس تجارت میں اسے خسارہ ہو گیا تھا لیکن حضرت عمر نے فرمایا اگر یہ میرا ذاتی مال ہوتا تو معاف کر دیتا' لیکن بیت المال کا مال معاف نہیں کر سکتا۔

سوال نمبر ۵:

# نجی اور سرکاری بنکاری میں امتیاز کا مسئلہ

سوال: کیا اسلامی احکام کی روشنی میں بنکوں کی فراہم کردہ سہولتوں یا خدمات کے عوض سود کی وصولی کے سلسلے میں نجی اور سرکاری بنکاری میں کوئی امتیاز کیا جا سکتا ہے؟

جواب: نہیں جناب! سود مطلقاً ممنوع ہے اس سلسلے میں نجی اور سرکاری کا کوئی فرق نہیں ہے۔ جب سرکاری بنک سود وصول کریں گے تو نجی بنکوں کو اس سے کس طرح روکا جا سکے گا۔ دلائل پہلے دیئے جا چکے ہیں' باقی رہیں خدمات تو ان کا معاوضہ نجی

---

(۱) تاریخ الامم والملوک طبع مصر ص ۳۰٬۲۹ ج ۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بنک بھی لے سکتے ہیں اور سرکاری بنک بھی لے سکتے ہیں، مگر قرض پر معاوضہ نہیں لے سکتے، اس لئے کہ یہ معاوضہ نہیں ہے بلکہ سود ہے۔

## سوال نمبر ۶:

# زر نقد کے استعمال پر معاوضہ لینا ربوا ہے

سوال: کیا اسلامی تعلیمات کے مطابق سرمایہ کو پیداوار کا ذریعہ تصور کر کے اس کے استعمال پر کوئی معاوضہ لیا جا سکتا ہے؟

جواب: نہیں جناب! زر نقد کے استعمال پر معاوضہ (کرایہ) لینا سود ہے اور حرام ہے۔ اس سلسلے میں پہلی اور اصولی بات تو یہ ہے کہ قرآن و سنت اور اجماع امت کے مقابلے میں قیاس اور عقلی دلائل کی شرعاً کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ جب نصوص سے یہ ثابت ہے اور امت کا اس پر پہلے سے اجماع موجود ہے کہ قرض مال پر اضافہ ربوا ہے اور دائن کو راس المال کے علاوہ ایک حبہ لینے کا حق بھی حاصل نہیں ہے تو ہم کس طرح قیاس و تصور کی بنیاد پر اس کے استعمال پر معاوضہ لینے کو جائز کہہ سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شریعت کے احکام عقل کے خلاف ہیں اور ان کے اندر کوئی حکمت و مصلحت موجود نہیں ہے۔ نہیں ایسا بالکل نہیں ہے حکیم کے احکام حکمت سے خالی نہیں ہو سکتے اور اللہ تعالیٰ صرف حاکم نہیں ہے بلکہ حکیم بھی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے اور اس عقل سے کام لینے کا حکم بھی دیا ہے، لیکن یہ عقل اللہ و رسول کے احکام کو سمجھنے اور ان کی حکم و مصالح معلوم کرنے کے لئے دی ہے۔ ان کے کھلے اور واضح احکام کو رد کرنے یا ان میں ترمیم و تحریف کرنے کے لئے نہیں دی، اور نہ اس مقصد کے لئے اسے استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔ قیاس شرعی اور اجتہاد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جائز ہی نہیں ہے بلکہ ضروری بھی ہے' لیکن نصوص (کتاب و سنت) کے خلاف قیاس و اجتہاد جائز نہیں ہے۔ ابلیس کے ملعون ہو جانے کی اصل وجہ یہی تھی کہ اس نے اللہ کے حکم کے مقابلے میں قیاس کیا تھا۔ سونے چاندی اور کرنسی کو ذرائع پیداوار پر قیاس کر کے ان کا کرایہ لینا اور کرنسی کو ذریعہ پیداوار تصور کرنا ایک ایسا قیاس اور ایسا تصور ہے جو قرآن و سنت اور اجماع امت کے خلاف ہے جس کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس اصولی بات کے دلائل اتنے مشہور و معروف ہیں کہ ان کا بیان کرنا صرف تحصیل حاصل ہوگا۔ اس لئے میں دلائل کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ ظاہر ہے کہ شرعی عدالت کو یہ دلائل اچھی طرح معلوم ہیں' البتہ عقلی لحاظ سے حرمت ربوا کی حکمت و مصلحت پر کچھ گزارشات پیش کرنا مناسب ہے جو یہ ہیں:

"نقدین" یعنی سونا اور چاندی بجائے خود اپنی ذات کے اعتبار سے "ذریعہ پیداوار" نہیں ہیں' بلکہ صرف ایک قوۃ خرید ہیں اور "ذریعہ تجارت" ہیں' یا یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ سونا اور چاندی اپنی اصل طبیعت اور ذات کے اعتبار سے نفع آور چیز بھی نہیں ہے اور اشیاء استعمال میں بھی شامل نہیں ہے' اس سے نہ پیٹ بھرتا ہے' نہ پیاس بجھتی ہے۔ اسے نہ لباس کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے اور نہ یہ بیماریوں کا علاج ہے۔ یہ تو صرف اشیاء صرف کے تبادلے کا ایک ذریعہ اور مقیاس ہے جس سے اشیاء استعمال کی قیمتوں کا تعین ہوتا ہے۔ جس شخص کو نقدین یا کرنسی کے ذریعے نفع کمانا ہو تو اسے چاہئے کہ اسے خود تجارت میں لگائے یا کسی کو نفع نقصان دونوں میں شراکت یا صرف نفع میں شراکت کے اصول شرعیہ کے مطابق دے دے' اگر خسارہ ہوا تو سرمائے میں کمی آجائے گی اور اگر نفع ہوا تو اس میں اضافہ ہو جائے گا۔ یہ عقلاً و شرعاً جائز ہے۔ آخر ذریعہ تجارت کو بجائے خود سامان تجارت بنانے اور اشیاء استعمال تصور کرنے میں کون سی معقولیت ہے جس کی وجہ سی اس کا معاوضہ اور کرایہ وصول کیا جائے اور اسے حلال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سمجھا جائے۔ نقدین کے استعمال کا کرایہ ہی تو وہ ربا ہے جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے زر نقد سے زر نقد کمانا اور اس کو سامان تجارت بنانا ایک غیر معقول اور غیر طبعی امر ہے جسے فلاسفہ نے بھی تسلیم کیا ہے۔ مصر کے مشہور فقیہ ابو زہرہ (متوفی ۱۹۷۴ء) نے اپنے رسالے "بحوث فی الربا" میں ارسطو کا قول نقل کیا ہے کہ:

"سود ایک ایسا طریقہ کسب ہے جس میں زر نقد زر نقد کماتا ہے جو کہ خلاف طبع ہے۔اس لئے کہ زر نقد اس لئے ہے کہ وہ مبادلہ کا ذریعہ بنے۔"(۱)

امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) نے احیاء العلوم میں اس بارے میں طویل بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

"روپوں اور اشرفیوں کا پیدا کرنا اللہ کی ایک نعمت ہے انہی سے دنیا کا نظام چلتا ہے یہ ہیں تو پتھر جن کی ذات میں کوئی نفع نہیں ہے، لیکن لوگ اپنی ضرورت کی چیزیں حاصل کرنے میں ان کو واسطہ بنانے پر مجبور ہیں اس لئے کہ ہر انسان اعیان کثیرہ یعنی بہت سی اشیائے صرف کا محتاج ہے مثلاً ایک کے پاس زعفران ہے مگر اسے سواری کے لئے اونٹ کی ضرورت ہے۔ دوسرے کے پاس اونٹ ہے مگر اسے زعفران کی ضرورت ہے ان دونوں چیزوں کے تبادلے کے لئے قیمت کے تعین کی ضرورت ہے کہ زعفران کی کتنی مقدار کے بدلے میں اونٹ مل سکتا ہے اور ایک اونٹ کے بدلے میں کتنی مقدار میں زعفران مل سکتا ہے۔ قیمتوں کے اس تعین کے لئے ایک تیسری چیز کی ضرورت ہے جو ایک واسطے اور حاکم عدل کا فرض انجام دے سکے۔ وہ واسطہ اور حاکم یہی روپے اور اشرفیاں ہیں جن کے ذریعے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ زعفران کی کتنی مقدار ایک اونٹ کی قیمت بن سکتا ہے۔

تو جو شخص روپے اور اشرفی میں وہ عمل کرتا ہے جو اس کی تخلیق کے اصل مقصد

(۱) اردو ترجمہ ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد ص ۳۱)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے خلاف ہے' تو وہ اس نعمت کی ناشکری اور بے قدری کرتا ہے۔ مثلاً سونے اور چاندی کا ذخیرہ جمع کر کے اسے اپنا اصل فرض ادا کرنے سے روک دینا ان پر ظلم ہے۔ اس کی مثال تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے حاکم کو قید خانے میں بند کر دیا جائے تاکہ وہ حکومت کا فرض انجام نہ دے سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر پہنچادو۔" اسی طرح سونے اور چاندی کے برتن بنا کر استعمال کرنا بھی ظلم ہے اور کفران نعمت ہے۔ اس کی مثال تو یہ ہے کہ حاکم شہر کو جولاہا بنا دیا جائے یا اسے کوئی اور خسیس کام کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اسی لئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جس شخص نے سونے یا چاندی کے برتن میں پانی پیا ہو تو گویا اس نے اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھڑکا دی ہے۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں:

و کل من عامل معاملة الربا علی الدراهم والدنانیر فقد کفر النعمة و ظلم لانهما خلقا لغیرهما لا لنفسهما اذ لا غرض فی عینهما فاذا اتجر فی عینهما فقد اتخذهما مقصودا علی خلاف وضع الحکمة۔(۱)

"اور جو شخص روپوں اور اشرفیوں میں ربا کا معاملہ کرتا ہے وہ کفران نعمت کرتا ہے اور ظلم کرتا ہے' اس لئے کہ یہ تو دوسری چیزوں کے حصول کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ ان کی ذات میں کوئی غرض اور فائدہ نہیں ہے تو جس شخص نے ان کی ذات کو سامان تجارت بنا دیا ہو تو ان کی اصل حکمت تخلیق کے خلاف ان کو بذات خود مقصود بنا لیا۔"

شیخ محمد عبدہ نے امام غزالی ہی کی تحقیق کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے:

(۱) احیاء العلوم ص ۹۶' ۹۷ ج ۴ طبع بیروت ۱۹۸۶ء کتاب الشکر الرکن الاول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ان النقدین انما وضعا لیکونا میزانا لتقدیر قیم الاشیاء التی ینتفع بھا الناس فی معایشھم فاذا تحول ھذا و صار النقد مقصودا بالاستغلال فان ھذا یروی الی انتزاع الثروۃ من ایدی الناس و حصوھا فی ایدی الذین یجعلون اعمالھم قاصرۃ فی استغلال المال بالمال فینموا لامل و یربوا عندھم و یخزن فی الصنادیق و البیوت المالیۃ و یبخس للعاملین قیم اعمالھم۔(۱)

”نقدین کو اس لئے بنایا گیا ہے کہ یہ ان چیزوں کی قیمتوں کے تعین کے لئے ترازو بن سکیں جن سے لوگ اپنی زندگی میں فائدہ اٹھاتے ہیں تو جب ان کی اصل حیثیت بدل دی جائے اور زر نقد بجائے خود ذریعہ آمدن بن جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دولت لوگوں کے ہاتھوں سے کھینچ کر ان لوگوں کے ہاتھوں میں جمع ہو جائے گی جن کا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ زر نقد سے زر نقد کمائیں اور محنت کرنے والوں کی محنت کی قیمتیں گھٹ جائیں گی۔“

سونے اور چاندی کی جگہ اب کرنسی نوٹ آگئے ہیں جن کا صرف ذریعہ تجارت ہونا محتاج بیان نہیں ہے۔

## اشیاء استعمال کے معاوضے اور نقدین کے استعمال کے معاوضے کے درمیان وجہ امتیاز

سودی معیشت کے حامیوں کی جانب سے یہ بات بار بار دہرائی جاتی ہے کہ جب مکانات، سواریوں، زمینوں اور دوسری ان چیزوں کے استعمال کا کرایہ اور معاوضہ جائز

(۱) تفسیر المنار طبع بیروت ص ۱۰۸، ۱۰۹ ج ۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے تو نقد سرمائے یعنی سونے چاندی اور کرنسی کے استعمال یعنی اسے تجارت میں لگانے کا کرایہ اور معاوضہ کیوں ممنوع ہے؟ اس کا اصولی جواب تو یہ ہے کہ اشیاء استعمال کا کرایہ رسول اللہ ﷺ نے جائز قرار دیا ہے اور زر نقد کا معاوضہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمادیا ہے۔ بس یہی فرق ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس فرق کی عقلی اور فلسفیانہ وجہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب بھی دیا جا چکا ہے کہ زر نقد بذات خود نہ ذریعہ پیداوار ہے اور نہ کوئی استعمال کی چیز ہے' بلکہ قوت خرید ہے اور اشیاء ضرورت کے تبادلے کا ایک واسطہ ہے۔ اس کی ذات میں نفع آوری کی صفت سرے سے موجود ہی نہیں ہے تو اس کا استعمال کیسے ہوگا اور اس کا کرایہ کیسے وصول کیا جا سکے گا؟ مکان کا استعمال یہ ہے کہ اس میں رہائش رکھی جاتی ہے اور اس کے بدلے میں کرایہ وصول کیا جاتا ہے۔ سواری کا استعمال یہ ہے کہ اس میں سفر کیا جاتا ہے اور اس کے بدلے میں کرایہ دیا جاتا ہے۔ مزدور اور ملازم کا استعمال یہ ہے کہ وہ کام کرتا ہے اور اس کے بدلے میں اجرت لیتا ہے جو اس کی خدمت کا معاوضہ ہے۔

اور زمین کا استعمال یہ ہے کہ اس میں غلہ' سبزیاں اور ضرورت کی دوسری چیزیں لگائی جاتی ہیں یا اس پر مکانات' دکانیں اور کارخانے بنائے جاتے ہیں اور زمین کا کرایہ اس کی استعمال کا معاوضہ ہے' یعنی ان چیزوں میں بذات خود نفع اور فائدہ پہنچانے کی صفت موجود ہے مگر سونے اور چاندی کا ڈھیر لگا دیجئے یا کرنسی نوٹوں سے بکس ہی نہیں پورے مکان کو بھر دیجئے اور پھر جتنی محنت ہو سکے کر لیجئے کسی بھی محنت اور تدبیر سے آپ کو ان سے نہ رہائش گاہ ملے گی نہ کھانا ملے گا' نہ کپڑا ملے گا' نہ سواری ملے گی' نہ علم کے حصول کے لئے کتابیں ملیں گی' نہ علاج کے لئے دوا ملے گی اور نہ آپ کی کوئی اور ضرورت ان سے پوری ہوگی۔ ان سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ان کو جیب میں ڈال کر مارکیٹ میں جائیے اور ضرورت کی چیزیں خرید کر لے آئیے۔ کچھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ماہرین نے اشیاء استعمال کے کرائے اور نقدین کے استعمال کے کرائے کے درمیان فرق کی عقلی توجیہ یہ کی ہے کہ ان چیزوں کے استعمال سے قیمت میں کمی آتی ہے اور انہیں نقصان پہنچتا ہے اور کرایہ و معاوضہ اس کمی اور نقصان کا عوض ہے' لیکن نقد سرمائے کے استعمال سے جب کہ وہ کسی کو قرض دیا گیا ہو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور اس کی قیمت میں بھی استعمال کی وجہ سے کوئی کمی نہیں آتی۔ اگر آتی بھی ہے تو دوسرے عوامل کی وجہ سے آتی ہے۔ اس لئے نقد سرمائے کے استعمال کا کرایہ لینا بلاوجہ ہے۔ یہ بھی ایک اچھی توجیہ ہے لیکن میرے نزدیک یہ ثانوی درجے کی توجیہ ہے جو اکثر اشیاء استعمال میں درست ثابت ہوتی ہے' لیکن زمین کو زراعت یا باغبانی کے لئے کرائے پر لینے کی صورت میں یہ توجیہ مشکوک ہو جاتی ہے۔ اصل وجہ یہی ہے کہ نقد سرمایہ تجارت اور خرید و فروخت کا ایک ذریعہ ہے' بذات خود کوئی استعمال اور پیداوار کی چیز نہیں ہے' اس لئے اس کا کرایہ جائز نہیں ہے لیکن زمین بذات خود استعمال کی چیز ہے' اس لئے اس کا کرایہ بھی جائز ہے اور بٹائی پر دینا اور لینا بھی جائز ہے۔

مزارعت یعنی بٹائی کا معاملہ مختلف فیہ ہے' لیکن زمین کا نقد کرایہ چاروں فقہی مکاتب فکر میں جائز ہے۔ امام نووی نے شرح مسلم باب کراء الارض بالذھب والفضہ میں' امام ابو حنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مسلک یہی نقل کیا ہے کہ نقد کرایہ پر زمین زراعت کے لئے یا باغبانی کے لئے یا کسی اور جائز استعمال کے لئے دینا جائز ہے۔ امام بغوی فرماتے ہیں:

و ذهب عامة اهل العلم الى جوازها بالدراهم و الدنانير۔(۱)

''عام اہل علم نے روپیوں اور اشرفیوں کی صورت میں زمین کے کرائے کو جائز قرار دیا ہے۔''

---

(۱) شرح السنة ص۲۶۳ ج۸ طبع ۱۹۸۳ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

اکروا بالذهب والفضة۔(۱)

"زمین سونے چاندی کی صورت میں کرایہ پر دے سکتے ہو۔"

اس کے جواز میں صحیح مسلم' نسائی' ترمذی اور دوسری کتابوں میں کافی احادیث اور آثار موجود ہیں' لیکن چونکہ یہ اس وقت موضوع سے متعلق مسئلہ نہیں ہے' اس لئے مزید تفصیل اور دلائل کی ضرورت نہیں ہے۔ ابن حزم کو ایک حدیث کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہے اس لئے وہ بٹائی کو تو جائز کہتے ہیں' مگر نقد کرائے کو ناجائز کہتے ہیں۔ مولانا مودودی کو بھی میرا خیال ہے کہ بعض احادیث سے غلط فہمی ہو گئی ہے۔ اپنی کتاب سود میں انہوں نے ۲۰ روپے بیگھہ یا ۵۰ روپے ایکڑ جیسے کرائے اور لگان کو شبہہ ربا قرار دیا ہے۔ بہر حال اس وقت اس مسئلے کی پوری تفصیل و تنقیح پیش نظر نہیں ہے' بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اشیاء استعمال اور ذرائع پیداوار کا کرایہ ربا نہیں ہے اور زر نقد کا کرایہ ربا ہے۔

سوال نمبر ۷:

# کرنسی کی قیمت میں کمی کا اثر

# قرض کی اصل رقم پر نہیں پڑتا

سوال: کیا کرنسی کی قیمت میں کمی اس قرض پر اثر انداز ہوتی ہے جو اس کمی سے پہلے لیا گیا ہو؟

(۱) أبوداؤد في البيوع باب في المزارعة

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جواب: نہیں جناب! فقہ کا قاعدہ ہے کہ الاقراض تقضی بامثالها یعنی قرضوں کی ادائیگی مثل سے ہوتی ہے' یعنی جتنا لیا تھا اور جس قسم سے لیا تھا اتنا ہی اور اسی قسم سے واپس لیا جائے گا۔ قیمتوں کی کمی بیشی تو حالات کے تغیر سے ہوتی ہے۔ ان حالات اور عوامل کو قرضدار نے تو نہیں بدلا کہ اسے اس کی تلافی کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔ فلکم رؤس اموالکم یعنی "تمہیں صرف اصل رقم کی وصولی کا حق ہے۔" اس اصول پر زر نقد کی قوت خرید میں کمی بیشی کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کسی آیت' حدیث یا قول صحابی یا قول فقیہ میں اس اثر اندازی کا ذکر میرے مطالعے میں نہیں آیا۔ اس کمی کا اثر تو سارے لوگوں پر پڑتا ہے' صرف قرض دینے والے پر نہیں پڑتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ رقم اگر مالک کے پاس ہوتی تو وہ اسے تجارت میں لگاتا اور نفع کماتا اور اس نفع سے کرنسی کی قیمت میں کمی کی تلافی ہو جاتی' تو اگر اس کا مقصد کسی کی ضرورت پوری کرنا نہیں تھا' بلکہ نفع کمانا مقصد تھا تو اپنے سرمائے کو تجارت میں لگا دیتا یا کسی کو مضاربت پر دے دیتا۔ یہ راستہ تو اس پر کسی نے بند نہیں کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں کرنسی کی قیمت میں کمی کے اثرات سے بچنے کے لئے یہ تجویز ہو کہ قرض دیتے وقت یہ معاہدہ کر لیا جائے کہ جب ادائیگی کی میعاد آجائے تو یہ قرض جنس کی صورت میں واپس کیا جائے گا' مثلاً ۵۰۰ روپے قرض دیا اور ادائیگی کے وقت اس رقم کی جتنی گندم بنتی ہو یا جتنا کپڑا بنتا ہو وہ دیا جائے تو اس طرح کرنسی کی قوت خرید میں کمی بیشی کا ازالہ ہو جائے گا' لیکن یہ معاملہ تو پھر قرض نہیں ہو گا' بلکہ بیع سلم کا معاملہ بن جائے گا۔ دو قسم کے معاملے ایک ہی چیز میں نہیں کئے جا سکتے۔ قرض ہے تو ادائیگی بالمثل کرنی ہو گی اور اگر بیع سلم ہے تو اس کی شرائط پوری کرنی ہوں گی۔ بیع سلم کے جواز کے لئے ضروری ہے کہ جنس کی قیمت معاہدے کی مجلس میں طے کی جائے اور اسی وقت بائع کو دے دی جائے تاکہ ادھار کے بدلے ادھار کی شکل نہ بن جائے جو ازروئے حدیث

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ممنوع ہے اور جس چیز کی قیمت پیشگی دی گئی ہو اس کی مقدار، جنس، صفت اور ادائیگی کا وقت اور جگہ یہ سب چیزیں متعین کرنی ہوں گی۔

سوال نمبر ۸:

## سونے کی قیمتوں اور استعمالی

## اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کا اثر

سوال: کیا افراط زر کی بنا پر سونے کی قیمتوں میں اضافے اور کرنسی کے حساب سے استعمالی اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کا قرض لی ہوئی رقم پر اثر پڑتا ہے؟

جواب: قرض کی جتنی رقم لی گئی تھی اتنی ہی لوٹانی ہوگی۔ سونے کی قیمتوں یا اشیاء استعمال کی چیزوں کی قیمتوں میں کمی بیشی کی وجہ سے قرض کی اصل رقم یعنی راس المال میں کمی بیشی جائز نہیں ہے اور حرمت ربا کی آیات میں کسی قسم کے استثناء کی دلیل موجود نہیں ہے۔

سوال نمبر ۹:

## ملکی اور غیر ملکی تجارت کی کامیابی کی تجاویز

سوال: سود پر مبنی بنکاری کی سہولتوں سے استفادہ کیے بغیر موجودہ اقتصادی حالات میں وہ کون سی متبادل تجاویز ہو سکتی ہیں جن پر ملکی اور غیر ملکی تجارت کو کامیابی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سے چلایا جاسکتا ہے؟

جواب: بنک تاجروں کی جو جائز خدمات انجام دیتے ہیں ان کا معاوضہ تو شرعاً بھی لے سکتے ہیں۔ باقی رہیں تجارت کی کامیابی کی تجاویز' تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ سودی بکاری کے نظام کو بحال رکھ کر متبادل تجاویز بے اثر ثابت ہوں گی۔ کچھ تجاویز تو سوال نمبر ۲ کے جواب میں عرض کردی گئی ہیں اور جب حرام کا راستہ بند ہو جائے گا تو حلال کے راستے خود بخود سامنے آجائیں گے۔ غیر ملکی تاجروں کو اگر ہم سود نہ دیں تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ قیمتیں بڑھادیں گے' عملاً کچھ زیادہ اثر نہیں پڑے گا۔

سوال نمبر ۱۰:

# دو مسلم ریاستوں یا مسلم و غیر مسلم ریاست کے مابین سودی کاروبار

سوال: کیا اسلامی احکام کے مطابق دو مسلم ریاستوں اور ایک مسلم و غیر مسلم ریاست کے مابین سود کی بنیاد پر کاروبار جائز ہے یا ناجائز ہے؟

جواب: (الف) ناجائز ہے' جو چیز انفرادی اور نجی زندگی میں ناجائز ہو وہ اجتماعی زندگی میں بھی ناجائز ہوتی ہے۔ ریاستیں تو عوام کے لئے کاروبار کرتی ہیں اور عوام کی نمائندہ اور وکیل ہوتی ہیں اور جو چیز موکل کے لئے جائز نہ ہو وہ اس کے وکیل کے لئے بھی جائز نہیں ہو سکتی۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ہدایہ" میں ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



**كل عقد جاز ان يعقده الانسان جاز ان يوكل به غيره۔(۱)**

"ہر وہ معاملہ جو ایک شخص خود کر سکتا ہو تو اس کے لئے وکیل بھی مقرر کر سکتا ہے۔"

آگے لکھتے ہیں:

**و من شرط الوكالة ان يكون المؤكل ممن يملك التصرف۔(۲)**

"وکالت کی ایک شرط یہ ہے کہ مؤکل جس کام کے لئے وکیل مقرر کرتا ہے وہ خود اس کے لئے بھی جائز ہو۔"

(ب) قرآن و سنت میں ربا کو مطلقاً حرام کیا گیا ہے اور سود کا بقایا چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان نصوص میں ریاستوں کے لئے استثنا موجود نہیں ہے' بلکہ اسلامی ریاست کا خود کسی سودی کاروبار میں ملوث ہو جانا تو زیادہ نقصان دہ ہے' اس لئے کہ اس کا فرض منصبی سود کا مٹانا ہے اور غیر سودی معیشت کو نافذ کرنا ہے تو جب یہ خود سودی کاروبار کرتی ہو تو معاشرے کو اس ظلم سے کس طرح پاک کر سکے گی؟

## (ج) مسلمان اور کافر کے درمیان دار الحرب میں سودی کاروبار کا مسئلہ:

کچھ لوگ غیر مسلم حکومتوں کے ساتھ سودی کاروبار کے جواز کے ثبوت میں امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد امام محمد کے اس مسلک کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ دار الحرب میں مسلمان اور کافر کے درمیان سودی لین دین جائز ہے' اگرچہ اس سوال کے ساتھ براہ راست اس مسئلے کا تعلق نہیں ہے' اس لئے کہ مسلم ریاست اور غیر مسلم ریاست کے درمیان سود کے جواز کا قول نہ امام ابو حنیفہ کا ہے اور نہ کسی اور کا' لہذا اس مسئلے میں امام اعظم کے فتوے کو ثبوت میں پیش کرنا لا علمی اور غلط فہمی پر مبنی ہے یا

(۱) ہدایہ فی اول کتاب الوکالہ

(۲) ہدایہ مع فتح القدیر ص ۵۱۰ ج ۷ طبع ۱۹۷۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پھر فریب دہی پر مبنی ہے' لیکن کچھ لوگ اس فتوے کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں اس لئے اس مسئلے کی بھی بقدر ضرورت وضاحت مناسب ہے۔

امام ابو حنیفہ اور ان کے ایک شاگرد امام محمد کی رائے یہ ہے کہ دار الحرب کی حدود کے اندر حربی کافر اور اسلامی ریاست سے دار الحرب میں پروانہ امن (ویزا) لے کر جانے والے مسلمان کے درمیان سود اور دوسرے عقود فاسدہ جائز ہیں' لیکن اگر حربی کافر امن لے کر دار الاسلام میں آجائے تو پھر اس کے ساتھ دار الاسلام کی حدود کے اندر سودی کاروبار جائز نہیں ہے۔(۱)

دوسری جانب امام مالک' امام شافعی' امام احمد' امام ابو حنیفہ کے دوسرے شاگرد امام ابو یوسف اور جمہور فقہاء و محدثین کی رائے یہ ہے کہ ربا' قمار اور دوسرے عقود فاسدہ مسلمان کے لئے مطلقاً حرام ہیں۔ حربی اور غیر حربی میں اور دار الاسلام اور دار الحرب میں کوئی فرق وامتیاز نہیں ہے۔(۲)

## امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے دلائل:

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی تحقیق اور فتوے کے لئے جو دلائل السیر الکبیر للامام محمد اور دوسری کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں ان کا خلاصہ اور ان پر تبصرہ درج ذیل ہے:

۱۔ پہلی اور مشہور دلیل ایک مرسل حدیث ہے۔ علامہ جمال الدین زیلعی حنفی (متوفی ۷۶۲ھ) نے اس حدیث کو اس تبصرے کے ساتھ نقل کیا ہے:

لاربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب قلت غریب و اسند

(۱) ہدایہ مع فتح القدیر باب الربا ص ۳۸'۳۹ ج ۷ المبسوط للسرخسی طبع ۱۹۷۸ء ص ۹۵ ج ۱۰. بدائع الصنائع للکاسانی طبع ۱۹۷۴ء بیروت ص ۱۹۲ ج ۵ در مختار مع رد المحتار باب الربا ص ۲۶۰'۲۶۱ ج ۴

(۲) فتح القدیر ص ۳۸ ج ۷ اور دوسری کتب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



البيهقي في المعرفة في كتاب السير عن الشافعي قال قال ابويوسف انما قال ابوحنيفه هذا لان بعض المشيخة حدثنا عن مكحول عن رسول الله ﷺ انه قال لا ربا بين اهل الحرب و اظنه قال و اهل الاسلام قال الشافعي و هذا ليس بثابت ولا حجة فيه انتهى كلامه۔(۱)

"مسلمان اور حربی کے درمیان سود نہیں ہے۔ یہ حدیث غریب ہے (اس کی دوسری سند موجود نہیں ہے) بیہقی نے اپنی کتاب "المعرفہ فی السنن والآثار" میں سند کے ساتھ امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسف نے (جو جواز کے قائل نہیں ہیں) کہا تھا کہ ابو حنیفہ نے یہ بات اس لئے کہی ہے کہ بعض اساتذہ نے مکحول سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اہل حرب اور اہل اسلام کے درمیان سود نہیں ہے۔ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور یہ حجت نہیں بن سکتی۔"

زیلعی حنفی ہیں اور نصب الرایہ میں وہ حنفی مسلک کے دلائل نقل کرتے رہتے ہیں۔ اگر یہ حدیث کسی اور سند کے ساتھ کسی کتاب میں موجود ہوتی تو زیلعی اس کا ذکر ضرور کرتے یا اگر ان کے نزدیک امام شافعی کی جرح درست نہ ہوتی تو وہ اس کی تردید فرماتے۔

اس حدیث کو رسول اللہ ﷺ سے نقل کرنے والے مکحول الشامی الدمشقی (متوفی ۱۱۶ھ) ہیں۔ العجلی (متوفی ۲۶۱ھ)، ابن حبان (متوفی ۳۵۴ھ)، دار قطنی (متوفی ۳۸۵ھ) اور ابن حجر عسقلانی نے مکحول شامی کو ثقہ قرار دیا ہے، مگر یہ تابعی تھے

---

(۱) نصب الروایہ للزیلعی ص۴۴ ج۴ مجلس علمی ڈھابیل ۱۹۳۸ء و مثلہ فی الدرایہ لابن حجر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



صحابی نہیں تھے۔(۱)

تابعی کی روایت میں جب صحابی کا ذکر نہ ہوا ہو تو اس کو حدیث مرسل کہا جاتا ہے۔ ثقہ تابعی کی مرسل روایت اگرچہ حنفیہ اور دوسرے بہت سے ائمہ کے نزدیک حجت ہے' مگر شرط یہ ہے کہ سند میں ارسال کے علاوہ دوسری کوئی کمزوری موجود نہ ہو اور اس حدیث کی سند میں دوسری بڑی علت یہ ہے کہ مکحول سے نقل کرنے والا راوی مجہول ہے۔ امام ابو یوسف نے بعض المشیخہ' یعنی بعض اساتذہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور مجہول الاسم یا مجہول الحال راوی کی روایت حجت نہیں بن سکتی۔ اگر یہ حدیث امام ابو یوسف کے نزدیک صحیح ہوتی تو اس کے مطابق فتویٰ دیتے' اس لئے کہ یہ خود اس کے راوی ہیں' مگر انہوں نے بعض المشیخہ کا لفظ استعمال کر کے خود ہی اس کے ضعف کی جانب اشارہ فرما دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس درجے کی کمزور اور مرسل روایت قرآن اور سنت ثابتہ کے مقابلے میں کس طرح حجت بنائی جا سکتی ہے' جب کہ قرآن کریم میں ربا کی حرمت کا حکم عام اور قطعی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہے یعنی سلف اور مجتہدین نے اسے قبول کیا ہے اور دلیل بنایا ہے اور جس حدیث کو مجتہدین نے قبول کر لیا ہو وہ باوجود ضعف سند کے قابل قبول ہوتی ہے' اس لئے کہ مجتہدین سلف کا قبول کرنا اور دلیل قرار دینا اس بات کا قرینہ ہوتا ہے کہ حدیث کی کوئی صحیح سند ان کو معلوم ہوگی جو ہم تک نہیں پہنچ سکی' لیکن اس حدیث کو تو مجتہدین سلف کی غالب ترین اکثریت نے رد کر دیا ہے اور اسے مجتہدین میں قبول عام حاصل نہیں ہوا۔

(۲) دوسری دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ جب رومیوں کو ایرانیوں کے ہاتھوں شکست ہوئی اور قرآن کریم نے پیشن گوئی کی کہ رومی چند سالوں (بضع سنین) میں دوبارہ

---

(۱) تاریخ الثقات للعجلی طبع بیروت ۱۹۸۴ء ص۴۳۹ کتاب الثقات لابن حبان ص۴۴۶ ج۵ اسماء التابعین للدار قطنی طبع بیروت ۱۹۸۵ء ص۲۵۶ ج۲۔ تہذیب التہذیب لابن حجر ص ۲۸۹ تا ۲۹۲ ج۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



غالب آجائیں گے تو ابی بن خلف نے اس کا مذاق اڑایا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شرط لگادی کہ اگر رومی ۹ سال کے اندر اندر دوبارہ غالب نہ آئے تو میں تم کو سو اونٹ دوں گا اور اگر غالب آگئے تو تم مجھے سو اونٹ دو گے۔ یہ معاملہ صاف جوا تھا۔ جب غزوہ بدر کے سال رومی غالب آگئے تو ابوبکر صدیق نے ابی بن خلف کے وارثوں سے (وہ خود مر گیا تھا) شرط کے مطابق اونٹ حاصل کئے۔(۱)

اس روایت سے استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ چونکہ مکہ اس وقت دار الحرب تھا اور دار الحرب میں مسلمان اور کافر کے درمیان سود اور جوا جائز ہے' اس لئے رسول اللہ ﷺ نے نہ شرط لگانے سے روکا اور نہ جوئے میں جیتے ہوئے یہ اونٹ واپس دلوائے۔

لیکن یہ استدلال اس لئے درست نہیں ہے کہ ترمذی ہی کی ایک اور روایت میں راوی نے تصریح کردی ہے کہ یہ واقعہ جوئے کے حرام قرار دینے سے پہلے کا ہے۔(۲) سود اور جوئے کی حرمت کا حکم بعد میں نازل ہوا تھا اور یہ واقعہ اس حکم کے نزول سے بہت پہلے کا ہے۔ شرط تو باندھی گئی تھی ہجرت سے پہلے اور اونٹ جنگ بدر کے سال ۲ھ میں یا اس کے بعد وصول کئے گئے تھے اور اس وقت تک یقیناً جوئے کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ براء بن عازب کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا:

تصدق به و فی روایة هذا سحت تصدق به۔(۳)

"یہ ایک مکروہ مال ہے اسے صدقہ کرو۔"

---

(۱)سنن ترمذی کتاب التفسیر سورة الروم۔ تفسیر ابن جریر سورہ روم

(۲)ترمذی حوالہ مذکورہ (۳)تفسیر در منثور از سیوطی طبع ۱۹۸۳ء ص۴۷۹'۴۸۰ ج۶' روح المعانی و تفسیر قرطبی سورہ روم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اگرچہ اس وقت جواحلال تھا،لیکن پھر بھی یہ ایک مکروہ اور خلاف مروت چیز ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ کردو۔

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب اسلام لانے کے بعد باوجود مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اور لوگوں کو سودی قرضے دیا کرتے تھے۔ مکہ چونکہ اس وقت دارالحرب تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو سودی کاروبار سے منع نہیں کیا تھا۔ اگر دارالحرب میں بھی کافروں کے ساتھ سودی کاروبار منع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اسے ضرور منع فرمادیتے،اس لئے کہ یہ تو مسلمان ہوگئے تھے۔

اس سلسلے میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ ابن عبدالبر نے "الاستیعاب" میں،ابن الاثیر جزری نے "اسد الغابہ" میں اور ابن حجر نے "الاصابہ" میں ایک روایت تو یہ لکھی ہے کہ حضرت عباس دراصل ہجرت سے پہلے ہی مسلمان ہوچکے تھے اور ہجرت کرنا چاہتے تھے،مگر رسول اللہ ﷺ نے پیغام بھیجا کہ تمہارا مکہ ہی میں رہنا مسلمانوں کے لئے مفید ہے،چنانچہ وہ مکہ سے مسلمانوں کو حالات اور خبریں بھیجا کرتے تھے اور اپنے اسلام کو انہوں نے کفار مکہ سے چھپائے رکھا تھا۔ غزوہ بدر میں کفار مکہ ان کو زبردستی ساتھ لے گئے۔ قید ہونے پر آپ نے اپنا اور اپنے بھتیجے عقیل کا فدیہ ادا کیا اور واپس مکہ تشریف لے گئے اور پھر فتح مکہ سے تھوڑی مدت قبل انہوں نے ہجرت فرمائی اور فتح مکہ میں شریک ہوئے۔ دوسری روایت یہ نقل ہوئی ہے کہ حضرت عباسؓ فتح خیبر (۷ھ) سے کچھ مدت قبل مسلمان ہوئے تھے۔ لیکن حضرت عباس کا کاروبار حرمت کے قطعی،حتمی اور آخری حکم آنے سے پہلے تھا۔ حتمی حکم آجانے پر حجۃ الوداع میں (اور اس سے قبل فتح مکہ کے موقع پر بھی) رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ:

ربا الجاهلية موضوع و اول ربا اضع ربانا ربا العباس فانه موضوع كله۔(۱)

(۱) صحيح مسلم في حديث طويل كتاب الحج باب حجة النبیؐ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"جاہلیت کا سود ساقط ہو گیا ہے اور پہلا سود جسے میں ساقط کرتا ہوں ہمارے خاندان کا سود ہے یعنی عباس کا سود یہ بھی سارا ختم کر دیا ہے۔"

بخاری کے حوالے سے اس سے پہلے سوال نمبر ا کے جواب میں ابن عباس کی روایت نقل کر دی گئی ہے کہ آخری آیت جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھی وہ سود کی حرمت کی آیت تھی، یعنی حتمی اور کلی حرمت کی آیت۔

(۴) چوتھی دلیل یہ بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بنو نضیر کی جلاوطنی کا فیصلہ کیا تو ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا ہمارے قرضے یہاں کے بعض لوگوں پر بقایا ہیں جن کی میعاد ابھی پوری نہیں ہوئی۔

رسول اللہؐ نے فرمایا: ضعوا و تعجلوا۔ (۱)

"کچھ کم کر دو اور باقی میعاد سے پہلے لے لو۔"

اس روایت پر استدلال یوں کیا گیا ہے کہ بنو نضیر کا علاقہ عملاً دار الحرب تھا اور دار الحرب میں کافر اور مسلمان کے درمیان چونکہ سود جائز ہے اس لئے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ قرضے کی مقدار میں کمی کر دو اور باقی وقت سے پہلے لے لو، حالانکہ یہ تو سود ہی کی ایک شکل ہے۔ مدت میں کمی کی وجہ سے ۱۰۰ کے بدلے میں ۸۰ دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ مدت میں اضافے کی وجہ سے ۸۰ کے بدلے میں ۱۰۰ لینا بشرطیکہ احساناً کمی پیشی نہ کی گئی ہو، بلکہ شرط اور معاہدے کی بنا پر ایسا کیا گیا ہو اور بنو نضیر کو تو باقاعدہ معاہدے کی دعوت دی گئی تھی۔ اگر دار الحرب میں ربا جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس معاہدے کی پیش کش نہ فرماتے۔ لیکن درج ذیل وجوہات کی بنا پر دار الحرب میں جواز ربا کے لئے اس روایت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

(الف) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ بنو نضیر اصل میں تو اسلامی ریاست کے غیر مسلم

---

(۱) مستدرک حاکم ص ۵۲ ج ۲، سنن کبری، للبیہقی ص ۲۷ ج ۲، مجمع الزوائد طبع ۱۹۶۷ء، ص ۱۳۰ ج ۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



شہری تھے اور "معاہدہ مدینہ" کی وجہ سے مدینہ کی ریاست میں رہتے تھے۔

انہوں نے عہد شکنی کی اور رسول اللہؐ کے قتل کا منصوبہ بنایا جو وحی آجانے کی وجہ سے ناکام ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا۔ آخر کار یہ لوگ مصالحت پر مجبور کر دیئے گئے اور جلاوطن کر دیئے گئے۔ ان کا تو سارا مال مال فئی تھا اس لئے کہ محاصرے کے نتیجے میں ملا تھا اگرچہ جنگ کی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے تو ان پر یہ احسان فرمایا تھا کہ اپنے قرضوں میں کمی کر کے باقی لے لو اور اسلحہ کے باوجود جو چیز بھی ساتھ لے جاسکتے ہو لے جاؤ۔ اس واقعے کو دارالحرب میں جواز ربا کی دلیل کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ اس کے علاوہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ محاصرے اور فتح بنو نضیر سے پہلے یہ علاقہ دارالحرب تھا تو فتح کے بعد تو یہ دارالاسلام کا حصہ بن گیا اور ضعوا و تعجلوا کی پیش کش تو ظاہر ہے کہ صلح اور فتح کے بعد کی گئی تھی۔ اس لحاظ سے یہ روایت دارالاسلام کی حدود کے اندر بھی مسلم اور غیر مسلم کے درمیان سود کے جواز کی دلیل بن جاتی ہے، حالانکہ یہ کسی کا بھی مسلک نہیں ہے۔

(ب) دوسری وجہ یہ ہے کہ بنو نضیر کی جلاوطنی کا یہ واقعہ ۴ھ کا ہے اور اس وقت تک ہر قسم کے سود کی حرمت کا آخری اور حتمی حکم نازل نہیں ہوا تھا تو اس واقعے کو دارالحرب میں جواز ربا کی دلیل کس طرح بنایا جاسکتا ہے۔ ابن عبدالبرؒ (متوفی ۴۶۳ھ) نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ حرمت ربا سے پہلے کا ہے۔(۱)

(ج) تیسری وجہ یہ ہے کہ مدت میں کمی کے بدلے میں قرض کی مقدار میں (ضع و تعجل کی صورت) کمی کرنا عین ربا نہیں ہے، بلکہ شبہ ربا ہے اور ذریعہ ربا ہے، یعنی یہ حقیقی ربا کا ذریعہ بن سکتا ہے اور اس کی حقیقی ربا کے ساتھ مشابہت ہے۔ جمہور فقہاء تو اسے ناجائز کہتے ہیں۔ بعض صحابہ سے بھی اس کے عدم جواز کے اقوال نقل ہوئے

---

(۱) الاستذکار ص ۴۹۱ ج ۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہیں اور صحیح بھی یہی ہے کہ یہ شکل بھی ناجائز ہے' لیکن بعض علماء سے اس کا جواز بھی منقول ہے اس لئے یہ روایت دارالحرب میں (اگر بنو نضیر کے علاقے کو دارالحرب مان بھی لیا جائے) حقیقی ربا کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی۔ ضع و تعجل کے بارے میں فقہاء کے اقوال کی تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے الاستذکار لابن عبدالبر ص ۴۸۹ تا ۴۹۱ ج ۶۔

(د) چوتھی اور آخری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند پر اعتراضات بھی ہوئے ہیں۔

امام حاکم نے مستدرک میں اگرچہ اسے صحیح قرار دیا ہے' مگر علامہ ذہبی نے فرمایا ہے کہ اس کا ایک راوی مسلم بن خالد زنجی ضعیف ہے اور دوسرا راوی عبدالعزیز بھی ثقہ نہیں ہے۔(۱)

ذہبی کے اس اعتراض کے جواب میں کہا گیا ہے کہ زنجی بالاتفاق ضعیف نہیں ہے' بعض محدثین نے اسے ثقہ بھی کہا ہے اور عبدالعزیز اگر غیر ثقہ بھی ہو مگر بیہقی کی سنن کبریٰ ص ۲۷ ج ۲ پر اس کی موافقت اور تائید میں حکم بن موسیٰ کی روایت بھی موجود ہے جو امام مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔ اور یحییٰ بن معین عجلی' ابو حاتم رازی اور ابن سعد نے اسے ثقہ قرار دیا ہے' اس لئے یہ حدیث دوسری سند کے اعتبار سے قابل قبول ہے' لیکن ظاہر ہے کہ اس حدیث کی سند اعتراض سے تو خالی نہیں ہے۔ تو حرمت ربا کے بارے میں متفقہ طور پر صحیح احادیث کے مقابلے میں کیسے حجت بن سکتی ہے ؟ یہ ہیں وہ روایات جن کی بنیاد پر دارالحرب میں سود کو جائز قرار دیا جارہا ہے' لیکن ان روایات کا جو جائزہ ہم نے لیا ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جواز کی دلیل نہیں بن سکتیں اور یہ اتنی قوی اور واضح تو نہیں ہیں کہ ان کی بنیاد پر قرآن کریم کے عام حکم سے دارالحرب کو مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ حنفی مسلک تو یہ ہے کہ قرآن حکیم کے عام

---

(۱) تعلیقات ذہبی بر مستدرک حاکم ص ۵۲ ج ۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حکم اور مطلق حکم میں تخصیص وتقیید خبر واحد صحیح الاسناد کے ذریعے بھی جائز نہیں ہے اور یہاں تو خبر واحد صحیح الاسناد اور صریح الدلالت بھی موجود نہیں ہے۔

(۵) پانچویں دلیل یہ بیان کی گئی ہے اور اسی کو اصل دلیل قرار دیا گیا ہے کہ دار الحرب کے کفار کا مال مسلمانوں کے لئے مباح ہے' اس لئے جس ذریعے سے بھی یہ مال حاصل کر لیا جائے جائز ہے' حربی کا مال بلکہ اس کی جان بھی حالت جنگ میں تو مباح ہوتی ہے۔ لیکن عام حالات میں تو ان کے اموال مباح نہیں ہو سکتے۔ یعنی جب مسلمانوں اور کافروں کے درمیان حالت جنگ قائم ہو' بالفعل جنگ جاری ہو یا نہ ہو تو ایسی صورت میں لباحت مال کا حکم دیا جا سکتا ہے' مگر کیا جو لوگ امن کے ساتھ کفار کے ملک میں رہتے ہوں یا دار الاسلام سے امن لے کر عارضی قیام کے لئے دار الحرب میں داخل ہوئے ہوں ان کے لئے بھی وہاں کے کفار کا مال مباح ہے؟ اس کے لئے قرآن و سنت سے کوئی دلیل ہونی چاہئے جو موجود نہیں ہے۔ قرآن و سنت سے اموال فیئی اور اموال غنیمت کا جواز تو ثابت ہوتا ہے' مگر یہ حالت جنگ سے متعلق احکام ہیں یا بغیر جنگ کے' صلح کی بنا پر یا کفار کے بھاگ جانے کی بنا پر جو اموال مسلمانوں کے قبضے میں آئے ہوں وہ مال فیئی ہوں گے۔ غنیمت اور فیئی بھی حکومت کی حوالے کیا جائے گا جسے وہ شریعت کے احکام کے مطابق تقسیم کرے گی۔ اگر دار الحرب کے کفار کا مال مطلقاً مباح ہے خواہ حالت جنگ ہو یا نہ ہو' تو پھر جواز کے قائلین نے یہ شرط کیوں لگائی ہے کہ یہ مال زبردستی نہ چھینا گیا ہو اور دھوکہ دے کر بھی نہ لیا گیا ہو؟ مال مباح کے حصول کے لئے تو مالک کی رضامندی شرط نہیں ہوتی۔ غالباً انہی وجوہات کی بنا پر حنفی مسلک کے ممتاز فقیہ ابن اہمام نے بھی مسلک جواز کی دلیل میں اپنے شبہے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حدیث یعنی لا ربا بین المسلم والحربی نصوص مطلقه کے مقابلے میں اسی وقت پیش کی جا سکتی ہے جب کہ یہ صحیح اور قوی حدیث ہو۔ اور اگر تسلیم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بھی کر لیا جائے کہ یہ قابل استدلال ہے پھر بھی چونکہ یہ خبر واحد ہے اس لئے اس کے ذریعے قرآن کریم کے مطلق اور عام حکم میں تقیید و تخصیص حنفی اصول فقہ کی رو سے جائز نہیں ہے۔ اگر اس کا جواب یہ دیا جائے کہ حرمت کے احکام ان اموال سے متعلق ہیں جو مباح نہ ہوں اور حربیوں کا مال تو مباح ہے۔ اس جواب کا تقاضا تو پھر یہ ہے کہ حربی کو سود دینا جائز نہ ہو صرف ان سے لینا جائز ہو۔ اس لئے کہ اگر ان کا مال ہمارے لئے مباح بھی ہو ہمارا مال تو ان کے لئے مباح نہیں ہے۔ ہمارے اساتذہ درسوں میں تو یہی کہتے ہیں کہ سود اور جوئے کا مال حربی کفار سے لینا جائز ہے' مگر ان کو دینا جائز نہیں ہے' مگر امام ابو حنیفہ کا مسلک تو مطلقاً نقل ہوا ہے کہ لینا اور دینا دونوں جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔(۱)

ابن الہمام کے مذکورہ بیان سے صاف طور پر متشرح ہوتا ہے کہ ان کو دارالحرب میں جواز ربا کے دلائل پر پورا اطمینان حاصل نہیں ہے' بالخصوص حربی کفار کو سود دینے کے جواز پر تو ابن الہمام بالکل مطمئن نہیں ہیں۔

ابن عابدین شامی نے بھی "شرح السیر الکبیر" کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"جس علت کی بنا پر دارالحرب میں ربا کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا گیا ہے' یعنی یہ کہ حربی کا مال مباح ہے' اس کا تقاضا تو یہی ہے کہ حربی سے سود لینا تو جائز ہو' مگر اسے سود دینا جائز نہ ہو۔"(۲)

## علماء دیوبند کا فتویٰ:

علماء دیوبند جو حنفی مسلک رکھتے ہیں ان کے ممتاز علماء نے دارالحرب میں بھی

---

(۱) فتح القدیر باب الربا ص ۳۹ ج ۷

(۲) رد المحتار حاشیہ در مختار ص ۲۶۰ ج ٤

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سودی لین دین کو ناجائز کہا ہے اور امام ابو یوسف کے قول کو ترجیح دی ہے جو جمہور فقہاء اسلام کا مسلک ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں:

"کفار سے بھی سود لینا جائز نہیں ہے۔"(۱)

(حضرت گنگوہی ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے تھے اور ان سے سوال بھی دارالحرب میں سود کے بارے میں ہوا تھا۔ گوہر رحمان)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی حنفی ہونے کے باوجود امام ابو یوسف اور جمہور کے مسلک کو ترجیح دی ہے اور دارالحرب میں ہر قسم کے سودی لین دین کو ناجائز قرار دیا ہے۔(۲)

دارالعلوم دیوبند کے مفتی عزیز الرحمان کا فتوی بھی عدم جواز کا ہے اور اس رائے کو انہوں نے بانئ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سے نقل کیا ہے۔(۳)

مفتی کفایت اللہ نے بھی دارالحرب میں سود دینے کو ناجائز قرار دیا ہے' اگر چہ وہ غیر مسلم حربی سے سود لینے کی اجازت دیتے ہیں۔ (دارالحرب کی حدود کے اندر)(۴)

اگر کوئی حنفی عالم یہ سوال کرے کہ حنفی ہوتے ہوئے امام ابو یوسف کے قول کو کس طرح ترجیح دی جا سکتی ہے جب کہ امام ابو حنیفہ کا درجہ فقاہت میں ابو یوسف سے بلند ہے وہ استاد ہیں اور یہ شاگرد ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے کہ:

---

(۱) فتاوی رشیدیہ طبع لاہور ص ۴۱۰'۴۱۳

(۲) امداد الفتاوی طبع کراچی ۱۳۹۷ھ' ص ۱۵۵ تا ۱۶۰ ج۳

(۳) فتاوی دارالعلوم دیوبند عزیز الفتاوی ص ۶۶۵'۶۶۶ ج۲ باب السلم والربا طبع کراچی

(۴) کفایت المفتی طبع ملتان ص ۶۹'۷۱ ج۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حرام علی من لا یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی۔
”حرام ہے اس شخص پر جو دلیل معلوم کئے بغیر میرے قول پر فتوی دیتا ہو۔“(۱)

در مختار کے مقدمے رسم المفتی میں ہے کہ اگر کسی مسئلے میں امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو جو شخص دلیل کی قوت کو سمجھ سکتا ہو وہ اس قول کو اختیار کرے جو دلیل کے اعتبار سے قوی ہو۔(۲)

چونکہ امام ابو یوسف کی رائے دلیل کے لحاظ سے قوی ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا حکم عام ہے اور قطعی ہے۔ باقی ائمہ کی بھی یہی رائے ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی تائید میں صرف ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری کا قول طحاوی کی مشکل الآثار میں ملتا ہے۔ باقی کسی کا قول نظر سے نہیں گزرا' اس لئے حنفی اصول کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جمہور کے مسلک کو ترجیح دی جائے۔

اگر امام ابو حنیفہ کا مسلک اختیار بھی کر لیا جائے پھر بھی اس کا اطلاق ان غیر مسلم ممالک پر نہیں ہوتا جن کے ساتھ مسلم ممالک کے معاہدے قائم ہیں' اس لئے کہ ان کا مال تو مباح نہیں ہے۔ معاہدین کا ملک اگرچہ اس لحاظ سے تو دار الحرب ہے کہ کسی بھی وقت وہ معاہدے کی خلاف ورزی کر کے جنگ چھیڑ سکتے ہیں۔ یعنی نظریاتی مخاصمت کسی بھی وقت عملی مخاصمت کی شکل اختیار کر سکتی ہے' مگر جب تک معاہدہ قائم ہے اس وقت تک تو وہ مباح الاموال نہیں ہو سکتے۔ یہاں تک کہ اگر ان کا کوئی شخص دار الاسلام کے رہنے والے کسی شخص کے ہاتھ سے خطأ قتل ہو گیا ہو تو اس کی دیت بھی دینی ہو گی۔(۳)

آج مسلم ممالک اور غیر مسلم ممالک کے درمیان بین الاقوامی معاہدے قائم ہیں

(۱) المیزان الکبری للشعرانی ص۵۸ ج۱

(۲) درمختار مع رد المحتار ص۶۵'۶۶ ج۱ بحوالہ الحاوی للقدسی

(۳) سورہ النساء آیت ۹۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس لئے امام صاحب کے فتوے کی رو سے بھی مسلم اور غیر مسلم ریاستوں کے باشندوں کے درمیان سودی لین دین جائز نہیں ہے۔ باقی رہیں ریاستیں تو مسلم اور غیر مسلم ریاستوں کے درمیان سود کا لین دین تو کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

## ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ کے دلائل:

امام شافعی' امام مالک' امام احمد بن حنبل اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں سود کے حرام ہونے کی آیتیں عام ہیں۔ حرم الربا و ذروا ما بقی من الربا اور لا تأکلوا الربا میں کسی تخصیص واستثنا کی دلیل موجود نہیں ہے۔ مسلمان نے ہر جگہ اسلام کے احکام کی پابندی کرنے اور محرمات سے اجتناب کرنے کا عہد کیا ہے۔ اس کے علاوہ سود کی جو اخلاقی اور معاشی خرابیاں ہیں ان کا تعلق بھی کسی مخصوص دور اور ملک سے نہیں ہے' بلکہ جہاں بھی سود خواری ہو گی وہاں یہ خرابیاں نمودار ہوں گی۔ خود غرضی' مادہ پرستی' سنگدلی اور بے رحمی وہ اخلاقی بیماریاں ہیں جو سود خواری سے پیدا ہوتی ہیں اور معاشی عدم توازن اور دولت کا ارتکاز وہ اقتصادی خرابیاں ہیں جو سود کی خاصیات ہیں۔ سود دار الاسلام میں ہو' دار الحرب میں ہو یا دار الصلح میں ہو اس سے یہ بیماریاں ضرور پیدا ہوں گی اس لئے اسلام نے اسے ہر جگہ اور ہر ملک میں حرام کیا ہے۔

سوال نمبر ۱۱:

## بیمے کا کاروبار سود کے بغیر

سوال: کیا بیمے کا کاروبار سود کے بغیر چلایا جانا ممکن ہے؟

جواب: ہاں جناب! بالکل ممکن ہے' مگر اس کو چلانے کے لئے بیمہ کمپنیوں کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



موجودہ نظام ختم کرنا ضروری ہے۔بیمہ کا سودی اور غیر سودی کاروبار اگر بیک وقت جاری رکھا جائے تو غیر سودی بیمے کا نظام نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتا۔

بیمہ کی متبادل غیر سودی صورتیں بیان کرنے سے پہلے موجودہ نظام کے بارے میں صحیح صورت حال کی وضاحت مناسب ہوگی' اس لئے کہ بعض لوگ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

## بیمہ کمپنیوں کا موجودہ نظام سود اور قمار پر مشتمل ہے:

بیمہ کمپنیوں نے یہ بات بہت مشہور کر دی ہے کہ بیمہ تو باہمی تعاون کا ایک نظام ہے جس کا مقصد حوادث و آفات سماویہ سے متاثر ہونے والوں کی امداد کرنا اور ان کے نقصانات کی تلافی کرنا ہے۔ نظریاتی لحاظ سے تو بیمے کا یہی مقصود ہونا چاہئے اور آغاز میں بیمہ اسی مقصد کے لئے کیا جاتا تھا' لیکن حکم اور فیصلہ تصوراتی حقائق اور محض دعووں کی بنیاد پر نہیں کیا جا سکتا' بلکہ حقائق واقعیہ اور عملاً جو کچھ ہو رہا ہے اس کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ بیمہ کمپنیوں کا مروجہ کاروبار سودی کاروبار ہی کی ایک شکل ہے جسے باہمی تعاون و تکافل کا نام دیا جا رہا ہے۔ فقہ اسلامی کا قاعدہ ہے کہ:

العبرة فی العقود للمقاصد والمعانی۔(۱)

"عقود اور معاہدوں میں اعتبار اصل مقاصد کا ہوتا ہے صرف الفاظ کا نہیں ہوتا۔"

مقصد ان کمپنیوں کا سود اور جوئے پر مشتمل ایک کاروبار کے ذریعے نفع کمانا ہے۔ آفت زدہ لوگوں کے نقصان کی تلافی ان کا اصل مقصد نہیں ہے۔ باہمی تعاون تو تب ہوتا کہ بیمہ داروں کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا کہ ہم مشترکہ فنڈ سے ایک دوسرے

---

(۱) المجلہ مادہ۳۔ معین الحکام باب ۴۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے نقصانات کی تلافی کریں گے' لیکن عملاً تو معاہدے بیمہ کمپنیوں اور بیمہ داروں کے درمیان ہوتے ہیں۔ اس معاہدے کی نوعیت کیا ہے؟ مصر کے ایک ماہر قانون ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری نے اس قانون کی تعریف اس طرح کی ہے:

التامین عقد یلتزم المؤمن بمقتضاه ان یؤدی الی المؤمن له او الی المستفید الذی اشترط التامین لصاحبه مبلغا من المال او ایرادا مرتبا او ای عوض مالی فی حالة وقوع الحادث او تحقق الخطر المبین بالعقد و ذالك فی نظیر قسط اواية دفعة مالية اخری یؤدیها المؤمن له للمؤمن۔(۱)

"بیمہ ایک معاہدہ ہے جس میں تحفظ دینے والا یہ پابندی قبول کرتا ہے (وعدہ کرتا ہے) کہ وہ تحفظ حاصل کرنے والے کو (بیمہ دار کو) یا اس مستفید کو جس کے لئے بیمہ کرایا گیا ہے رقم کی کوئی مقدار یا طے شدہ منافع یا کوئی دوسرا مالی معاوضہ کسی حادثے یا معاہدے میں بیان کردہ خطرے کے واقع ہو جانے کی حالت میں ادا کرے گا اور یہ ادائیگی ادا کردہ قسطوں یا کسی دوسری مالی ادائیگی کی نسبت سے کی جائے گی۔"

مختلف ممالک میں بیمے کے قانون کی جزئیات میں فرق ہو سکتا ہے' لیکن بنیادی طور پر یہ ایک مالی معاہدہ ہے جس کا ایک فریق بیمہ دار ہوتا ہے جو ایک متعین رقم قسطوں کی شکل میں (یا یکمشت) معین مدت کے لئے بیمہ کمپنیوں کو ادا کرتا ہے اور دوسرا فریق کمپنی ہوتی ہے جو ان قسطوں کے بدلے میں اور ان کی نسبت سے کسی حادثے کی وجہ سے املاک کے نقصان کی تلافی کرتی ہے۔

زندگی کے بیمے' املاک کے بیمے اور ذمہ داریوں کے بیمے کے درمیان جزئیات میں فرق ہے' لیکن ایک بات تینوں میں مشترک ہے اور وہ یہ کہ یہ ایک عقد مالی یعنی مالی لین

(۱) الوسیط فی الفقه المدنی طبع بیروت ١٩٦٤ء ص ١٠٨٤ ج ٢٧

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دین ہے۔ کمپنی بیمہ داروں کی جمع کردہ رقم کو آگے سودی کاروبار میں لگاتی ہے اور سود کی اس رقم سے بیمہ داروں کو بھی حصہ دیتی ہے اور خود بھی لیتی ہے۔

اس عقد مالی میں قسطوں کی رقم اس رقم کے معاوضے اور بدلے میں دی جاتی ہے جس کا وجود بھی مجہول اور مشکوک و مشتبہ ہے' اس لئے کہ یہ رقم اس وقت وجود میں آتی ہے جب کہ حادثہ رونما ہو جائے اور حادثے کا وجود صرف ایک احتمالی وجود ہے لہذا اس رقم کا وجود میں آنا بھی ایک احتمالی وجود ہے' حقیقی وجود نہیں ہے۔ اس رقم کا حاصل کرنا بھی مشکوک اور احتمالی ہے' اس لئے کہ جس چیز کا وجود احتمالی اور مشکوک ہو اس کا حصول بھی احتمالی اور مشکوک ہوتا ہے۔

اور اس رقم کی مقدار بھی مجہول اور غیر معلوم ہے' اس لئے کہ نقصان کا اندازہ تو حادثہ واقعہ ہو جانے کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے عقد مالی کو بیع غرر کہا جاتا ہے جو ممنوع ہے' اس لئے کہ یہ دراصل جوئے کی ایک شکل ہے۔

عن ابی هریرةؓ ان رسول الله ﷺ نهی عن بیع الغرر.(۱)

"ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمادیا ہے۔"

بیع غرر کی بہترین تشریح امام مالک نے اس طرح کی ہے:

قال ابن وهب قال لی مالك تفسیر ما نهی النبی ﷺ عنه من بیع الغرر ان یعمد الرجل الی الرجل قدضلت راحلته او دابته او غلامه و ثمن هذه الاشیاء خمسون دینارا فیقول انا اخذها منك بعشرین دینارا فان وجدها المبتاع ذهب من مال البائع ثلاثین دینارا او ان لم یجدها ذهب البائع منه بعشرین دینارا وهما لا یدریان کیف یکون حالها فی ذالك و اذا وجدت تلك الضالة کیف توجد و ما حدث فیها من امرالله

(۱) صحیح مسلم فی البیوع باب بطلان بیع الحصاة

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مما يكون فيه نقصها اور زيادتها فهذا اعظم المخاطرة۔(۱)

"ابن وہب" کہتے ہیں کہ مجھ سے امام مالکؒ نے فرمایا تھا کہ جس بیع غرر سے نبیؐ نے منع فرمایا ہے اس کی تشریح اس مثال سے ہو جاتی ہے کہ ایک شخص دوسرے کے پاس جائے جس کا اونٹ یا کوئی اور جانور یا غلام گم ہو گیا ہو۔ ان چیزوں کی قیمت (مثلاً) ۵۰ دینار ہے۔ اس شخص نے یہ گم شدہ اونٹ ۲۰ دینار میں خرید لیا۔ اگر خریدار کو وہ گم شدہ چیز مل جاتی ہے تو اس صورت میں بیچنے والے کو ۳۰ دینار کا نقصان ہوگا اور اگر نہیں ملتی تو بائع کو ۲۰ دینار مفت میں مل گئے۔ بائع اور مشتری دونوں نہیں جانتے کہ گم شدہ چیز کا کیا حال ہوگا' ملے گی یا نہیں ملے گی اور اگر مل بھی جائے تو پتہ نہیں کس حال میں ملے گی اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ کے حکم سے اس میں کیا کمی بیشی ہوئی ہے۔ یہ بہت بڑا مخاطرہ یعنی بازی لگانا ہے۔"

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بیمہ کمپنیوں کا مروجہ کاروبار قمار اور جوئے کا کاروبار ہے جو ممنوع ہے۔ اس کے علاوہ اس میں ربا بھی شامل ہے' اس لئے کہ اگر نقصان کی تلافی کی رقم بیمہ داروں کی قسطوں کی رقم سے زیادہ ہو اور بالعموم زیادہ ہی ہوتی ہے بلکہ کئی گنا زیادہ ہوتی ہے تو یہ اصل راس المال پر جو قسطوں کی شکل میں کمپنی کو دیا گیا تھا اضافہ ہے اور اسی کو ربا کہتے ہیں۔ سود کا یہ پہلو نفس عقد بیمہ میں موجود ہے' ورنہ بیمہ داروں کی رقوم آگے جو سودی کاروبار میں لگائی جاتی ہیں اور اگر وقت مقررہ تک کوئی حادثہ رونما ہوا یا زندگی کے بیمے کی صورت میں وقت مقررہ تک بیمہ دار کی موت واقع نہ ہوئی تو قسطوں کی رقم بمعہ سود کے واپس کر دی جاتی ہے' اس کا سود ہونا تو ہر ایک کو معلوم ہے' لہذا سودی کاروبار ہونے کی وجہ سے بیمہ کمپنیوں کا موجودہ کاروبار ممنوع ہے۔

---

(۱) المدونة الكبرى طبع سعادت ۱۳۲۳ ھ ص ۲۰۶۰ ج ٤

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ایک اور وجہ اس کاروبار کے ناجائز ہونے کی یہ ہے کہ اگر بالفرض نقصان کی تلافی کی رقم قسطوں کی رقم کے برابر ہو یا اس سے کم ہو (اگرچہ یہ صورتیں نادر الوجود ہیں) تو یہ نقد کو نقد کے بدلے میں ادھار فروخت کرنا ہے' حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "سونے کو سونے کے بدلے میں اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں فروخت نہ کرو مگر اس صورت میں فروخت کر سکتے ہو کہ برابر برابر ہوں اور دست بدست ہوں۔"

ایک وجہ اس معاملے کے عدم جواز کی یہ بھی ہے کہ قسطوں کی رقم کمپنی کے ذمہ قرض ہے اور نقصان کی تلافی کی احتمالی اور امکانی رقم بھی اس کے ذمے قرض یعنی واجب الاداء ہے۔ جب ان دونوں رقوم کا آپس میں تبادلہ ہوتا ہے تو یہ بیع الدین بالدین' یعنی ادھار کا ادھار کے بدلے میں فروخت کرنا ہے' حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

عن ابن عمر قال نهى النبي ﷺ عن بيع الكالئ اى بيع الدين بالدين۔(۱)

"ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی ؐ نے ادھار کا ادھار کے بدلے فروخت کرنا ممنوع قرار دیا ہے۔"

خلاصہ یہ ہے کہ بیمہ کمپنیوں کے موجودہ مروجہ کاروبار میں پانچ خرابیاں موجود ہیں:

- ایک یہ کہ بیع غرر ہے جو کہ ممنوع ہے۔
- دوسری یہ کہ اس میں قمار اور جوا ہے۔
- تیسری یہ کہ اس کے نفس عقد میں بھی سود موجود ہے۔

---

(۱) مصنف عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ طبع بیروت ۱۹۷۲ء ص ۹۰ ج ۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



○ چوتھی یہ کہ بیع الدین بالدین' یعنی ادھار کے بدلے ادھار کا معاملہ ہے۔

○ اور پانچویں یہ کہ بیمہ داروں کی رقوم سودی کاروبار میں لگائی جاتی ہیں۔

انہی وجوہات کی بنا پر مفتی کفایت اللہ' مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا مودودیؒ نے بھی بیمہ کی موجودہ شکلوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔(۱)

## بیمہ کی جائز صورتیں:

اس میں شک نہیں کہ یہ دنیا حوادث کی آماجگاہ ہے اور ان حوادث و آفات کی وجہ سے جن لوگوں کی املاک تباہ ہوئی ہوں ان کے نقصانات کی تلافی ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ باہمی تعاون اور اجتماعی تکافل و تضامن اسلام کے معاشی نظام میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے' لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اچھے سے اچھے مقاصد کے لئے بھی اگر غلط اور غیر شرعی طریقے اختیار کئے جائیں تو وہ خیر کی بجائے شر ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) بیمہ کمپنیوں کو مشارکہ کمپنیوں میں تبدیل کر دیا جائے اور بیمہ داروں سے حاصل شدہ مشترک سرمائے کو نفع نقصان میں شراکت کے شرعی اصول کے مطابق تجارت یا صنعت میں لگایا جائے۔ اس سے جو نفع ملے باہمی مشاورت اور رضامندی سے۔ اس کا ایک حصہ اس مشارکہ کمپنیوں کے حصہ داروں کے نقصانات کی تلافی کے لئے یا ان کے وارثوں کی کفالت کے لئے وقف کر دیا جائے اور باقی نفع حصہ داروں میں ان کے حصص کے تناسب سے تقسیم کر دیا جائے یا ان کے حصص میں شامل کر دیا جائے (حصہ داروں کی اجازت سے) اگر تجارت میں خسارہ ہو گیا تو اس خسارے کو منافع کے ریزرو حصے سے ہرگز پورا نہ کیا جائے اس لئے کہ وہ رقم تو وقف ہو چکی ہے' بلکہ باقی

(۱) کفایت المفتی طبع ملتان' ص ۷۶'۷۷ ج۸۔ امداد الفتاوی از مولانا تھانویؒ طبع کراچی ص ۱۶۰'۱۶۱ ج۳۔ رسائل و مسائل از مولانا مودودیؒ ص ۳۱۳ ج۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سرمائے کے تناسب سے خسارے کو تقسیم کر دیا جائے۔ اگر خدانخواستہ کمپنی دیوالیہ ہو گئی اور اس کا پورا سرمایہ ڈوب گیا تو اس کے لئے حکومت ہنگامی امداد کا انتظام کرے گی' تاکہ کمپنی دوبارہ اپنا کام شروع کر سکے۔

(۲) بیمہ کمپنیوں کو مضاربہ کمپنیوں کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے۔ اس کی صورت بھی مشارکہ کمپنیوں کے درج بالا طریقہ کے مطابق ہو گی سوائے اس کے کہ خسارہ کمپنی پر نہیں ڈالا جائے گا' اس لئے کہ اس صورت میں کمپنی مضارب یعنی صرف کاروبار کا نظام چلانے والی اور کام کرنے والی ہو گی۔ سرمائے میں شریک نہیں ہو گی اور کام کرنے والے پر خسارے کا بوجھ نہیں ڈالا جاتا' البتہ کمپنی باہمی فیصلے کے مطابق منافع میں حصہ دار ہو گی۔ حوادث و آفات کی صورت میں مشارکہ اور مضاربہ دونوں صورتوں میں ریزرو فنڈ سے' یعنی وقف سے نقصان کے تناسب سے امداد انہی لوگوں کو ملے گی جو معاہدے کی شرائط کے پابند ہوں اور کمپنی کے حصہ دار ہوں' اس لئے کہ اسلام میں وقف عام بھی جائز ہے اور وقف خاص بھی جائز ہے اور واقف اپنے وقف کردہ مال سے خود بھی استفادہ کر سکتا ہے۔ اس نوع کی کمپنیاں جب ملک میں بڑے پیمانے پر چل پڑیں گی تو موجودہ سود و قمار پر مشتمل بیمہ سے بھی نجات مل جائے گی اور باہمی تکافل کا وسیع پیمانے پر ایک نظام بھی قائم ہو جائے گا۔

(۳) صنعتی اور تجارتی اداروں کے مزدوروں کا بیمہ تو قمار اور ربا کے بغیر بڑی آسانی سے کرایا جا سکتا ہے کہ کچھ حصہ مزدوروں کی تنخواہ سے کاٹا جائے۔ کچھ حصہ کارخانوں اور اداروں کی جانب سے ڈالا جائے اور کچھ حصہ حکومت اس میں شامل کرے اور اس فنڈ سے مزدوروں کو معذور ہو جانے پر یا بڑھاپے کے وقت امداد دی جائے اور مزدور کے فوت ہو جانے کی صورت میں اس کے وارثوں کی مدد کی جائے۔ باقی رہے سرکاری ملازمین تو ان کے لئے پراویڈنٹ فنڈ کا طریقہ اب بھی موجود ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



(۴) ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم پیشہ لوگ اپنے پیشے سے تعلق رکھنے والے افراد پر مشتمل امداد باہمی کی انجمنیں بنائیں۔ ان انجمنوں کے مشترکہ فنڈز ہوں جن میں انجمنوں کے ممبرز ماہانہ یا سالانہ کے حساب سے طے شدہ فیصلے کے مطابق عطیات داخل کریں۔ حکومت بھی ان فنڈز میں عطیات جمع کرائے اور عام لوگوں سے بھی امداد کی اپیل کی جائے۔ اس فنڈ سے انجمن کے ممبران کے ان نقصانات کی تلافی کی جائے جو حوادث اور آفات ساویہ کی وجہ سے ہوئے ہوں۔ ممبران انجمن کے عطیات سے جمع شدہ سرمایہ وقف کی حیثیت سے محفوظ رکھا جائے گا۔ ممبران نے جو عطیے دیئے ہوں وہ نقصان کی تلافی کی رقم کا معاوضہ اور بدل نہیں ہوں گے' اس لئے نہ غرر ہوگا' نہ قمار ہوگا نہ ربا ہوگا اور نہ بیع الدین بالدین ہوگا' کیونکہ یہ باہمی تعاون کے لئے ایک چندے اور عطیے کی حیثیت سے دیئے جائیں گے اور واپس بھی نہیں کئے جائیں گے یہ کوئی مالی کاروبار اور عقد مالی نہیں ہوگا۔ یہ مضاربہ یا مشارکہ کمپنیاں نہیں ہوں گی۔ انجمن کے ممبران کا کاروبار الگ الگ ہوگا' مگر ان کے عطیات و تبرعات سے ایک وقف فنڈ قائم ہو جائے گا جو وقف خاص کے اصول کے مطابق صرف انجمن کے ممبران کی امداد اور تلافی نقصان پر خرچ ہوگا۔

(۵) قتل خطا کی ادائیگی اور مقتول کے وارثوں کی معاشی کفالت کے لئے "نظام معاقل" قائم کیا جاسکتا ہے' بلکہ اس نظام کو حکومت قانوناً بھی قائم کرا سکتی ہے اور اسے قائم کرانا چاہیے' ہم پیشہ افراد کی انجمنیں ایک مشترکہ فنڈ قائم کریں اور طے شدہ شرح کے مطابق اس میں ماہانہ یا سالانہ عطیات جمع کرائیں۔ انجمن کے ممبران کے ہاتھ سے اگر قتل خطاء سرزد ہو جائے' مثلاً ایکسیڈنٹ کی وجہ سے کسی کی موت واقع ہو جائے' تو اس فنڈ سے مقتول کے قانونی' یعنی شرعی وارثوں کو دیت کے شرعی احکام کے مطابق دیت ادا کی جائے گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اگر قبیلوں اور برادریوں کا منظم نظام موجود نہ ہو تو ہم پیشہ لوگوں کی انجمنیں اور "اہل دیوان" یعنی ایک محکمے سے تعلق رکھنے والے ملازمین کی انجمنیں عاقلہ یعنی دیت ادا کرنے والے قرار دی جاسکتی ہیں۔ شریعت اس کی اجازت دیتی ہے۔ مذکورہ ساری انجمنوں کے فنڈز وقف خاص ہوں گے' مگر ممبران کے فیصلے کے مطابق ان کو تجارت میں بھی لگایا جاسکتا ہے جس کے منافع لازماً ان فنڈز میں جمع کرانے ہوں گے۔ شرکاء انجمن میں تقسیم نہیں کئے جاسکیں گے۔

(٦) مرکزی حکومت ملکی سطح پر بھی ایک فنڈ قائم کرے۔ بجٹ میں اس کے لئے مناسب رقوم مختص کرے اور عام شہریوں سے اپیل کرے کہ وہ اس کار خیر میں حصہ لیں۔ اگر ملک میں بڑے پیمانے پر آفت اور تباہی آگئی ہو تو سرمایہ داروں' صنعت کاروں اور زمینداروں (لینڈ لارڈز) سے مخصوص تناسب کے ساتھ جبراً اور قانوناً بھی رقوم لی جاسکتی ہیں۔ اس حکومتی اور قومی فنڈ سے بغیر کسی علاقائی اور پیشہ ورانہ تخصیص کے ریاست کے شہریوں کے ان نقصانات کی تلافی کی جائے گی جو حوادث و آفات کی زد میں آگئے ہوں۔

(٧) بیمہ کے مقاصد زکوۃ و عشر سے بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ زکوۃ کے آٹھ مصارف میں سے چھٹے نمبر پر غارمین کا ذکر ہوا ہے جو غارم کی جمع ہے۔ غارم کے لغوی اور حقیقی معنے ہیں "من علیه الدین" یعنی وہ شخص جو مقروض ہو گیا ہو اور قرض کی ادائیگی کی استطاعت نہ رکھتا ہو' لیکن جس شخص کا مال کسی حادثے کی وجہ سے تباہ ہو گیا ہو اور اس پر لوگوں کے قرضے بقایا رہ گئے ہوں یا لوگوں کے قرضے تو اس پر نہ ہوں' لیکن مال کی تباہی کی وجہ سے یہ اپنے گھر کے اخراجات کے لئے قرض لینے پر مجبور ہو گیا ہو تو اس کو زکوۃ و عشر کے فنڈ سے اتنی رقم دی جاسکتی ہے جس سے اس کے تباہ شدہ مال کے نقصان کی تلافی ہو جائے اور یہ اپنا روزگار دوبارہ بحال کر سکے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



عبداللہ بن عباس کے شاگرد خاص حضرت مجاہد بن جبر فرماتے ہیں:

ثلاثة من الغارمين رجل ذهب السيل بماله و رجل اصابه حريق فذهب بماله و رجل له عيال و ليس له مال فهو يدان و ينفق على عياله۔(١)

"تین قسم کے لوگ غارمین میں شامل ہیں' ایک وہ شخص جس کے مال کو سیلاب بہا کر لے گیا۔ دوسرا وہ شخص جس کے مال کو آگ نے جلا دیا ہو اور تیسرا وہ شخص جو عیالدار ہو اور اس کے پاس مال نہ ہو اور وہ لوگوں سے قرض لے کر اپنے اہل خانہ پر خرچ کرتا ہو۔"

سیلاب اور آگ وہ حوادث و آفات ہیں جن کی وجہ سے املاک تباہ ہوتی ہیں۔ ایسے حوادث کے وقت نقصانات کی پوری یا جزی تلافی زکوۃ فنڈ سے کی جا سکتی ہے مگر زکوۃ فنڈ سے نقصانات کی تلافی اسی وقت جائز ہوگی کہ آفت زدہ شخص کا سارا مال تباہ ہو گیا ہو' حتی کہ وہ اپنے گھر کے اخراجات پورے کرنے کے لئے بھی قرض لینے پر مجبور ہو گیا ہو۔ اپنے گھر کے اخراجات پورے کرنے کے قابل بھی نہ رہا ہو' ایسا شخص حکومت سے زکوۃ طلب کر سکتا ہے۔

قبیصہ بن مخارق کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ:

و رجل اصابته جائحة اجتاحت ماله فحلت له المسئلة حتى يصيب قواما من عيش او قال سدادا من عيش۔(٢)

"جس شخص پر ایسی آفت آپڑی ہو جس نے اس کا مال مکمل طور پر تباہ کر دیا ہو تو اس کے لئے زکوۃ سے تلافی کا مطالبہ کرنا حلال ہے۔ (حدیث کے سیاق و سباق میں زکوۃ

(١) مصنف ابن ابی شیبه طبع کراچی ٢٠٧ جلد٣

(٢) نیل الاوطارباب الغارمین کتاب الزکوة ص٢٣٥ ج٤ طبع لبنان ١٩٨٣ء بحواله مسلم' نسائی' ابوداؤد' احمد بن حنبل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کا ذکر ہے) تاکہ وہ اپنی زندگی کی ضرورت پوری کر سکے یا یوں فرمایا تھا کہ اپنی معیشت کے نقصان اور خلل کی تلافی کر سکے۔"

حقیقت یہ ہے کہ اگر زکوۃ و عشر کا نظام پوری طرح اور صحیح طور پر نافذ کر دیا جائے تو غارمین' یعنی آفت زدہ لوگوں کے نقصانات کی تلافی بڑی حد تک زکوۃ فنڈ سے بھی ہو سکتی ہے اور دوسری وہ چھ تدابیر جن کا میں نے ذکر کیا ہے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ موجودہ بیمہ کمپنیوں کے سوی نظام کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔

سوال نمبر ۱۲:

## پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگ اکاؤنٹ

سوال: پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگ اکاؤنٹ پر جو نفع دیا جاتا ہے کیا وہ ربا کی تعریف میں آتا ہے؟

جواب: سیونگ اکاؤنٹ کا سسٹم تو عملا سود ہی پر چل رہا ہے' اگرچہ اس کا نام بدل دیا گیا ہے' لیکن پراویڈنٹ فنڈ کا مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ پرائیویٹ کمپنیوں اور اداروں کے ملازمین کا پراویڈنٹ فنڈ میں نے سنا ہے کہ مزدوروں اور اداروں کے نمائندوں پر مشتمل کمیٹیوں کی تحویل میں ہوتا ہے جو ملازمین اور اوروں کی نمائندہ (وکیل) ہوتی ہیں۔ چونکہ وکیل کا قبضہ شرعا موکل کا قبضہ متصور ہوتا ہے اس لئے یہ فنڈ ملازمین کے قبضے اور ملکیت میں آجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قبضے کے بعد گویا اپنے مملوکہ مال پر سود لینا ہے جو کس طرح حلال ہو سکتا ہے؟ لیکن سرکاری ملازمین کا پراویڈنٹ فنڈ حکومت کے قبضے میں ہوتا ہے اور قانونا ملازم کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ حکومت کے قانون میں بھی یہ فنڈ ملازمین کی ملکیت نہیں سمجھا جاتا' نہ اس پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ٹیکس لگتا ہے اور نہ اس پر کسی اور قسم کے مالی حقوق عائد ہوتے ہیں' اگرچہ ضرورت کے وقت کچھ شرائط کے ساتھ ملازمین اس فنڈ سے قرض لے سکتے ہیں جو واپس فنڈ میں جمع کرانا ہوتا ہے۔ یہ فنڈ دراصل ملازمین کی تنخواہوں کا بقایا حق ہے جو حکومت کے ذمے واجب الادا ہے اور وہ اس حق کو طے شدہ شرائط کے مطابق ادا کرے گی' لیکن جب تک اس پر ملازم کا قبضہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک یہ اس کی ملکیت میں نہیں آتا۔ صرف حق کی حیثیت سے حکومت کے ذمے بقایا ہوتا ہے۔ حکومت ملازم کو ادائیگی کے وقت اس کی تنخواہ کے باقی حصے پر جو اضافی رقم دیتی ہے وہ ربا کی تعریف میں نہیں آتی۔ اس لئے کہ ربا تو قرض پر اضافے کو کہتے ہیں جب کہ بطور شرط و معاہدہ لیا جائے اور یہ رقم جب ملازمین کی ملکیت ہی میں نہیں آئی تو قرض دینے اور اس پر سود وصول کرنے کا سوال کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ نہ ملازم نے قرض دیا ہے اور نہ اس پر اضافہ وصول کیا ہے۔ حکومت اگرچہ اسے سود کا نام دیتی ہے' لیکن جس طرح کہ سود کو غیر سودی نام دے کر حلال نہیں کیا جا سکتا اسی طرح عطیے اور امداد کو سود کا نام دے کر حرام نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اضافی رقم دراصل حکومت کی طرف سے ایک عطیہ اور اعانت ہے جس کو سود کا نام دیا جا رہا ہے۔ یہاں پر ایک اور سوال پیدا ہو سکتا ہے اور اسی سوال کی وجہ سے بعض بزرگوں نے اس اضافی رقم کو اعانت کے بجائے تنخواہ ہی کا حصہ کہا ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ عطیہ اور اعانت تو تبرع اور احسان ہوتا ہے جسے قانوناً عدالت کے ذریعے جبراً وصول نہیں کیا جا سکتا' لیکن ملازمین اس اضافی رقم کو بھی حکومت سے عدالت کے زور پر وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں' مگر اس کا جواب یہ ہے کہ حکومت جب کسی کے لئے اعانت کا اعلان کر دے اور اس کے لئے قواعد و ضوابط بنا دے تو اس پر وہ اعانت اور امداد واجب الادا ہو جاتی ہے' البتہ عام شہری اگر کسی کے ساتھ امداد کا وعدہ کر لے تو اخلاقاً اس کا پورا کرنا ضروری ہے مگر عدالت اسے مجبور نہیں کر سکتی' اگرچہ امام مالک کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نزدیک عدالتیں عام شہریوں کو بھی ایفائے عہد پر مجبور کر سکتی ہیں' الا یہ کہ وہ ایفائے عہد سے معذور ہوں' مگر جمہور کا مسلک یہی ہے کہ عدالتیں مجبور نہیں کر سکتیں' اس لئے کہ یہ حقوق العباد نہیں ہیں' بلکہ احسانات اور تبرعات عام ہیں اور عدالتوں کا کام حقوق دلوانا ہے۔ تاہم جن حضرات نے اس اضافی رقم کو تنخواہ کا حصہ قرار دیا ہے ان کی بات میں بھی وزن ہے' اس لئے کہ جب ملازمت پر تقرری کے وقت یہ طے ہوتا ہے کہ اتنی رقم اصل تنخواہ سے کاٹی جائے گی اور مخصوص تناسب سے کچھ رقم حکومت بھی اس میں اپنی طرف سے جمع کرے گی تو گویا یہ اضافی رقم بھی تقرری کے وقت سے ملازم کی تنخواہ میں شامل ہو گئی ہے۔ فریقین کو اس کا علم بھی ہے اور دونوں اس پر راضی بھی ہیں۔ جس طرح چیزوں کی قیمت معجّل بھی ہو سکتی ہے اور مؤجل بھی ہو سکتی ہے' اسی طرح اجیر کی اجرت بھی معجّل اور مؤجل دونوں طرح طے کی جا سکتی ہے۔ تو گویا اصل تنخواہ سے کاٹی گئی رقم اور حکومت کی طرف سے اضافی رقم دونوں کا مجموعہ ملازم کی اجرت کا ایک حصہ ہے جو مؤجل ہے۔

کسی کے ذہن میں یہ سوال بھی آسکتا ہے کہ ملازم کے کھاتے میں جب اس کا پراویڈنٹ فنڈ لکھ دیا جاتا ہے تو گویا یہ اس کا قبضہ ہے' لیکن ایسا نہیں ہے' قبضے کے معنے ہیں تصرف کی آزادی اور کھاتے میں تو محض حسابات درست رکھنے کے لئے رقم لکھی جاتی ہے تاکہ ادائیگی کے وقت حساب فہمی میں آسانی ہو اور ملازم کا استحقاق یقینی ہو جائے۔

ایک اور سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ حکومت اس فنڈ کو سودی کاروبار میں لگاتی ہے' لیکن اس لحاظ سے تمام اشیاء میں بالواسطہ طور پر سود موجود ہے۔ بالواسطہ سود میں تو پوری قوم گرفتار ہے۔ اسی لئے تو ہم اس سودی نظام کی اصلاح کے لئے کوشاں ہیں' مگر ملازم نے براہ راست سود تو نہیں لیا' البتہ اگر ملازم نے درخواست دے کر اور کوشش

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کر کے اپنا پروایڈنٹ فنڈ بمعہ کمپنی یا کسی اور مستقل کمیٹی کو منتقل کروادیا ہو تو یہ منتقل کرانے کا تصرف ایسا ہی ہے جیسے اس نے خود وصول کر کے کمپنی یا کمیٹی کو دے دیا ہو۔ کمپنی یا کمیٹی چونکہ وکیل کی حیثیت رکھتی ہے اور وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ شمار ہوتا ہے' تو ایسی صورت میں اضافی رقم سود متصور ہو گی' اس لئے کہ ملازم نے گویا قبضہ لینے کے بعد رقم سود پر کمپنی یا کمیٹی کو دی ہے۔ باقی رہا مسئلہ اختیاری پراویڈنٹ فنڈ کا جو ملازم نے اپنی مرضی سے قانونا لازمی کٹوتی کے علاوہ کٹوایا ہو تو اس پر اضافی رقم لینا عین ربا تو نہیں ہے' اس لئے کہ کٹوانا حقیقی قبضہ نہیں ہے' بلکہ حکما قبضہ ہے کہ اگر یہ نہ کٹواتا تو وصول کر سکتا تھا۔ اس قبضہ حکمی کی وجہ سے اختیاری پراویڈنٹ فنڈ پر اضافہ لینا شبہ ربا اور ذریعہ ربا ہے اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

مفتی کفایت اللہؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی لازمی پراویڈنٹ فنڈ پر دی جانے والی زائد رقم کو جائز قرار دیا ہے۔ مگر یاد رہے کہ یہ زائد رقم اسی صورت میں جائز ہو سکتی ہے جب کہ بطور عطیہ واعانت دی جائے لیکن اگر ملازم کی فنڈ کو سودی کاروبار میں لگایا ہو یا سودی اکاؤنٹ میں رکھتا ہو اور اس کا سود ملازم کی فنڈ میں جمع ہوتا رہا تو یہ جائز نہیں ہے۔

## سوال نمبر ۱۳:

# انعامی بانڈ

سوال: کیا انعامی بانڈوں پر یا سیونگ اکاؤنٹ پر یا کسی اور سکیم پر دی جانے والی رقم ربا کی تعریف میں آتی ہے؟

جواب: سیونگ اکاؤنٹ کا نظام جو مروج ہے وہ تو سود پر مشتمل ہے اور دوسری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سکیم کی تشریح نہیں کی گئی کہ جواب دیا جاسکے۔ باقی رہے انعامی بانڈز تو یہ قمار اور جوا ہے جسے انعامی بانڈز کا نام دے دیا گیا ہے۔ فقہ کا یہ قاعدہ پہلے بیان کر دیا گیا ہے کہ عقود میں مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے صرف الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا۔

عبداللہ بن عباس کا ارشاد ہے کہ:

ان المخاطرة من القمار۔(۱)

"بازی لگانا اور رقم کو داؤ پر لگانا جوا ہے۔"

انعامی بانڈوں اور معمہ بازیوں کا طریقہ مخاطرے میں شامل ہے' اس لئے جوا ہے اور حرام ہے۔

سوال نمبر ۱۴:

## تجارتی قرضے اور غیر تجارتی قرضے

سوال: کیا اسلامی قانون کے تحت تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں میں امتیاز کرنا درست ہے؟ اس طرح کہ تجارتی قرضوں پر سود لیا جائے اور غیر تجارتی قرضے بلا سود ہوں؟

جواب: نہیں جناب کوئی امتیاز نہیں ہے۔ ہر قسم کے قرضوں پر سود دینا اور لینا حرام ہے۔

دلائل درج ذیل ہیں:

اس سوال کی کوئی قانونی اہمیت نہیں ہے کہ کیا عربوں میں نزول قرآن کے وقت تجارت کے لئے لئے گئے قرضوں پر سود لیا جاتا تھا یا نہیں اور کیا تجارت کے لئے لوگ

(۱) احکام القرآن للجصاص ص۳۸۸ ج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قرض لیتے تھے یا نہیں؟ اصل اہمیت قانون کے متن کو حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کی کسی بھی عدالت کے سامنے جب ایسا تحریری قانون پیش کیا جائے جس کے متن کے الفاظ عام ہوں اور ان عام الفاظ کے بعد کوئی فقرہ شرطیہ' فقرہ استثنائیہ یا کوئی تشریحی فقرہ موجود نہ ہو اور مجموعہ قوانین میں کوئی دوسری دفعہ بھی اس عام قانون میں تخصیص و استثناء کرنے والی موجود نہ ہو' تو عدالت اسے عام ہی قرار دے گی اور جس پر بھی یہ قانون صادق آتا ہو اس پر منطبق کرے گی۔ اگر عدالت یا عدالت کے سامنے بحث کرنے والا کوئی وکیل بغیر کسی قانونی دلیل کے محض اپنی صوابدیدی رائے یا خواہش کی بنا پر اس عام اور واضح قانون میں تخصیص کرے گا' تو یہ قانون کی تعبیر نہیں ہوگی' بلکہ یہ نئی قانون سازی ہوگی۔ یا بالفاظ دیگر قانون میں تحریف و ترمیم ہوگی۔ میرے خیال میں یہ فلسفہ قانون کا ایسا نکتہ ہے جسے عقل عام تسلیم کرتی ہے۔ اب آیئے اس مسلمہ قاعدے کی روشنی میں زیر بحث مسئلے پر غور و فکر کریں۔

## عام کی تعریف:

عموم کے معنے ہیں شمول اور لفظ عام کی فقہی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

هو اللفظ الذی يستغرق جميع ما يصلح له من الافراد۔(۱)

"عام وہ لفظ ہے جو ان تمام افراد و اقسام کو شامل ہو جو اس کے مفہوم میں شامل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔"

یعنی جن پر عام کا مفہوم منطبق ہو سکتا ہو۔ عربی زبان میں لفظ عام کی تقریبا سات قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم ان الفاظ کی ہے جن کے حقیقی معنے میں عموم و شمول موجود ہو مثل کلۃ' جمیع' عامۃ' کافۃ اور قاطبۃ وغیرہ اور دوسری قسم وہ لفظ مفرد

(۱) اصول سرخسی ص ۱۲۵ ج ۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے جس پر الف لام استغراقی داخل ہوا ہو۔(۱)

عام کی اس تعریف کی روشنی میں حرمت ربا کی نصوص (متن قانون) پر غور کرنا چاہئے تاکہ قانون نافذ کرنے والے کی مراد متعین ہو سکے:

احل اللہ البیع و حرم الربوا. (سورہ البقرہ آیت ۲۷۵)

"اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام کیا ہے۔"

وذروا ما بقی من الربوا۔(سورہ البقرہ ۲۷۸)

"اور چھوڑ دو جو بھی باقی ہو ربا میں سے۔"

فلکم رءوس اموالکم۔ (سورہ بقرہ ۲۷۹)

"پس ملیں گے تم کو تمہارے اصل مال۔"

پہلی دو آیتوں میں لفظ الربا مفرد ہے جس پر الف لام استغراقی داخل ہوا ہے اور اس کے معنے ہیں کہ ربا کا شرعی مفہوم (جس کا تعین سوال نمبر ا کے جواب میں کر دیا گیا ہے) جن قسموں پر صادق آتا ہو وہ سب حرام ہیں۔ اور تیسری آیت میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ تمہارا حق صرف راس المال ہے' یعنی اصل رقم جو دی گئی تھی۔ ان آیات کے متن سے بغیر کسی بیرونی تشریح کے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ہر قسم کے قرض پر سود لینا حرام ہے' خواہ تجارتی قرض ہو یا صرفی قرض ہو۔

اسی طرح کل قرض جر نفعا فھو ربا کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔ اس میں بھی لفظ کل کے معنے ہیں ہر قرض اور نفع کا لفظ بھی مطلق ہے خواہ سود مفرد ہو یا سود مرکب ہو۔

ان واضح اور صریح نصوص عامہ کے ہوتے ہوئے کسی کا یہ کہنا کہ تجارتی قرضوں پر سود جائز ہے اور یہ لایعنی بحث چھیڑنا کہ عربوں میں تجارتی قرضوں کا رواج تھا یا نہیں

---

(۱) اصول سرخسی ص ۱۵۱ ج ۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور ان پر سود لیا جاتا تھا یا نہیں کہاں تک قابل توجہ ہو سکتا ہے اس کا فیصلہ فاضل عدالت بڑی آسانی سے کر سکتی ہے۔

سوال نمبر ا کے جواب میں ربا کی تعریف کے سلسلے میں جو روایات نقل کی گئی ہیں ان میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ لوگ قرض پر سود لیتے تھے۔ یہ کسی ایک روایت میں بھی نہیں آیا کہ یہ تجارتی قرضے نہیں تھے' بلکہ ذاتی ضرورت کے قرضے تھے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ تجارتی قرضے سرے سے مروج ہی نہیں تھے ثبوت پیش کرنا ان کے ذمے ہے۔ صرف نہیں کہہ دینا تو ثبوت نہیں ہے۔ ہم نے تو عمومی آیات واحادیث پیش کر دی ہیں جن میں مطلق قرض پر سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اب اگر کوئی ان میں تخصیص واستثناکا دعوی کرتا ہے تو کوئی آیت یا کوئی صحیح الاسناد حدیث پیش کرے جس میں تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں میں امتیاز کیا گیا ہو۔ اگرچہ تجارتی اور غیر تجارتی دونوں قسم کے قرضوں پر سود کی حرمت کے قائلین پر اصولاً یہ ثبوت پیش کرنا ضروری نہیں ہے کہ عربوں میں نزول قرآن کے وقت تجارتی قرضے بھی مروج تھے اور ان پر سود لینا بھی مروج تھا' لیکن پھر بھی چند روایات پیش کی جاتی ہیں جن سے تجارتی اور کاروباری قرضوں کا ثبوت ملتا ہے اور جن پر سود بھی لیا جاتا تھا۔ مثلاً:

۱۔ قال الضحاك كان ربا يتبايعون به في الجاهلية فلما اسلموا امروا ان يأخذوا رؤوس اموالهم۔(۱)

"ضحاک بن مزاحم تابعی فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے دور میں لوگ سودی کاروبار کرتے تھے۔ جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو ان کو حکم دیا گیا کہ صرف اصل رقم ہی وصول کرو۔"

۲۔ ابن جریر نے و ذروا ما بقي من الربا کی شان نزول بیان کرتے ہوئے

---

(۱) تفسیر ابن جریر ص۱۰۷ ج۳' تفسیر در منثور ص۱۰۸ ج۲ و فیہ یتعاملون

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لکھا ہے کہ:

عن السدی قال نزلت هذه الآية فی العباس بن عبدالمطلب و رجل من بنی المغيرة كانا شريكين فی الجاهلية سلفا فی الربا الی اناس من ثقيف من بنی عمرو بن عمير فجاء الاسلام و لهم اموال عظيمة فی الربا فانزل الله و ذروا ما بقی من الربا.(۱)

"سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عباسؓ اور بنو مغیرہ کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو زمانہ جاہلیت میں کاروبار میں شریک تھے۔ انہوں نے بنو ثقیف قبیلے کی ایک شاخ بنو عمرو کو سودی قرض پر مال دے رکھے تھے۔ جب اسلام کا دور آیا (اور سود حرام کر دیا گیا) تو ان کا بہت سا مال سود میں لگا ہوا تھا۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ چھوڑ دو جو بھی بقایا ہے سود میں سے۔"

اس روایت میں دو تاجروں کے اس سودی قرضے کا ذکر ہے جو انہوں نے بنو عمرو قبیلے کو دے رکھا تھا اور یہ بہت زیادہ مال تھا جو بنو عمرو کے ذمے بقایا تھا۔

۳۔ ابن جریر نے ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ بنو عمرو بھی بنو مغیرہ کو سودی قرضے دیا کرتے تھے:

وكانت بنو عمرو بن عمير بن عوف يأخذون الربا من بنی المغيرة و كانت بنو المغيرة يربون لهم فی الجاهلية فجاء اسلام و لهم عليهم مال كثير فاتاهم بنو عمرو يطلبون رباهم فابی بنو المغيره ان يعطوهم فی الاسلام و رفعوا ذالك الی عتاب بن اسيد فكتب عتاب الی رسول الله ﷺ فانزل الله يا ايهالذين امنوا اتقواالله و ذروا ما بقی من الربوٰا الی قوله ولا تظلمون فكتب رسول الله ﷺ الی عتاب و قال

(۱) تفسیر ابن جریر طبع مصر ۱۹۵٤ء ص ۱۰۷ ج ۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ان رضواو الا فاذنهم بحرب۔(۱)

"دور جاہلیت میں بنو عمرو اور بنو مغیرہ کے درمیان سودی قرضوں کا لین دین تھا۔ جب اسلام کا دور آیا تو بنو عمرو کا بنو مغیرہ پر بہت سا مال واجب الادا تھا' چنانچہ بنو عمرو بنو مغیرہ کے پاس آئے اور ان سے سود کا بقایا طلب کیا۔ بنو مغیرہ نے اسلام کے دور میں سود دینے سے انکار کر دیا (دونوں قبیلے مسلمان ہو گئے تھے) بنو عمرو مکہ مکرمہ کے امیر عتاب بن اسید کے پاس اپنا دعویٰ لے کر گئے۔ حضرت عتاب نے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا خوف کرو اور جو بھی بقایا ہے سود کا اسے چھوڑ دو۔ الآیۃ۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت لکھ کر عتاب کو بھجوا دی اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ اگر یہ لوگ سود چھوڑنے پر راضی ہوں تو بہت اچھا ورنہ ان لوگوں کو جنگ کا الٹی میٹم دے دو۔"

شان نزول سے متعلق ابن جریر کی درج بالا دونوں روایتوں کو ملا کر پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بنو عمرو کو بنو مغیرہ سودی قرض دیتے تھے اور ان دونوں کا مال کثیر ایک دوسرے کے ذمے تھا۔ اگر یہ تجارتی قرضے نہیں تھے تو کیا مال کثیر کا مالک گھریلو اخراجات کے لئے اتنی بڑی رقوم قرض لیا کرتا ہے؟ حقیقت یہی ہے کہ یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کو تجارتی قرضے دیا کرتے تھے اور ان پر سود دیا اور لیا کرتے تھے اور اسی کے بارے میں یہ حکم نازل ہوا تھا کہ چھوڑ دو جو بھی باقی ہو سود۔ جب آیت کا شان نزول ہی تجارتی قرضے ہیں تو ان کو اس آیت کے حکم سے خارج کیسے کیا جا سکتا ہے؟

ابن جریر نے عکرمہ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ بنو عمرو کے جو افراد بنو مغیرہ کو سودی قرض دیتے تھے اور ان سے سودی قرض لیتے تھے ان میں مسعود ثقفی' عبد یالیل' حبیب اور ربیعہ بھی شامل تھے۔(۲)

---

(۱) تفسیر ابن جریر ص۱۰۷ ج۳

(۲) ابن جریر ص۱۰۷ ج۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یہ نام بنو ثقیف کے سرداروں کے ہیں جو نادار اور بھوکے لوگ نہیں تھے' بلکہ مالدار لوگ تھے۔ ان کی مالداری کا ثبوت تو درج بالا روایت میں مال کثیر کے لفظ سے بھی ملتا ہے' لیکن عکرمہ نے چند نام بھی بتا دیئے ہیں جو طائف کے سرداروں کے نام ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا مودودیؒ نے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۱۹۴۵ء کے ایک مضمون (بنکس) کے حوالے سے اور ایک دوسری مستند کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ جزیرۃ العرب کے آس پاس کے ملکوں' یعنی عراق مصر' شام' یونان اور روم میں تجارتی' صنعتی اور ریاستی اغراض و مقاصد کے لئے دیئے گئے قرضوں پر سود لیا اور دیا جاتا تھا اور ان ممالک کے ساتھ عربوں کے تجارتی تعلقات قائم تھے۔(۱)

تو یہ کیسے فرض کر لیا گیا کہ عرب تجارتی قرضوں پر سود سے باخبر ہی نہیں تھے۔

سوال نمبر ۱۵:

## بچت پر ابھارنے اور کفایت شعاری کے محرکات

سوال: اگر سود کو قطعی طور پر حرام کر دیا جائے تو اسلامی نظام معیشت میں لوگوں کو بچت پر ابھارنے اور سرمایہ کے استعمال میں کفایت شعاری کی ترغیب دینے کے لئے کون سے محرکات استعمال کئے جائیں گے؟

جواب: تجارتی نفع کے ذریعے لوگوں کو بچت پر ابھارا جائے گا۔ اگر حرام نفع محرک بن سکتا ہے تو حلال نفع کیوں محرک نہیں بنے گا۔ باقی رہا خسارے کا خطرہ جو سود میں نہیں ہوتا تو پہلی بات تو یہ ہے کہ تجارت میں خسارے کا خطرہ نادر اور قلیل الوقوع

(۱) سود' ص ۲۸۳ تا ۲۹۰ طبع ۱۹۹۰ء

12696

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہوتا ہے اور نفع کی امید زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مارکیٹیں بند ہو جاتیں۔ اس لئے خسارے کے نادر الوقوع خطرے کی وجہ سے لوگ اپنی بچتیں کاروبار میں لگانے سے اتنے خوفزدہ نہیں ہوں گے۔ آج بھی ہمارے معاشرے میں لاکھوں لوگ ایسے ہیں جو تجارت کرنا چاہتے ہیں، لیکن ان کے پاس اتنا زیادہ سرمایہ نہیں ہے کہ وہ اس سے کاروبار شروع کر سکیں۔ اگر ان کے سامنے بنکاری کا ایسا طریقہ موجود ہو جس پر وہ اپنی تھوڑی سی بچت کو بھی تجارت میں لگا سکیں، یعنی مضاربہ یا مشارکہ کا طریقہ تو وہ ضرور بچت کر کے اس کاروبار میں حصہ لیں گے اور خسارے کا امکان ان کو خوفزدہ نہیں کرے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ نفع نقصان میں شراکت کا نظام معاشی توازن قائم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اسی توازن کو قائم کرنے کے لئے تو ہم سود ختم کرانا چاہتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۶:

## کیا اسلامی حکومت مسلمانوں پر ٹیکس لگا سکتی ہے؟

سوال: کیا اسلامی حکومت اپنی رعایا پر زکوۃ و عشر کے علاوہ کوئی اور ٹیکس لگا سکتی ہے؟

جواب: اس موضوع پر میں نے ایک تحریر فاضل عدالت کی خدمت میں پہلے ہی بھیج دی ہے۔ جو اس سوال کے جواب میں الگ عنوان کے تحت شامل کی جا رہی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## باب دوم

# ٹیکس کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت میں تحریری بیان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# کیا اسلامی حکومت اپنی مسلمان رعایا پر ٹیکس لگا سکتی ہے؟

وفاقی شرعی عدالت نے مسلمانوں پر زکوۃ و عشر کے علاوہ ٹیکس لگانے کے بارے میں میری رائے طلب کی تھی۔ اس کے جواب میں ایک مقالہ تحریر کر کے میں نے فاضل عدالت کے دفتر کو ارسال کر دیا تھا۔

یہ مقالہ مالی قوانین کے بارے میں شرعی عدالت کے سوالنامے کے سوال نمبر ۱۶ کا جواب بھی ہے۔

## وفاقی شرعی عدالت کا سوالنامہ

محترمی و مکرمی مولانا گوہر رحمان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بعد ازاں عرض ہے کہ وفاقی شرعی عدالت میں پٹیشن دائر کی گئی ہے جس میں درخواست گزار نے عدالت سے درخواست کی ہے کہ چونکہ اسلامی احکام کے مطابق ایک اسلامی حکومت اپنی رعایا پر زکوۃ و عشر کے علاوہ کوئی اور ٹیکس نہیں لگا سکتی اس لئے انکم ٹیکس آرڈیننس مجریہ ۱۹۷۹ء کو خلاف اسلام ہونے کی وجہ سے کالعدم قرار دیا جائے۔ اس مقدمے میں عدالت کے سامنے مندرجہ ذیل سوالات بھی قابل غور ہیں۔

۱۔ کیا قرآن و سنت میں زکوۃ و عشر کے علاوہ کسی اور ٹیکس کا تصور ہے؟

۲۔ کیا قرون اولی میں زکوۃ و عشر کے علاوہ کسی اور ٹیکس کی مثال ملتی ہے؟

چونکہ ٹیکسوں کا مسئلہ ایک اہم قومی مسئلہ ہے اس لئے عدالت نے فیصلہ کیا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کہ اس شریعت پٹیشن کی ایک نقل آپ کی خدمت میں ارسال کی جائے اور آپ سے درخواست کی جائے کہ اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر اسلامی نقطہ نگاہ سے تحقیق فرما کر اپنا تحقیقی مقالہ عدالت کے سامنے پیش فرمائیں۔ امید ہے آپ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود فرصت نکال کر اس اہم قومی و مذہبی مسئلہ میں عدالت کی مدد فرمائیں گے۔ اس شریعت پٹیشن کی باقاعدہ سماعت کی تاریخ مقرر کی جارہی ہے جس سے آپ کو مطلع کیا جائے گا۔

فقط والسلام

ڈاکٹر انوار اللہ

سینئر ایڈوائزر وفاقی شرعی عدالت

اسلام آباد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## تمہید:

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ٹیکسوں کے نظام میں بلکہ پورے اقتصادی نظام میں بنیادی اور انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ فاضل درخواست گزار کی بات بالکل درست ہے کہ انکم ٹیکس کا مروجہ نظام پاکستان کو انگریزی سرکار سے ورثے میں ملا ہے لیکن اس قابل احترام درخواست گزار نے جو یہ موقف اختیار کیا ہے کہ "قرآن و سنت کی ہدایت کے مطابق مسلمان حکمرانوں کو مسلمان رعایا سے زکوۃ و عشر کے علاوہ کسی دوسرے ٹیکس کے وصول کرنے کی اجازت نہیں ہے۔" اس موقف کی بھی تائید نہیں کی جاسکتی۔ موجودہ دور میں حکومت کے اخراجات بہت وسیع ہو گئے ہیں اور لوگوں کے اندر از خود رضاکارانہ طور پر انفاق کا جذبہ بہت زیادہ کم ہو گیا ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں عوام کو سہولتیں فراہم کرنا حکومت کا فرض بھی ہے اور رعایا کا مطالبہ بھی ہے' پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کا سالانہ بجٹ بھی اربوں میں نہیں بلکہ کھربوں میں ہوتا ہے اور ہنگامی اخراجات اس کے علاوہ ہوتے ہیں۔ اگر زکوۃ و عشر کے علاوہ کسی دوسرے ٹیکس کی وصولی مطلقاً ممنوع ہے تو پھر اس سوال کا جواب بھی تلاش کرنا ہوگا کہ یہ بجٹ کیسے پورا کیا جائے گا؟

اس لئے کہ زکوۃ و عشر کے مصارف تو مخصوص و محدود ہیں۔ اس سوال کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ اغنیاء پر بوقت ضرورت' بقدر ضرورت اور بقدر استطاعت عوامی نمائندوں کی منظوری سے ٹیکس لگایا جائے' اس مقالے کا موضوع اسی جواب کی تفصیل ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## کیا زکوۃ و عشر کے علاوہ مسلمانوں پر کوئی اور مالی حق واجب ہے ؟

فاضل درخواست گزار کے مبینہ دلائل کا جائزہ تو مقالے کے آخر میں لیا جائے گا' لیکن سب سے پہلے اس سوال پر غور کرنا مناسب ہوگا کہ کیا زکوۃ و عشر کے علاوہ مسلمانوں پر کوئی اور مالی حق واجب ہے یا نہیں ؟ ٹیکس لگانے کا جواز و عدم جواز اسی اصولی سوال کے جواب پر منحصر ہے اور یہی اس پوری بحث کا مرکزی اور محوری نکتہ ہے۔ اس سلسلے میں جب ہم قرآن و سنت کی طرف رجوع کرتے ہیں' تو معلوم ہو جاتا ہے کہ بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت زکوۃ و عشر کے علاوہ مزید مالی حقوق مسلمانوں پر عائد کئے جا سکتے ہیں اور قانوناو جبرا وصول کئے جا سکتے ہیں۔

## (۱) عوام کی بنیادی حاجت پوری کرنے کے لئے زکوۃ کے علاوہ بھی مالی حق واجب ہے ؟

### آیات قرآنیہ:

لیس البر ان تولوا وجوهكم قبل المشرق و المغرب ولكن البر من اٰمن بالله واليوم الآخر والملٰئكة والكتب والنبيين و اٰتى المال على حبه ذوى القربىٰ واليتامىٰ والمساكين وابن السبيل والسائلين و فى الرقاب و اقام الصلوة و اتى الزكوة والموفون بعهدهم اذا عاهدوا والصابرين فى البأساء والضرآء و حين البأس اولٰئك الذين صدقوا و اولٰئك هم المتقون (البقره ۱۷۷)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"نیکی یہی نہیں ہے کہ پھیر لو تم اپنا منہ مشرق کی جانب یا مغرب کی جانب بلکہ نیک تو وہ ہے جو ایمان لائے اللہ پر، آخرت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور انبیاء پر اور دیتا ہو اپنا مال باوجود اسے پسند کرنے کے اپنے رشتہ داروں کو، یتیموں کو، مسکینوں کو، مسافروں کو سوال کرنے والوں کو اور غلام آزاد کرنے میں، اور قائم کرتا ہو نماز اور دیتا ہو زکوۃ اور وعدہ پورا کرنے والے ہوں اپنے وعدے، جب بھی انہوں نے وعدہ کیا ہو اور صبر کرنے والے ہوں تنگدستی کی حالت میں اور بیماری کی حالت میں اور جنگ کی حالت میں یہی سچے ہیں ایمان میں، اور یہی لوگ متقی ہیں۔"

اس آیت میں نیکی کے وہ کام بیان ہوئے ہیں جو صدق ایمان اور تقوی کے شرائط میں سے ہیں۔ آیت میں رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں کو اور غلاموں کو آزاد کرنے میں مال دینے کا ذکر، زکوۃ دینے کے ذکر سے پہلے ہوا ہے اور زکوۃ کا ذکر اس کے بعد الگ ہوا ہے۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وآتی المال میں زکوۃ کے علاوہ دوسرے مالی حقوق ادا کرنے کا ذکر ہوا ہے جو معاشرے کے نادار اور حاجت مند لوگوں کے لئے صاحب استطاعت لوگوں پر واجب ہو جاتے ہیں اگر زکوۃ کافی نہ ہو سکے۔

مفسرین نے بھی اس آیت پر استدلال کرتے ہوئے اسی طرح لکھا ہے کہ زکوۃ کے علاوہ بھی مسلمانوں کے اموال میں حقوق مالیہ عائد کئے جا سکتے ہیں۔ چند ممتاز مفسرین کے تفسیری اقوال ملاحظہ کیجئے۔

امام المفسرین محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:

**و هل من حق يجب في مال ايتاء ه فرضا غير الزكوة فقال بعضهم فيه حقوق سوى الزكوة واعتلوا لقولهم ذالك بهذه الاية و قالوا لما قال الله تبارك و تعالى و آتى المال .... ثم قال بعد و اقام الصلوة و آتى**

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الزکوة علمنا ان المال الذی وصف المؤمنین به انهم یؤتونه ذوی القربی و من سمی معهم غیر الزکوة ذکر انهم یوتونها لان ذالك لو کان مالا واحدا لم یکن لتکریره معنی مفهوم۔(۱)

"کیا مال میں زکوۃ کے علاوہ کوئی ایسا حق ہے جو فرض ہو؟ بعض نے کہا ہے کہ ہاں! مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔ انہوں نے اس آیت پر استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے و آتی المال کے بعد و اقام الصلوۃ و اتی الزکوۃ کا ذکر فرمایا ہے تو اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ جس مال کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مومن یہ مال رشتہ داروں اور دوسرے ان لوگوں کو دیتے ہیں جن کا نام اللہ نے لیا ہے وہ مال زکوۃ کے علاوہ ہے۔ اس لئے کہ اگر دونوں سے ایک ہی مال مراد ہوتا' تو پھر ایک ہی آیت میں اس تکرار کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔"

ابن جریرؒ نے دوسرا قول بھی نقل کیا ہے کہ و اتی المال سے بھی زکوۃ مراد ہے۔ جس کے بعد زکوۃ کے مصارف بیان ہوئے ہیں اور آتی الزکوۃ سے زکوۃ کے نفس وجوب کا بیان مقصود ہے لیکن سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن جریر کا میلان قول اول کی طرف ہے۔

امام جصاصؒ (متوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

ان فی سیاق الآیة و نسق التلاوة و ما یدل علی انه لم یرد به الزکوة لقوله تعالی و اقام الصلوة و آتی الزکوة فلما عطف الزکوة علیها دل علی انه لم یرد الزکوة بالصدقة المذکورة قبلها۔(۲)

"اس آیت کے سیاق اور ترتیب تلاوت میں اس بات کا قرینہ موجود ہے کہ و آتی المال سے زکوۃ مراد نہیں ہے اس لئے کہ زکوۃ کو اس پر عطف کیا گیا ہے جو اس بات کی

(۱) تفسیر ابن جریر طبع مصر ۱۹۵۴ء ج ۲ ص ۵۸ بقرہ ۱۷۷

(۲) احکام القرآن للجصاص طبع بیروت ۱۹۵۸ء ج ۱ ص ۱۶۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دلیل ہے کہ زکوۃ کے ذکر سے قبل جس صدقے کا ذکر ہوا ہے وہ زکوۃ نہیں ہے بلکہ اس کی علاوہ دیگر حقوق مراد ہیں۔"

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

قال قوم انها الزكوة و هذا ضعيف لانه تعالى عطف الزكوة عليه بقوله و اقام الصلوة و آتى الزكوة و من حق المعطوف و المعطوف عليه ان يتغايرا فثبت ان المراد به غير الزكوة ثم انه لا يخلوا اما ان يكون من التطوعات او من الواجبات لا جائز ان يكون من التطوعات لانه تعالى قال في اخر الاية اولئك الذين صدقوا و اولئك هم المتقون وقف التقوى عليه ولو كان ذالك ندبا لما وقف التقوى عليه وثبت ان هذا الايتاء و ان كان غير الزكوة الا انه من الواجبات۔(۱)

"ایک گروہ نے کہا ہے کہ و آتی المال سے زکوۃ ہی مراد ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے و آتی المال پر اقام الصلوۃ و آتی الزکوۃ کو عطف کیا ہے اور معطوف و معطوف علیہ الگ الگ ہوتے ہیں تو اس عطف سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے زکوۃ کے علاوہ دوسرے حقوق مراد ہیں۔ پھر یہ دوسرے حقوق یا نفلی ہوں گے یا واجب ہوں گے۔ نفلی مراد لینا اس لئے جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ یہی لوگ سچے مومن ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔ تقوی کو اس حق کی ادائیگی پر موقوف کر دیا ہے۔ اگر یہ نفلی صدقہ ہوتا تو تقوی کو اس پر موقوف نہ کیا جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ مال دینا اگرچہ زکوۃ کے علاوہ ہے مگر ہے واجبات میں سے۔"

امام قرطبی متوفی ۶۷۱ھ فرماتے ہیں:

---

(۱) تفسیر کبیر امام رازی طبع مصر ۱۹۳۸ء ج۵ ص۴۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



استدل به من قال ان فی المال حقا سوی الزکوۃ و به کمال البر و قیل المراد الزکوۃ المفروضة والاول اصح لما اخرجه الدار قطنی عن فاطمة بنت قیس قالت قال رسول الله ﷺ ان فی المال حقا سوی الزکوۃ ثم تلا هذه الآیة .... والحدیث و ان کان فیه مقال فقد دل معنی ما فی الآیة نفسها من قوله و اقام الصلوۃ و آتی الزکوۃ فذکر الزکوۃ مع الصلوۃ و ذالك دلیل علی ان المراد بقوله و آتی المال علی حبه لیس الزکوۃ المفروضة فان ذلك یکون تکرارا۔(۱)

"جو لوگ کہتے ہیں کہ مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے انہوں نے اس آیت کو دلیل بنایا ہے اور کامل نیکی یہی ہے کہ زکوۃ کے علاوہ بھی حق ادا کیا جائے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد فرض شدہ زکوۃ ہے۔ مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ دار قطنی نے فاطمہ بنت قیس سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے بے شک مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے اور پھر استدلال میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اس حدیث کی سند میں اگرچہ کلام ہے لیکن اس آیت کا مفہوم بجائے خود اس کی دلیل ہے کیونکہ آیت میں زکوۃ کا ذکر نماز کے ساتھ ہوا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ و آتی المال علی حبہ سے فرض زکوۃ مراد نہیں ہے' ورنہ پھر یہ تکرار ہوگا۔"

علامہ سید رشید رضا شیخ محمد عبدہ سے نقل کرتے ہیں:

قال الشیخ الامام و هذا الایتاء غیر ایتاء الزکوۃ الاتی و هو رکن من ارکان البر واجب کالزکوۃ و ذالك حیث تعرض الحاجة الی البذل فی غیر وقت الزکوۃ۔(۲)

(۱) تفسیر قرطبی طبع بیروت ۱۹۸۸ء ج۲ ص ۱۶۲

(۲) تفسیر المنار طبع بیروت ج۲ ص ۱۱۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



" و آتی المال میں جس مال کے دینے کا ذکر ہوا ہے یہ اس زکوۃ کے علاوہ ہے جس کا ذکر بعد میں ہوا ہے۔ زکوۃ کے علاوہ یہ حق بھی ارکان بر میں سے ایک رکن ہے اور زکوۃ کی طرح واجب ہے۔ یہ زائد حق اس وقت واجب ہوتا ہے جب زکوۃ کی ادائیگی کے اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں مال خرچ کرنے کی کوئی حاجت درپیش ہو۔"

ممتاز مفسرین کے مندرجہ بالا اقوال سے معلوم ہوا کہ مذکورہ آیت کریمہ جو آیت البر کے نام سے مشہور ہے' اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے اموال میں زکوۃ و عشر کے علاوہ بھی حقوق ہیں' اور زکوۃ کے علاوہ ان حقوق کا ادا کرنا بھی نیکی کا بنیادی ستون ہے اور صدق ایمان اور کمال بر اور تقوی کے لئے ضروری ہے۔

آیت البر کے شان نزول کی روایات میں سے ایک روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ذکر شدہ امور ایمان کے اجزاء مکملہ ہیں جن میں زکوۃ کے علاوہ حق بھی شامل ہے۔

روی عبدالرزاق و غیره من طریق مجاهد ان ابا ذر سأل النبی ﷺ عن الایمان فتلا علیه لیس البر .... الی آخرها و رجاله ثقات۔(۱)

"عبدالرزاق وغیرہ نے مجاہد کی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ابوذر نے رسول اللہ ﷺ سے ایمان کے بارے میں پوچھا تو آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔"

قرآن کریم میں رشتہ داروں' یتیموں' محتاجوں' مسافروں' ہمسایوں اور غلاموں کے ساتھ احسان کرنے' ان کو کھانا کھلانے اور ان کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے' اور ایسا نہ کرنے والوں کو وعید سنائی گئی ہے۔ ان آیات میں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے کہ یہ احسان صرف زکوۃ دینے کے ذریعے کیا جائے گا اور صرف زکوۃ کا حق ادا کرنا ہوگا بلکہ عمومی الفاظ میں کہا گیا ہے کہ ان کے ساتھ احسان کرو' ان کو کھانا کھلاؤ اور ان کا

---

(۱) فتح الباری طبع مصر ۱۹۵۹ء ج ۱ ص ۵۷ کتاب الایمان باب ثانی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حق ادا کرو' اگر زکوۃ و عشر کافی ہو سکے تو مزید دینے کی ضرورت نہیں ہو گی لیکن اگر کافی نہ ہو سکے تو ان آیات کا تقاضا یہ ہے کہ بقدر استطاعت مزید مالی بوجھ اٹھانا پڑے گا تاکہ محتاجوں کی معاشی کفالت ہو سکے۔ حالات کے مطابق بعض صورتوں میں یہ حقوق واجب ہوں گے اور بعض صورتوں میں مستحب ہوں گے لیکن ان آیات کو حقوق مستحبہ کے ساتھ مخصوص کرنے کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ اس مضمون کی آیات تو کافی ہیں مگر بطور نمونہ چند آیات ملاحظہ فرمایئے:

(۲) و فی اموالھم حق للسائل و المحروم (الذاریات ۱۹)

"اور ان کے اموال میں حق ہے سائل کا اور وسائل سے محروم شخص کا۔"

(۳) والذین فی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم۔

(المعارج ۲۵)

"اور وہ لوگ جن کے مالوں میں حق ہے سائل کا اور محروم شخص کا۔"

(٤) و اٰت ذا القربی حقه والمسکین وابن السبیل۔

(بنی اسرائیل ۲٦' الروم ۳۸)

"اور دے دو رشتہ دار کو اس کا حق اور مسکین اور مسافر کو۔"

(٥) و اذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل لا تعبدون الا الله و بالوالدین احسانا و ذی القربی والیتامی والمساکین۔(بقرہ ۸۳)

"اور جب وعدہ لیا تھا ہم نے بنی اسرائیل سے کہ عبادت نہیں کرو گے تم مگر اللہ کی اور ماں باپ' رشتہ داروں' یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ احسان کرو۔"

(٦) واعبدو الله ولا تشرکوا به شیئا و بالوالدین احسانا و ذی القربی و الیتامی والمسکین والجار ذی القربی والجار الجنب۔

(النساء ۳٦)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"اور عبادت کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ' رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں' قریبی ہمسائے اور دور کے ہمسائے کے ساتھ احسان کرو۔"

(۷) انه كان لا يومن بالله العظيم ولا يحض على طعام المسكين فليس له اليوم ههنا حميم ولا طعام الا من غسلين (الحاقه۳۳۔۳۶)

"بے شک یہ عظیم اللہ پر ایمان نہیں لایا تھا اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا پس آج کے دن اس کا کوئی دوست نہیں ہے اور نہ اس کے لئے کھانا ہے بجز زخموں کے دھوون کے۔"

(۸) ما سلككم في سقر۔ قالوا لم نك من المصلين و لم نك نطعم المسكين۔ (المدثر ۴۲تا۴۴)

"کس چیز نے داخل کرایا ہے تمہیں دوزخ میں؟ وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔"

(۹) كلا بل لا تكرمون اليتيم ولا تحاضون على طعام المسكين۔ (الفجر۱۸)

"ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم یتیم کے ساتھ احسان نہیں کرتے تھے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے تھے۔"

(۱۰) ارئيت الذى يكذب بالدين فذالك الذى يدع اليتيم ولا يحض على طعام المسكين (الماعون۱تا۳)

"کیا دیکھا ہے تو نے اسے جو جھٹلاتا ہے روز جزا کو' یہی تو وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کے کھانے کی ترغیب نہیں دیتا۔"

ان آیتوں میں وسائل سے محروم لوگوں کی مالی امداد کو ان کا حق کہا گیا ہے' احسان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کا حکم دیا گیا ہے اور محتاجوں کو کھانا نہ کھلانے اور کھلانے کی ترغیب نہ دینے کو دوزخ کی آگ میں جلنے کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ اتنے تاکیدی احکام اور اتنے شدید عذاب کی وعید ظاہر ہے کہ صرف مستحبات کے ترک کرنے والے کے لئے نہیں ہو سکتی۔ اس موضوع پر چند احادیث بھی ملاحظہ کیجئے۔

## احادیث رسول ﷺ:

(۱) عن ابی موسی الاشعری قال قال رسول الله ﷺ فکوا العانی وا طعموا الجائع و عودوا المریض۔(۱)

"ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ قیدی کو آزاد کرو، بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور بیمار کی عیادت کرو۔"

(۲) عن عبدالله بن عباس قال سمعت النبی ﷺ یقول لیس المؤمن الذی یشبع و جاره جائع۔(۲)

"ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے وہ شخص مومن نہیں ہے جو اپنا پیٹ بھر چکا ہو اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔"

(۳) عن عبدالرحمان بن ابی بکر ان اصحاب الصفة کانوا ناسا فقراء و ان النبی ﷺ قال من عنده طعام اثنین فلیذهب بثالث و ان اربع فخامس او سادس۔(۳)

"عبدالرحمانؓ بن ابی بکر سے مروی ہے کہ اصحاب صفہ فقیر لوگ تھے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو تو وہ تیسرے کو اپنے ساتھ

(۱) صحیح بخاری کتاب الجهاد باب فکاك الاسیر حدیث نمبر ۲۸۸۱

(۲) الادب المفرد للبخاری باب لا یشبع دون جاره حدیث نمبر ۱۱۲

(۳) صحیح بخاری مواقیت الصلوة باب السمر مع الضیف والاهل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لے جائے اور اگر چار افراد کا کھانا ہو تو پانچویں کو ساتھ لے جائے یا چھٹے کو ساتھ لے جائے۔"

(٤) عن ابی سعید الخدری قال رسول الله ﷺ من کان معه فضل ظهر فلیعد به علی من لا ظهر له و من کان معه فضل زاد فلیعد به علی من لا زاد له قال فذکر من اصناف المال ما ذکر حتی رئینا انه لا حق لاحد منا فی فضل۔(١)

"ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو تو اسے اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس ضرورت سے زائد سفر خرچہ ہو تو اسے اس شخص کو دے دے جس کے پاس سفر خرچ نہ ہو۔ راوی کہتا ہے کہ مال کی اور کئی قسموں کے بارے میں آپؐ نے اسی طرح ارشاد فرمایا یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ ہم میں سے کسی کو بھی اپنی ضرورت سے زائد چیز میں کوئی حق نہیں ہے۔"

(٥) عن عقبة بن عامر قلنا للنبی صلی الله علیه وسلم انك تبعثنا فننزل بقوم لا یقروننا فما تریٰ فیه فقال لنا ان نزلتم بقوم فامر لکم بما ینبغی للضیف فاقبلوا فان لم یفعلوا فخذوا منهم حق الضیف۔(٢)

"عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی کہ آپ ہمیں جہاد یا کسی اور کام کے لئے بھیجتے ہیں تو ہم ایسے لوگوں کے ہاں ٹھہرتے ہیں جو ہماری ضیافت نہیں کرتے تو ایسی صورت حال کے بارے میں آپ کی ہدایت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جب تم کسی قوم کے ہاں قیام کرو اور وہ تم کو مہمان کے مناسب جو کچھ

---

(١) صحیح مسلم کتاب اللقطه باب استحباب المواسات بفضول المال

(٢) صحیح بخاری کتاب المظالم باب قصاص المظلوم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دے دیں اسے قبول کر لو لیکن اگر وہ ایسا نہ کریں تو پھر ان سے مہمان کا جو حق بنتا ہے وہ لے سکتے ہو۔"

(٦) عن عبدالله بن عمر قال النبی ﷺ من احتکر الطعام اربعین لیلة فقد بریء من الله و بریء الله منه و ایما عرضة اصبح فیهم امرء جائع برئت منه ذمة الله۔(١)

"عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے چالیس دن تک لوگوں کی خوراک کی ذخیرہ اندوزی کی ہو تو وہ اللہ سے بیزار ہے اور اللہ اس سے بیزار ہے اور جس علاقے میں صبح کو کوئی شخص بھوکا اٹھا تو ایسے لوگوں سے اللہ کا ذمہ بری ہے۔"

(٧) عن علی بن ابی طالب قال قال رسول الله ﷺ ان الله فرض علی اغنیاء المسلمین فی اموالهم بقدر الذی یسع فقراء هم ولن یجهد الفقراء اذا جاعوا او عروا الا بما یصنع اغنیاء هم الا و ان الله یحاسبهم حسابا شدیدا و یعذبهم عذابا الیما۔(٢)

"حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالی نے مسلمان اغنیاء کے مالوں میں اتنی مقدار فرض کر دی ہے جس سے ان کے حاجت مندوں کی ضرورت پوری ہوتی ہو۔ فقراء کبھی بھی مشقت میں نہیں پڑتے جب کہ وہ بھوکے ہوں یا ننگے ہوں مگر ان کے اغنیاء کے جرم کی وجہ سے اس تکلیف کا شکار ہوتے ہیں۔ خبردار اللہ ان سے سخت حساب لے گا اور ان کو دردناک عذاب دے گا۔"

حضرت علیؓ کی اس روایت کو امام بیہقی نے موقوفا نقل کیا ہے یعنی اسے حضرت علی کا قول قرار دیا ہے۔(٣)

(١) مسند احمد ج٢ ص٣٣. نیل الاوطار للشوکانی ج ٥ ص ٢١٢

(٢) المعجم الصغیر للطبرانی الروض الدانی طبع بیروت ١٩٨٥ء ج١ ص٢٧٥ و مجمع الزوائد طبع ١٩٦٧ء ج٣ ص٦٢۔ الترغیب للمنذری ج١ ص٥٣٨ (٣) سنن کبری ج ٧ ص ٢٣

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لیکن طبرانی نے المعجم الصغیر میں اسے مرفوعا نقل کیا ہے یعنی یہ ارشاد رسول ہے' ان احادیث میں بھوکے کو کھانا کھلانے کا حکم دیا گیا ہے' اپنے کھانے میں بھوکے کو شریک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اپنا زائد کھانا اور زائد سواری اور دوسرے فاضل اموال حاجت مندوں کو دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ مہمان یعنی مسافر کو ضرورت کے وقت اپنی ضرورت کے مطابق کھانا زبردستی لینے کی اجازت دی گئی ہے اور بھوکوں کو کھانا کھلانے والوں کو حساب شدید اور عذاب الیم کی وعید سنائی گئی ہے۔ مذکورہ آیتوں کی طرح ان احادیث میں بھی زکوۃ و عشر کے ساتھ ان کو مخصوص کرنے کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ اس لئے ان احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت 'بقدر ضرورت اور بقدر استطاعت مسلمانوں کے اموال میں زکوۃ و عشر کے علاوہ بھی حق ہے جو بعض صورتوں میں واجب ہو جاتا ہے اور زبردستی بھی لیا جا سکتا ہے۔

## سنت خلیفہ راشد:

عام الرمادہ کی شدید قحط سالی کے موقع پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو خوراک فراہم کرنے کے لئے جو اقدامات کئے تھے وہ زیر بحث موضوع پر قول فیصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان اقدامات کا ذکر تاریخ اور طبقات کی کتابوں میں بھی ہوا ہے لیکن یہاں پر امام بخاری کی کتاب ''الادب المفرد'' کی روایت نقل کی جاتی ہے۔ جو زیادہ مستند ہے۔ محدثین سند کا زیادہ خیال رکھتے ہیں مگر مورخین بالعموم غیر محتاط ہوتے ہیں۔

ان عمر بن الخطاب قال عام الرمادة و كانت سنة شديدة ملمة بعد ما اجتهد عمرؓ فى امداد الاعراب بالابل والقمح والزيت من الارياف كلها حتى بلحت الارياف.(۱)

(۱) بلوح کے معنے ہیں تھک جانا اور کھیتوں کا خشک ہو جانا اور ارياف کے معنے ہیں زرخیز علاقے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



كلها مما جهدها ذالك فقام عمر يدعوا فقال اللهم اجعل رزقهم على رؤس الجبال فاستجاب الله له و للمسلمين فقال حين نزل به الغيث الحمد لله فو الله لو ان الله لم يفرجها ما تركت اهل بيت من المسلمين لهم سعة الا ادخلت معهم اعدادهم من الفقراء فلم يكن اثنان يهلكان من الطعام على ما يقيم واحدا۔(۱)

"حضرت عمرؓ نے عام رمادہ کی قحط سالی کے موقع پر فرمایا تھا اور یہ بڑا سخت اور درد ناک سال تھا۔ حضرت عمر نے زرخیز علاقوں سے لوٹ گندم اور زیتون کا تیل منگوا کر دیہات کے لوگوں کی مدد فرمائی تھی۔ یہاں تک کہ زرخیز علاقے اس امداد سے تنگ آگئے تھے۔ اس موقع پر حضرت عمر نے دعا کی کہ اے اللہ! ان کے لئے پہاڑوں کی چوٹیوں پر رزق مہیا فرما۔ اللہ نے ان کی اور مسلمانوں کی دعا قبول فرمائی اور بارش ہو گئی۔ اس پر حضرت عمر نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا اللہ کی قسم اگر اللہ اس مصیبت کو دور نہ فرماتا تو میں کسی بھی آسودہ حال گھرانے کو نہ چھوڑتا جب تک کہ اس گھرانے کے افراد کی تعداد کے برابر فقراء کو ان کے ساتھ شامل نہ کر دیتا۔ کیونکہ جتنا کھانا ایک آدمی کے لئے کافی ہو سکتا ہے اگر اس پر دو آدمی گزارہ کر لیں تو ان میں سے کوئی بھی بھوک سے ہلاک نہیں ہو گا۔"

ابن سعد نے طبقات کبری میں حضرت عمرؓ کا قول اس طرح نقل کیا ہے:

لو لم اجد للناس من المال ما يسعهم الا ان ادخل على كل اهل بيت عدتهم فقاسمولهم انصاف بطونهم حتى ياتي الله بحيا فعلت فانهم لن يهلكو عن انصاف بطونهم۔(۲)

---

(۱) الادب المفرد للبخاری طبع بیروت ۱۹۸۹ء باب المواسات فی السنة والمجاعة ص۱۹۸

(۲) طبقات ابن سعد طبع دار صادر بیروت ج۳ ص۳۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"اگر مجھے اتنا مال نہ ملتا جو لوگوں کی ضرورت کے لئے کافی ہوتا اور لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے اس کے سوا اور کوئی صورت نہ ہوتی کہ میں ہر گھرانے میں اس کے افراد کے برابر دوسرے افراد داخل کردوں تاکہ وہ آدھی آدھی خوراک آپس میں بانٹ کر کھائیں۔ یہاں تک کہ اللہ بارش لے آئے تو میں ایسا ہی کرتا کیونکہ لوگ آدھا پیٹ کھانے کی وجہ سے مرتے نہیں ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے یہ اقدامات مذکورہ آیات واحادیث پر عمل کرتے ہوئے کئے تھے جن میں بھوکوں کو کھانا نہ کھلانے والوں اور ترغیب بھی نہ دلانے والوں کے لئے عذاب کی وعید آئی ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے اصحاب صفہ کے کھانے کا یہی انتظام فرمایا تھا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرا ساتھ لے جائے۔ اس لئے کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے بھی کافی ہو سکتا ہے۔

حضرت عمر کے ان اقدامات پر صحابہ میں سے کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا تھا کہ زکوۃ و عشر کے علاوہ آپ لوگوں پر یہ مزید بوجھ کیوں ڈال رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ بھوک اور قحط کے وقت لوگوں کا فاضل مال زبردستی بھی لیا جا سکتا ہے۔

## ان فی المال لحقا سوی الزکوۃ:

مذکورہ دس آیات' سات احادیث اور سنت عمر فاروقؓ وہ شرعی دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اموال میں زکوۃ کے علاوہ دوسرے حقوق بھی عائد کئے جا سکتے ہیں لیکن اس بارے میں ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں صریح الفاظ آئے ہیں کہ مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

عن فاطمة بنت قيس قالت سالت او سئل النبی ﷺ عن الزكوة فقال ان فی المال لحقا سوى الزكوة ثم تلا هذه الآية فی البقرة ليس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



البر ان تولوا وجوهکم۔(الآیۃ)(۱)

"فاطمہ بنت قیسؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زکوۃ کے بارے میں پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا یقیناً مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔ پھر آپ نے سورۃ بقرۃ کی یہ آیت تلاوت فرمائی کہ لیس البر ان تولوا وجوھکم .... الآیۃ

اس آیت پر استدلال کی توجیہ کے بارے میں مفسرین کے اقوال پہلے نقل کر دیئے گئے ہیں۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ:

هذا حديث اسناده ليس بذالك و ابوحمزة ميمون الاعور يضعف و روى بيان و اسماعيل بن سالم عن الشعبى هذا الحديث قوله و هذا اصح۔

"اس حدیث کی سند اتنی قوی نہیں ہے اس لئے کہ ابو حمزہ میمون اعور کو ضعیف کہا گیا ہے اور بیان اور اسماعیل بن سالم دونوں نے اس حدیث کو شعبی (تابعی ہے) کے قول کے طور پر نقل کیا ہے اور اس کی سند زیادہ صحیح ہے۔"

یعنی جس سند کے ساتھ اسے قول رسول کے طور پر نقل کیا گیا ہے وہ سند ضعیف ہے اور جس سند کے ساتھ اسے قول شعبی کے طور پر نقل کیا گیا ہے وہ سند صحیح ہے۔ داری، شرح معانی الآثار اور بیہقی کی سندوں میں بھی ابو حمزہ آیا ہے۔ ابو حمزہ القصاب الکوفی التمار میمون الاعور کے بارے میں حافظ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں کہ:

---

(۱) ترمذی شریف کتاب الزکوۃ باب ماجاء ان فی المال لحقا سوی الزکوۃ سنن دارمی کتاب الزکوۃ باب ما یجب فی المال سوی الزکوۃ، شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ باب الخیل السائمہ هل فیها صدقة، سنن دار قطنی کتاب الزکوۃ باب زکوۃ الحلی، سنن کبری للبیهقی کتاب الزکوۃ باب الدلیل علی ان من ادی فرض الله

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قال احمد متروك الحديث۔ و قال الدار قطني ضعيف و قال ابوحاتم يكتب حديثه۔ و قال البخاری لیس بالقوی عندهم و قال النسائی لیس بثقة۔(۱)

"احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ اس حدیث کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ دار قطنی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ ابو حاتم رازی نے کہا ہے کہ اس کی حدیث لکھی جا سکتی ہے۔ بخاری نے کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ یہ ثقہ نہیں ہے۔"

یہ درست ہے کہ اکابر محدثین نے ابو حمزہ کو ضعیف کہا ہے مگر ابو حاتم رازی نے کہا ہے کہ قوی نہ ہونے کے باوجود اس کی روایت کردہ حدیثیں لکھی جا سکتی ہیں۔ ابو حاتم کے بیٹے عبد الرحمان بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی کتاب "الجرح والتعدیل" میں لکھا ہے کہ ابو حمزہ میمون الاعور کے شیوخ میں ابراہیم نخعی "سعید بن مسیب' عامر شعبی اور حسن بصری شامل ہیں۔ اور ان کے شاگردوں میں جو ان سے حدیثیں نقل کرتے تھے 'سفیان ثوری' حسن بن ابی صالح' زہیر بن معاویہ' شریک' حماد بن سلمہ' حماد بن زید اور کئی دوسرے محدثین شامل ہیں۔ اس کے بعد بعض ائمہ کی جرح نقل کی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ:

سالت ابی عن میمون ابی حمزة القصاب فقال لیس بالقوی یکتب حدیثه۔(۲)

"میں نے اپنے والد (ابو حاتم) سے میمون ابو حمزہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ قوی نہیں ہے مگر اس کی حدیث لکھی جا سکتی ہے۔"

اتنے بڑے محدثین نے جب اس سے حدیثیں نقل کی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ

---

(۱) میزان الاعتدال فی نقد الرجال ج٤ ص٢٣٤ ترجمه نمبر۸۹٦۹

(۲) کتاب الجرح والتعدیل طبع حیدر آباد دکن ۱۹۵۳ء' ج۸ ص ۲۳۵-۲۳٦

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یہ اتنا زیادہ ضعیف بھی نہیں ہے۔ امام ترمذی نے اس کی مذکورہ روایت ضعیف ہونے کے باوجود نقل کی ہے اور اس پر عنوان قائم کر کے اس سے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ضعف شدید نہیں ہے اور مفہوم و معنے کے اعتبار سے اس کی تائید مذکورہ آیات واحادیث سے بھی ہوتی ہے اور متعدد آثار صحابہ و تابعین سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

## آثار صحابہؓ و تابعینؒ:

عن قزعة ان ابن عمر قال له فی مالك حق سوی الزکوة یا قزعة۔(۱)

"قزعہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر نے اسے کہا اے قزعہ تیرے مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی لوگوں کا حق ہے۔"

ابراہیم نخعی، عامر شعبی، مجاہد بن جبر، عطا اور حسن بصری بڑے اور ممتاز تابعین ہیں ان پانچوں نے بھی فرمایا ہے کہ:

ان فی المال حقا سوی الزکوة۔(۲)

"بے شک مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔"

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ باب فی للمال حق سوی الزکوة ج۳ ص۱۹۱۔ الناسخ والمنسوخ لابی عبید طبع ریاض ۱۹۹۰ء ص۳۶ و کتاب الاموال ص۳۳۶

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ ج۳ ص۱۹۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## لیس فی المال حق سوی الزکوۃ:

سنن ابن ماجہ میں فاطمہ بنت قیس ہی کی یہ روایت بھی نقل ہوئی ہے کہ:

لیس فی المال حق سوی الزکوۃ۔(۱)

"نہیں ہے مال میں کوئی حق سوائے زکوۃ کے۔"

اس حدیث کی سند بھی وہی ہے جو ترمذی کی مذکورہ حدیث کی ہے اور اس میں بھی ابو حمزہ میمون الاعور آیا ہے جسے ضعیف کہا گیا ہے۔ امام بیہقی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم کو اس کی صحیح سند معلوم نہیں ہے۔(۲)

اس حدیث کی تائید میں حضرت علیؓ کی مندرجہ ذیل حدیث بھی پیش کی جاتی ہے:

عن علی بن ابی طالب مرفوعا نسخ الاضحی کل ذبح و رمضان کل صوم و غسل الجنابة کل غسل والزکوۃ کل صدقة۔(۳)

"حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ عید الاضحیٰ کی قربانی نے دوسری ہر قربانی کو منسوخ کر دیا ہے' رمضان کے روزوں نے دوسرے تمام روزوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ غسل جنابت نے دوسرے ہر غسل کو منسوخ کر دیا ہے اور زکوۃ نے دوسرے ہر صدقے کو منسوخ کر دیا ہے۔"

اس حدیث کو امام دار قطنی نے تین سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔ پہلی سند میں عتبہ بن یقظان آیا ہے جو متروک ہے۔ دوسری سند میں مسیب بن شریک آیا ہے یہ

(۱)سنن ابن ماجہ کتاب الزکوۃ باب ما ادی زکوۃ فلیس بکنز

(۲)سنن ج ٤ ص ٨٤

(۳)سنن دار قطنی کتاب الصید والذبائح ج ٥ ص٢٧٨ تا ٢٨١۔ سنن کبری للبیہقی ج٩ ص٢٦٢

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بھی ضعیف ہے اور تیسری سند میں مسیّب بن واضح' مسیّب بن شریک اور عتبہ بن یقظان تین ضعیف آئے ہیں۔ امام بیہقی نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔ پہلی سند میں مسیّب بن شریک آیا ہے اور دوسری سند میں مسیّب بن واضح' مسیّب بن شریک اور عتبہ بن یقظان تینوں آئے ہیں اور ابن شاہین نے اپنی کتاب "الناسخ والمنسوخ" میں جس سند کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے اس میں بھی مسیّب بن شریک آیا ہے' جو قوی نہیں ہے۔

اسانید کی اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کا مدار تین راویوں پر ہے' مسیّب بن واضح' مسیّب بن شریک اور عتبہ بن یقظان اور یہ تینوں ضعیف ہیں' تفصیل یہ ہے۔

## مسیّب بن واضح الحمصی متوفی ۲۴۶ھ:

قال عبدالرحمٰن سئل ابی عنه فقال صدوق کان یخطئی کثیرا۔(۱)

"عبدالرحمان بن ابی حاتم نے کہا ہے کہ میرے والد (ابو حاتم رازی) سے مسیّب بن واضح کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ سچ بولنے والا تو تھا مگر غلطیاں بہت کرتا تھا۔"

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام نسائی کی رائے تو اس کے بارے میں اچھی تھی مگر امام دارقطنی نے اپنی سنن کے متعدد مقامات پر اسے ضعیف کہا ہے۔(۲)

(۱)الجرح والتعدیل ج۸ ص ۲۹٤

(۲)میزان الاعتدال ج ٤ ص۱۱٦۔۱۱۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## مسیب بن شریک ابو سعید التیمی متوفی ۱۸۰ھ:

قال احمد بن حنبل المسيب بن شريك من اهل خراسان ترك الناس حديثه و قال يحى بن معين لا شيئى قال عبدالرحمان سالت ابى عن المسيب بن شريك فقال ضعيف الحديث كانه متروك.(١)

"احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ مسیب بن شریک خراسان والوں میں سے تھے اور لوگوں نے اس سے حدیث سننا چھوڑ دیا تھا۔ یحی بن معین کہتے ہیں کہ یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ عبدالرحمان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ابو حاتم سے پوچھا تو اس نے کہا کہ ضعیف ہے گویا متروک ہے۔"

امام بخاری نے کہا ہے کہ سکتو عنہ مات ۱۸۰ھ یعنی محدثین نے اس کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے کوئی جرح و تعدیل نہیں کی۔"(٢)

یہ چھٹے طبقے کے راوی ہیں ان کی ملاقات کسی صحابی سے تو نہیں ہوئی مگر یہ صحابہ کے دور اخیر میں زندہ تھے۔ ان کے بارے میں ابن ابی حاتم لکھتے ہیں:

سمعت على بن الحسين بن الجنيد يقول لا يساوى شيئا.(٣)

"میں نے علی بن حسین بن جنید سے سنا کہ یہ کسی چیز کے بھی برابر نہیں ہیں۔"

ابن حجر لکھتے ہیں:

عتبة بن يقظان الراسبى البصرى ابوحزار من السادسة قال النسائى غير ثقة قال على بن جنيد لا يساوى شيئا و ذكره ابن حبان فى الثقات.(٤)

---

(١)الجرح والتعديل لابن ابى حاتم ج ٨ ص ٢٩٤ و هكذا فى الميزان ج٤ ص١١٤

(٢)التاريخ الكبير للبخارى ج ٧ ص٤٠٨. (٤٠١)

(٣)الجرح والتعديل ج ٦ ص٣٧٤ (٤)تهذيب التهذيب ج ٧ ص١٠٤

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"عتبہ بن یقظان چھٹے طبقے کے راوی ہیں۔ امام نسائی نے اسے غیر ثقہ کہا ہے۔ علی بن جنید نے کہا ہے کہ یہ کسی چیز کے بھی برابر نہیں ہیں۔ لیکن ابن حبان نے انہیں ثقہ راویوں کی فہرست میں شامل کیا ہے۔"

ان تینوں کو اکثر ائمہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور علامہ ذہبی نے میزان میں مذکورہ حدیث کو منکر احادیث میں شامل کیا ہے۔"(۱)

علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔(۲)

مذکورہ اسنادی تحقیق سے معلوم ہوا کہ فاطمہ بنت قیس کی حدیث لیس فی المال حق سوی الزکوۃ اور حضرت علی کی حدیث نسخت الزکوۃ کل صدقۃ تو دونوں ضعیف الاسناد ہیں لیکن مفہوم کے اعتبار سے یہ قابل قبول ہیں اس لئے کہ یہ مضمون دوسرے صحابہ سے بھی مروی ہے مثلا:

عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال اذا ادیت زکوة مالك فقد قضیت ما علیك.(۳)

"ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تو اپنے مال کی زکوۃ کو ادا کر دے تو تو نے وہ حق ادا کر دیا جو تم پر واجب تھا۔"

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ "ابن عبد البر نے اگرچہ اس کی سند پر کچھ اعتراض کیا ہے مگر ہمارے شیخ زین الدین عراقی نے ترمذی کی شرح میں اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔"(٤)

---

(۱)میزان الاعتدال ج ٤ ص ۱۱۵

(۲)التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی ج ٤ ص۲۷۸ تا ۲۸۱

(۳)سنن ترمذی کتاب الزکوة باب اذا ادیت الزکوة فقد قضیت ما علیکم. سنن ابن ماجه باب ما ادی زکوته لیس بکنز

(٤)فتح الباری شرح البخاری طبع مصطفی البابی مصر ج ٤ ص ١٤

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امام ترمذی نے بھی اس کی سند کو حسن کہا ہے اس لئے یہ حدیث قابل قبول ہے۔
اس کی تائید میں بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث بھی موجود ہے کہ ایک شخص (ضمام بن ثعلبہ) کو رسول اللہؐ نے زکوۃ دینے کا حکم دیا تو اس نے کہا:

**هل علي غيرها قال لا الا ان تطوع.(۱)**

"کیا مجھ پر اس کے علاوہ کچھ ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تو نفلی صدقہ دے۔"

## تطبیق بین الروایات

گزشتہ صفحات میں ذکر کردہ بعض آیات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ زکوۃ و عشر کے علاوہ بھی مسلمانوں کے مالوں میں حق ہے اور بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ زکوۃ کے علاوہ مال میں کوئی اور حق واجب نہیں ہے۔ انہی کی احادیث میں اگرچہ بعض سنداً ضعیف ہیں لیکن ان کی تائید میں صحیح احادیث بھی موجود ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ احادیث رسول میں تناقض اور تعارض تو نہیں ہو سکتا اس لئے ان بظاہر متعارض احادیث کے درمیان تطبیق اور موافقت معلوم کرنا ضروری ہے جو یہ ہے کہ:

"مسلمانوں کے اموال میں حقوق مقدرہ راتبہ زکوۃ و عشر کے علاوہ واجب نہیں ہیں مگر حقوق غیر مقدرہ غیر راتبہ ایسے بھی ہیں جو بعض اوقات واجب ہو جاتے ہیں۔"

مشہور مفسر قرآن ابن حیان اندلسی ۷۵۴ھ نے لکھا ہے کہ:

**فاما ما روی عن علی ان الزکوة نسخت کل حق فیحمل علی الحقوق المقدرة و اما ما لا یکون مقدرا فغیر منسوخ بدلیل و جوب**

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الایمان باب الزکوة من الاسلام و مسلم فی الایمان باب رقم ۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



التصدق عند الضرورة كالنفقة على الاقارب و على المملوك و ذالك كله غير مقدر.(۱)

”حضرت علیؓ سے جو یہ روایت مروی ہے کہ زکوۃ نے ہر دوسرے حق کو منسوخ کر دیا ہے۔ اسے حقوق مقدرہ پر محمول کیا جاسکتا ہے اور جو حقوق مقدر نہیں ہیں وہ منسوخ نہیں ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ ضرورت کے وقت صدقہ دینا واجب ہوتا ہے اور رشتہ دار اور غلام کا خرچہ دینا بھی واجب ہے، مگر یہ سب مقدر نہیں ہیں۔“

اس کی تشریح یہ ہے کہ زکوۃ و عشر اور دوسرے حقوق واجبہ کی مقدار متعین ہے اور ان کا ادا کرنا ہمیشہ کے لئے واجب ہے جس طرح نماز ایک دائمی بدنی عبادت ہے جس کی رکعات متعین ہیں۔ اسی طرح زکوۃ ایک دائمی مالی عبادت ہے جو کبھی بھی ساقط نہیں ہو سکتی اس کی مقدار بھی متعین ہے۔ جس میں رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے حقوق مقدرہ راتبہ تو زکوۃ کے علاوہ واجب نہیں کئے جاسکتے۔ مگر کچھ حقوق ایسے ہیں جو مستقل طور پر تو واجب نہیں ہیں اور ان کی مقدار بھی متعین نہیں ہے لیکن ضرورت کے وقت بقدر ضرورت واجب ہو جاتے ہیں اور ضرورت پوری ہونے پر ان کا وجوب بھی ختم ہو جاتا ہے، مثلاً رشتہ داروں کا خرچہ، محتاجوں اور وسائل سے محروم لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا، جہاد فنڈ میں مال دینا اور عوام کی حاجت کے لئے ٹیکس لگانا یہ وہ حقوق ہیں جو مسلمانوں کی مجلس شوری کے فیصلے سے یا عدالتوں کے فیصلے سے بقدر ضرورت عائد کئے جاسکتے ہیں اور ضرورت ختم ہونے پر ساقط ہو جاتے ہیں۔ حافظ مناوی متوفی ۱۰۳۰ھ نے بھی جامع صغیر کی شرح فیض القدیر میں یہی تطبیق کی ہے۔

(۱) البحر المحيط طبع دار الفكر ۱۹۸۳ء ص ۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# فقہاء اسلام کے اقوال

شرعی احکام میں اصل دلیل تو صرف قرآن و سنت ہے لیکن قرآن و سنت اور سنت خلفاء راشدین پر مبنی فقہاء اسلام کے اقوال پیش کرنا بھی افادیت سے خالی نہیں ہے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یہ مقالہ نگار کا اپنا ذاتی اجتہاد ہے حالانکہ یہ مقالہ نگار بیچارہ تو اجتہادی ملکہ سے عاری ہے۔ یہ تو صرف اسلاف کے استدلال اور اقوال کا خوشہ چین ہے اور کچھ نہیں ہے۔

## امام جصاص حنفیؒ متوفی ۳۷۰ھ:

و جائز ان یرید بقوله فی المال حق سوی الزکوة ما یلزم من صلة الرحم بالانفاق علی ذوی الارحام الفقراء و یحکم به الحاکم علیه لوالدیه و ذوی محارمه اذا کانوا فقراء عاجزین عن الکسب وجائز یرید به ما یلزمه من طعام الجائع المضطر۔(۱)

”ہو سکتا ہے کہ زکوۃ کے علاوہ مال میں حق سے مراد صلہ رحمی ہو جو ان ذی رحم رشتہ داروں پر خرچ کرنے سے کی جاتی ہے جو حاجت مند ہوں' اور کمانے سے عاجز ہوں' والدین اور دوسرے محارم کے اس خرچے کی مقدار کا تعین حاکم کرے گا اور اس کی ادائیگی کا حکم دے گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے جان بلب (مضطر) بھوکے کو کھانا کھلانا مراد ہو' جو واجب ہے۔“

---

(۱)احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص۱۶۲۔ بقرہ اور ج ٤ ص۳۰۱ البراءۃ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## قاضی ابن العربیؒ متوفی ۵۴۳ھ اور امام قرطبیؒ متوفی ۶۷۱ھ:

اذا نزلت بالمسلمين حاجة بعد اداء الزكوة فيجب صرف المال اليها باتفاق من العلماء۔(۱)

"جب مسلمانوں پر کوئی حاجت آپڑے 'زکوۃ ادا کردینے کے بعد' تو اس حاجت کو پورا کرنے کے لئے مزید مال خرچ کرنا علماء کے متفقہ فیصلے کے مطابق واجب ہے۔"

## امام غزالیؒ متوفی ۵۰۵ھ:

اذا اصاب المسلمين قحط او جدب و اشرف على الهلاك جمع فعلى الاغنياء سد مجاعتهم و يكون فرضا على الكفاية۔(۲)

"جب مسلمانوں پر قحط سالی اور خشک سالی آجائے اور لوگوں کا ایک گروہ مرنے کے قریب پہنچ جائے تو ایسی صورت حال میں مسلمانوں کے اغنیاء پر ان لوگوں کی بھوک مٹانے کی حد تک مال خرچ کرنا فرض کفایہ ہے۔"

## امام فخر الدین رازیؒ متوفی ۶۰۶ھ:

لا خلاف انه اذا انتهت الحاجة الى الضرورة وجب على الناس ان يعطوا مقدار دفع الضرورة و ان لم تكن الزكوة واجبة عليهم ولو امتنعوا من الاعطاء جاز الاخذ منهم قهرا .... اجمعت الامت على انه اذا حضر المضطر فانه يجب ان يدفع اليه ما يدفع الضرورة و ان كان

---

(۱) احكام القرآن لابن العربی ج ۱ ص ۸۸۔ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۲ ص ۱۶۲۔

(۲) شفاء الغليل للغزالی ص ۲۴۳ بحوالہ الملکیۃ فی الشریعۃ از ڈاکٹر عبدالسلام العبادی ج ۳ ص ۸۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قدادی الزکوة بالکمال.(۱)

"اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب حاجت ضرورت کی حد تک پہنچ گئی ہو تو لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کی حد تک مال دینا واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ زکوۃ ان پر واجب نہ ہو۔ اور اگر لوگ دینے سے انکار کریں تو حکومت کے لئے زبردستی لینا بھی جائز ہے' امت کا اس پر اجماع ہے کہ جب تک کوئی مضطر شخص (قریب الموت) موجود ہو تو اس کی ضرورت پوری کرنے کی حد تک اسے مال دینا واجب ہے' اگرچہ زکوۃ ادا کر دی گئی ہو۔"

## عبداللہ بن محمود بن مودود حنفیؒ متوفی ۶۸۳ھ:

و من اشتد جوعه حتى عجز عن طلب القوت ففرض على كل من علمه ان يطعمه او يدل عليه من يطعمه صونا له عن الهلاك فان امتنعوا من ذالك حتى مات اشتركوا فى الاثم.(۲)

"جو شخص شدید بھوک میں مبتلا ہو' اور رزق کی طلب سے بھی عاجز ہو تو جس شخص کو اس کی حالت کا علم ہو اس پر اسے کھانا کھلانا واجب ہے یا کسی اور کو اسے کھانا کھلانے کی رہنمائی کرنا واجب ہے تاکہ وہ ہلاکت سے بچ سکے۔ اگر سب لوگوں نے اس فرض کی ادائیگی سے انکار کر لیا حتی کہ وہ شخص مر گیا تو گناہ میں سب لوگ شریک ہوں گے۔"

(۱) مفاتیح الغیب' تفسیر کبیر للرازی ج ۵ ص ٤٤۔٤٥

(۲) الاختیار لتعلیل المختار. طبع استنبول ۱۹۷۸ء ج ٤ ص ۱۷۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## علامہ ابن حیان اندلسیؒ متوفی ۷۵۴ھ:

کوجوب التصدق عند الضرورة.(۱)

”جیسے ضرورت کے وقت صدقہ دینے کا واجب ہو جانا۔“

## علامہ رملی شافعیؒ:

و دفع ضرر المسلمین او اهل الذمة ككسوة عار ما يستر عورته او يقى بدنه مما يضره و اطعام جائع اذا لم يندفع ذالك الضرر بزكوة و سهم المصالح من بيت المال لعدم شيئى فيه او لمنع متوليه و لو ظالما .....و منه يوخذ انه لو سئل قادر فى دفع ضرر لم يجز له الامتناع و ان كان هناك قادر آخر.(۲)

”مسلمانوں اور ذمیوں کی تکالیف رفع کرنا بھی فرض کفایہ ہے۔ مثلاً ننگے کو کپڑے دینا، جس سے وہ ستر عورت کر سکے اور گرمی سردی کے مضر اثرات سے اپنے آپ کو بچا سکے۔ اور بھوکے کو کھانا کھلانا، جب کہ یہ ضرورتیں اور تکلیفیں زکوۃ کے مال سے اور بیت المال کی مصالح عامہ کی مد سے رفع نہ ہو سکتی ہوں یا اس وجہ سے کہ بیت المال خالی ہے یا اس وجہ سے کہ بیت المال کا منتظم دیتا نہ ہو اگرچہ وہ ایسا ظلماً کر رہا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس تکلیف کو رفع کرنے کی قدرت رکھنے والے کسی شخص سے سوال کیا گیا تو اس کے لئے ایسی صورت میں انکار کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ وہاں پر قدرت رکھنے والا دوسرا شخص بھی موجود ہو۔“

---

(۱) البحر المحيط لابن حيان طبع بيروت ۱۹۸۳، ج ٤ ص ۱۷۵

(۲) نهاية المحتاج للرملى ج ۸ ص ٤٦ كتاب الجهاد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## علامہ آلوسیؒ بغدادی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ:

علامہ آلوسیؒ نے امام رازی کی مذکورہ عبارت لفظاً نقل کی ہے اور اس کی تردید نہیں کی۔(۱)

قرآن و سنت کی مذکورہ نصوص اور فقہاء اسلام کی مندرجہ بالا تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ بھوکوں اور حاجت مندوں کی ضروریات پوری کرنا اغنیاء پر واجب ہے' اگرچہ انہوں نے زکوۃ دے دی ہو' اس سے یہ کلیہ تو ٹوٹ جاتا ہے کہ مسلمانوں پر زکوۃ و عشر کے علاوہ مزید مالی حق واجب نہیں ہے' جیسا کہ درخواست گزار نے کہا ہے۔

## (۲) جہاد بالمال:

قرآن کریم میں جہاد بالمال کا حکم جہاد بالنفس سے پہلے دیا گیا ہے جس طرح کہ نماز پڑھنے سے جہاد بالنفس کا فرض ساقط نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جہاد بالنفس ادا کرنے سے جہاد بالمال بھی ساقط نہیں ہو جاتا۔ اگر جہاد و دفاع کے اخراجات زکوۃ و عشر سے پورے نہیں ہو سکتے اور مالی وسائل کی کمی کی وجہ سے ملک کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے تو اس صورت میں بقدر ضرورت اور بقدر استطاعت زکوۃ و عشر کے علاوہ مال دینا واجب ہو جاتا ہے اور اگر مسلمانوں کے اغنیاء رضاکارانہ طور پر مال نہ دیتے ہوں تو حکومت زبردستی بھی وصول کر سکتی ہے۔ جہاد بالمال سے متعلق چند آیات و احادیث ملاحظہ کیجئے۔

---

(۱) روح المعانی طبع بیروت ۱۹۸۵ء ج ۲ ص ۴۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## آیات قرآن:

۱۔ وانفقوا فی سبیل الله ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکة۔ (البقرہ۱۹۵)

"اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔"

ابن کثیر اور قرطبی دونوں نے اس آیت کے شان نزول میں جو روایات نقل کی ہیں' ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے مراد جہاد بالمال کا ترک کرنا ہے کہ جب دشمنان اسلام کے مقابلے میں لڑنا بھی چھوڑ دیا جائے اور دفاعی ضروریات پوری کرنے کے لئے مال دینا بھی چھوڑ دیا جائے تو دشمن غالب آجائے گا اور مسلمان ہلاکت میں پڑ جائیں گے۔(۱)

۲۔ و جاھدوا باموالکم و انفسکم فی سبیل الله۔ (التوبہ۴۱)

"اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔"

۳۔ انما المؤمنون الذین آمنوابالله و رسوله ثم لم یرتابوا و جاھدوا باموالھم و انفسھم فی سبیل الله اولئك ھم الصادقون۔ (الحجرات۱۵)

"بے شک مومن تو وہی ہیں جو ایمان لائے ہوں اللہ پر اور رسول پر' پھر شک میں نہ پڑے ہوں' اور جہاد کرتے ہوں اپنے مالوں سے اپنی جانوں سے' اللہ کی راہ میں' یہی لوگ سچے مومن ہیں۔"

۴۔ تؤمنون بالله و رسوله و تجاھدون فی سبیل الله باموالکم و انفسکم ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ (الصف۱۱)

---

(۱)تفسیر ابن کثیر اور تفسیر قرطبی سورہ بقرہ۱۹۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"ایمان لاؤ گے تم اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور جہاد کرو گے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے' یہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر جانتے ہو تم۔"

ان آیتوں میں جہاد بالمال کا حکم دیا گیا ہے' اسے ایمان کی نشانی قرار دیا گیا ہے اور جہاد بالمال نہ کرنے والوں کو ہلاکت کی خبر دی گئی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ کوئی مستحب کام نہیں ہے بلکہ واجبات شرعیہ اور مقتضیات ایمانیہ میں سے ہے۔ ان آیتوں میں صرف زکوۃ کا حکم نہیں دیا گیا ہے' بلکہ عمومی الفاظ میں غلبہ دین اور دار الاسلام کے دفاع کے لئے مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس لئے حکومت کو یہ حق حاصل ہے بلکہ یہ اس کا فرض ہے کہ اگر اغنیاء رضاکارانہ طور پر اس اعلیٰ مقصد کے لئے اپنا حصہ ادا نہ کرتے ہوں تو ضرورت کے مطابق ان سے زبردستی وصول کر کے جہاد میں خرچ کرے۔

## احادیث رسولؐ:

۱۔ عن ابی ذر قال رسول اللہ ﷺ رفع (خبأ) دینارا اوز درهما او تبرا فضة لا یرفعها یعدها لغریم ولا ینفقها فی سبیل اللہ فهو کنز یکوی به یوم القیامة۔(۱)

"ابوذر غفاری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس نے اٹھا رکھا ہو (ذخیرہ کر رکھا ہو) ایک روپیہ ایک اشرفی یا سونے کا ایک ٹکڑا یا چاندی کا ایک ٹکڑا' جو اس نے قرض خواہ کو دینے کے لئے بھی تیار نہ رکھا ہو۔ اور یہ اسے اللہ کی راہ میں (جہاد میں) بھی خرچ نہ کرتا ہو تو یہ خزانہ ہے (کنز) جس سے وہ قیامت کے روز داغا جائے گا۔"

(۱) کتاب الجهاد لابن ابی عاصم ج ۱ ص ۲۷۸ مصنف ابن ابی شیبه ج ۳ ص ۲۱۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۲۔ عن ابی امامة قال النبی ﷺ من لم یغز او یجهز غازیا او یخلف غازیا فی اهله بخیر اصابه الله بقارعة قبل یوم القیامة۔(۱)

"ابوامامہ باہلی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس مسلمان نے نہ تو خود کفار کے مقابلے میں لڑائی لڑی ہو' نہ غازی کو سامان جہاد دیا ہو' اور نہ غازی کے اہل خانہ کی اچھی خبر گیری کی ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر قیامت سے پہلے ہی کوئی آفت نازل فرمادے گا۔"

## سنت اصحاب رسولؐ:

صحابہ کرام کا جذبہ جہاد و انفاق بہت زیادہ تھا اس لئے ضرورت کے وقت زبردستی وصول کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی' بلکہ رسول اللہ ﷺ کا معمولی سا اشارہ بھی ان کے لئے کافی ہوتا تھا۔

رجب ۹ ھ میں غزوہ تبوک کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطاب عام میں بر سر منبر جہاد بالمال کی ترغیب دلائی تو عثمانؓ نے اٹھ کر فرمایا:

۱۔ علی بماۃ باحلاسها و اقتابها ثم حث فقال عثمان علی بماۃ اخری باحلاسها و اقتابها ثم نزل مرقاۃ من المنبر ثم حث فقال عثمان علی بماۃ اخری باحلاسها و اقتابها قال فرئیت رسول الله ﷺ یقول بیده هکذا کالمتعجب و ما علی عثمان ما عمل بعد هذا۔(۲)

"سو اونٹ میرے ذمے ہیں' ان کی پیٹھوں کے کمبلوں اور کجاووں کے ساتھ۔ رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ ترغیب دلائی۔ تو عثمانؓ نے دوبارہ اٹھ کر کہا میرے ذمے سو

(۱)ابوداؤد فی الجهاد باب کراهیة ترک الغزو

(۲)ترمذی کتاب المناقب باب مناقب عثمان۔ تاریخ کبیر للبخاری ج۱۰۳ ص۱۴۶۔ کتاب الجهاد لابن ابی عاصم طبع مدینه ج۱ ص۲۶۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اونٹ اور ہیں' ان کے کمبلوں اور کجاووں کے ساتھ' اس کے بعد آپ منبر کی نچلی سیڑھی پر اترے اور مزید امداد کرنے کی ترغیب دلائی۔ حضرت عثمانؓ نے تیسری بات کہا کہ سو اونٹ مزید میرے ذمے ہیں' ان کے کمبلوں اور کجاووں کے ساتھ۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تعجب کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے دیکھا جو فرمارہے تھے کہ اس کے بعد اگر عثمان اور کچھ بھی نیکی (نفلی) نہ کرے تو اس کے لئے آج کی نیکی ہی کافی ہے۔"

۲۔ عن عبدالرحمان بن سمرة قال رئيت عثمان جاء بالف دينار فصبها في حجر النبي ﷺ حين جهز جيش الغسرة قال فرئيت النبي ﷺ يدخل يده فيها و يقلبها و يقول ما ضر عثمان ما عمل بعد هذا اليوم ما ضر ابن عفان ما عمل بعد هذا اليوم۔(۱)

"عبدالرحمان بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں غزوہ تبوک پر جانے کے موقع پر عثمان بن عفان کو دیکھا کہ ایک ہزار دینار لے کر آئے اور رسول اللہ ﷺ کی جھولی میں ڈال دیئے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے ان اشرفیوں میں ہاتھ مبارک ڈالا اور ان کو الٹتے ہوئے فرمایا اگر عفان کا یہ بیٹا اس کے بعد اور کچھ بھی نیکی (نفلی) نہ کرے تو اس کے لئے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ یہ بات آپ نے دو مرتبہ فرمائی۔"

مذکورہ دو مرفوع حدیثوں میں جہاد بالمال کی ترغیب ہی نہیں دی گئی بلکہ جہاد میں مال خرچ نہ کرنے والوں کو اخروی اور دنیوی عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد فنڈ میں حسب استطاعت مال دینا ضرورت کے وقت واجب ہے۔

غزوہ تبوک کے موقع پر ابوبکرؓ' عمرؓ اور دیگر صحابہ نے اپنی استطاعت کے مطابق

(۱) ترمذی کتاب المناقب باب مناقب عثمان مسند احمد ج ۵ ص ۶۳ کتاب الجهاد لابن ابی عاصم ج ۱ ص ۲۷۲ حدیث نمبر ۸۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جہاد فنڈ میں مال دیا تھا مگر عثمان نے سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔ ایسے ہنگامی موقع پر زبردستی بھی مال لیا جاسکتا ہے مگر صحابہ کرام کے لئے تو رسول اللہ ﷺ کی ترغیب ہی کافی تھی، زبردستی کی ضرورت نہیں تھی۔

## حافظ ابن قیم متوفی ۷۵۱ھ:

انہی مذکورہ دلائل کی بنا پر لکھتے ہیں:

و منها وجوب الجهاد بالمال كما يجب بالنفس وهذا احدى الروايتين عند احمد و هى الصواب الذى لا ريب فيه فان الامر بالجهاد بالمال شقيق الامر بالجهاد بالنفس فى القرآن و قرينه بل جاء مقدما على الجهاد بالنفس فى القرآن الا موضعا واحدا و هذا يدل على ان الجهاد به اهم واكد من الجهاد بالنفس ولا ريب انه احدى الجهادين، قال النبى ﷺ من جهز غازيا فقد غزى (بخارى و مسلم) فيجب على القادر عليه كما يجب على القادر بالبدن۔(۱)

"جہاد بالمال اسی طرح واجب ہے جس طرح کہ جہاد بالنفس واجب ہے۔ امام احمد کی ایک روایت بھی اسی طرح آئی ہے اور یہی وہ صحیح رائے ہے جس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں جہاد بالمال کا ذکر جہاد بالنفس کے ساتھ ہوا ہے بلکہ سوائے ایک جگہ کے، ہر جگہ جہاد بالمال کا ذکر جہاد بالنفس سے پہلے ہوا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جہاد بالمال جہاد بالنفس سے زیادہ اہم ہے۔ اور اس کی تاکید بھی زیادہ کی گئی ہے بلا شبہ یہ جہاد کی دو قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے غازی کو سامان جہاد فراہم کیا ہو تو اس نے بھی جہاد کیا ہے۔

---

(۱) زاد المعاد طبع بیروت ۱۹۸۷ء ج ٤ ص ٥٥٨

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



(بخاری و مسلم) تو قدرت واستطاعت رکھنے والے پر جہاد بالمال اسی طرح واجب ہے جس طرح کہ قدرت رکھنے والے پر جہاد بالبدن واجب ہے۔"

## ۳۔ نفقۃ الاقارب:

فقہاء اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان اقارب کا نفقہ واجب ہے جو محارم ہوں مثلاً باپ، دادا، ماں، نانا، نانی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی، بھائی، بہن، چچا، پھوپی" ماموں، خالہ اور دوسرے وہ رشتہ دار جن کے ساتھ نکاح حرام ہو۔ غیر محارم کے نفقے کے وجوب پر تو اجماع نہیں ہے لیکن محارم کے بارے میں اجماع ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ متعدد آیتوں میں ذوی القربٰی کے ساتھ احسان کا حکم دیا گیا ہے۔ اس مضمون کی آیتوں کا حوالہ پہلے دیا جاچکا ہے۔ اسی طرح احادیث صحیحہ میں ذوی القربٰی پر خرچ کرنے کے احکام آئے ہیں۔ اگر یہ کلیہ صحیح ہوتا کہ زکوۃ کے علاوہ کچھ بھی واجب نہیں ہے تو پھر اقارب کا نفقہ کیسے واجب کیا گیا ہے؟ اس لئے کہ یہ نفقہ ان لوگوں پر بھی واجب ہے جن پر زکوۃ واجب ہی نہ ہو یا انہوں نے ادا کر دی ہو۔ اور والدین اور اولاد پر تو حنفیہ کے نزدیک زکوۃ صرف ہی نہیں کی جاسکتی۔

نفقۃ الاقارب کی تفصیلی جزئیات بیان کرنا اس مقالے کا مضمون نہیں ہے اور یہ مسئلہ معروف بھی ہے اس لئے تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ مسلمانوں کے اموال میں زکوۃ و عشر اور دیگر صدقات واجبہ کے علاوہ مالی حقوق، واجب ہونے کے ثبوت میں شرعی دلائل کے ساتھ تین مثالیں بیان کر دی گئی ہیں جن کی بنا پر درخواست گزار کا یہ کلیہ ٹوٹ گیا ہے کہ زکوۃ کے علاوہ مسلمانوں پر کچھ واجب نہیں ہے اور اس کلیئے کی بنا پر ٹیکس عائد کرنے کے مطلقاً عدم جواز کا دعوی بھی ٹوٹ گیا ہے۔

مذکورہ تین مثالوں کا خلاصہ یہ ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۱۔ حاجت مندوں اور وسائل سے محروم لوگوں کی بنیادی ضرورت پوری کرنے کے لئے زکوۃ کے علاوہ بھی حق واجب ہے۔

۲۔ جہاد ودفاع کے لئے بوقت ضرورت زکوۃ کے علاوہ بھی مال دیناواجب ہے۔

۳۔ محارم کا نفقہ ادا کرنا واجب ہے اگرچہ زکوۃ واجب نہ ہو یا ادا کر دی گئی ہو۔

## ٹیکس عائد کرنا مصالح مرسلہ میں شامل ہے

یہ بات تو مذکورہ دلائل سے ثابت ہو چکی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں زکوۃ و عشر کے علاوہ کسی اور مالی حق کا نہ صرف یہ کہ تصور موجود ہے بلکہ بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت یہ مزید مالی حق عائد بھی کیا جا سکتا ہے۔ اب اس سوال کا جواب عرض کیا جاتا ہے کہ "کیا قرون اولی میں زکوۃ و عشر کی علاوہ کسی اور ٹیکس کی مثال ملتی ہے ؟"

درخواست گزار نے خود لکھا ہے کہ "جب کوئی ہنگامی ضرورت سامنے آجاتی تو عام مسلمانوں کو اس سے آگاہ کر دیا جاتا اور مسلمان اسلامی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اپنا سب کچھ پیش کر دیتے تھے۔" جب مسلمانوں کا جذبہ انفاق ایسا تھا تو قانونی ٹیکس کی کیا ضرورت تھی ؟ جب کہ اس دور میں مال فیئی، خمس غنیمت اور جزیہ و خراج کی مدات سے کافی آمدن ہوتی تھی اور اس وقت حکومت کے اخراجات بھی اتنے زیادہ نہیں تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ دور حاضر کی طرح ٹیکس لگانے کی قرون اولی میں کوئی مثال نہیں ملتی لیکن اس کے عدم جواز اور ممانعت کی بھی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ ایسے امور کو "مصالح مرسلہ" کہا جاتا ہے، جو نصوص اور اجماع کی غیر موجودگی میں قانون سازی کا ایک ماخذ ہے۔ ٹیکس عائد کرنا یا ٹیکس ساقط کرنا دونوں مصالح مرسلہ میں شامل ہیں۔

مشہور حنفی فقیہ ابن امیر الحاج نے مصالح مرسلہ کی تعریف اس طرح کی ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



والمصالح المرسلة هي التي لا تشهد لها اصل بالاعتبار في الشرع ولا بالالغاء و ان كانت على سنن المصالح و تلقتها العقول بالقبول.(۱)

"مصالح مرسلہ وہ ہیں جن کے ابطال کے لئے بھی کوئی شرعی شہادت موجود نہ ہو' اور جن کے لغو ہونے کے لئے بھی کوئی شرعی شہادت موجود نہ ہو' اگرچہ وہ مصالح کے اصول کے مطابق ہوں اور جنہیں انسانی عقول تسلیم کرتی ہوں۔"

عوام کی سہولت کے لئے سڑکیں بنانا' ڈیم بنانا' نہریں بنانا' ہسپتال بنانا' اسلامی اور سائنسی تعلیمی ادارے بنانا' پولیس کا نظام قائم کرنا' حکومت کی پوری مشینری قائم کرنا' دفاع کے لئے منظم اور مسلح فوج تیار رکھنا۔ یہ سارے وہ کام ہیں جو مصالح مرسلہ یعنی مفاد عامہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان مصالح کو پورا کرنے کے لئے معاشرے کے دولت مندوں پر بقدر ضرورت ٹیکس لگانا انہی مصالح کی بنیاد پر جائز ہے اور یہی عمومی مصلحت اس کے جواز کی دلیل ہے۔ قرون اولیٰ میں اس کی مثالیں تلاش کرنے کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے۔ اسلامی حکومت اپنی مجلس شوریٰ کے فیصلوں کے مطابق ہر وہ کام کر سکتی ہے اور ہر وہ حکم دے سکتی ہے جو عوام کے مفاد میں ہو۔ بشرطیکہ قرآن و سنت کی نصوص اور اجماع کے خلاف نہ ہو' اور اس حکم کی تعمیل مسلمانوں پر واجب ہوتی ہے۔

## الغرم بالغنم

ٹیکس لگانے کی ایک دلیل یہ فقہی قاعدہ بھی ہے کہ الغرم بالغنم۔(۲)

"خرچہ اور تاوان برداشت کرنا فائدہ اٹھانے کے بدلے میں ضروری ہے۔"

(۱) التقرير والتجير على تحرير الاصول طبع بولاق ۱۳۱۶ھ ج ۳ ص ۲۸۶

(۲) شرح ادب القاضي للخصاف المتوفى ۲۶۱ھ ج ۳ ص ۱۶۳.۱۶۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی جو کسی چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ اس کا خرچہ بھی برداشت کرے۔

یہ فقہی قاعدہ دراصل اس حدیث سے ماخوذ ہے کہ الخراج بالضمان۔(۱)

"فائدہ اٹھانا اور آمدن حاصل کرنا نقصان کی ذمہ داری کے بدلے میں ہے۔"

یعنی جو شخص کسی چیز کے نقصان کا ذمہ دار ہوتا ہے تو اس چیز سے فائدہ اٹھانا بھی اسی کا حق ہے' اس کا مفہوم مخالف یہی ہے کہ الغرم بالغنم یعنی خرچہ وہی برداشت کرے گا جو فائدہ اٹھاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

و من القواعد المبنية عليها كثير من الاحكام ان الغرم بالغنم واصله ما قضى النبى ﷺ ان الخراج بالضمان.(۲)

"ان قواعد میں سے جن پر بہت سے احکام مبنی ہیں ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جو فائدہ اٹھاتا ہے تاوان اور نقصان بھی وہی برداشت کرے۔اس قاعدے کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کا یہ فیصلہ ہے کہ فائدہ اٹھانا نقصان کی ذمہ داری کے بدلے میں ہے۔"

جب عوام اپنی حکومتوں سے سہولتیں مانگتے ہیں اور فراہم کردہ سہولتوں سے فائدہ بھی اٹھاتے ہیں تو مذکورہ قاعدے کی رو سے ان کو سہولتوں کا خرچہ بھی برداشت کرنا چاہیے۔ حکومت تو دراصل وکیل اور خادم کا کردار ادا کرتی ہے کہ عوام سے ٹیکس وصول کر کے واپس انہی پر خرچ کرتی ہے' یعنی یہ اپنی مدد آپ کا ایک منظم اور اجتماعی طریقہ ہے۔ عوام ٹیکس کے ذریعے خود اپنا مال اپنی سہولیات اور ضروریات پر خرچ کرتے ہیں۔ حکومت تو صرف ایک واسطے اور وکیل کا فرض انجام دیتی ہے۔

ظاہر بات ہے کہ اپنا مال اپنی اور اپنی قوم کی ضروریات پر خرچ کرنا ظلم نہیں ہے

---

(۱)ابوداؤد فی البیوع باب فیمن اشتری عبدا رقم الحدیث ۳۵۰۸۔ ترمذی فی البیوع رقم الحدیث ۱۲۸۵۔۱۲۸۶۔ نسائی شریف فی البیوع باب الخراج بالضمان۔ مسند احمد ج ٦ ص۴۹

(۲)حجة الله البالغه ج۲ ص۱٦۹ بحث القضاء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بلکہ عقل اور مصلحت دونوں کے مطابق ہے۔ البتہ اگر ٹیکس حقیقی ضرورت کے بغیر لگایا گیا ہو یا اغنیاء کی بجائے فقراء پر لگادیا گیا ہو یا ٹیکسوں سے حاصل شدہ رقوم حکمران طبقے یا کسی مخصوص طبقے پر خرچ ہوتی ہوں یا اسراف و تبذیر پر اڑائی جاتی ہوں جیسا کہ اس وقت ہمارے ملک پاکستان میں ہو رہا ہے۔ تو پھر ٹیکس لگانا ظلم ہے اور ان مکوس میں شامل ہے جن کی احادیث میں شدید مذمت آئی ہے مگر ٹیکس لگانے کے جواز کا علی الاطلاق انکار کرنا تو کسی طرح بھی قرین عقل نہیں ہے۔

## ٹیکس لگانے کی شرائط

(الف) پہلی بنیادی شرط تو یہ ہے کہ مالی وسائل حاصل کرنے کی حقیقی ضرورت ہو، قومی خزانے میں بھی گنجائش نہ ہو' اور متبادل وسائل بھی میسر نہ ہوں اور دفاع یا عوامی خدمت کے ایسے منصوبے ادھورے پڑے ہوں جن کو پورا کرنا ضروری ہو' لیکن اگر حقیقی ضرورت نہ ہو بلکہ حکمران اور ان کے درباریوں کی شاہ خرچیوں اور عیاشیوں کے لئے عوام پر بوجھ ڈالا جارہا ہو' تو یہ ناجائز ہے اور ظلم ہے۔ بغداد کی تباہی کے بعد جب تاتاریوں نے مصر کا رخ کیا تو سلطان مصر اور اس کے لشکر کو مقابلے کی ہمت نہیں ہوتی تھی اس موقع پر سلطان العلماء عزالدین ابن عبدالسلام متوفی ۶۶۰ھ نے ترغیب دلائی اور کہا کہ -----اللہ کا نام لے کر نکلو-----

اس پر سلطان مصر نے کہا کہ خزانہ خالی ہے' میں تاجروں سے قرض لینا چاہتا ہوں۔ اس کی اجازت دی جائے اس کے جواب میں سلطان العلماء نے فرمایا:

اذا احضرت ما عندك و عند حريمك واحضر الامراء ما عندهم من الحلى الحرام و ضربته سكة نقدا و فرقته فى الجيش و لم يقم بكفايتهم ذالك الوقت اطلب القرض و اما قبل ذالك فلا فاحضر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



**السلطان والعسکر کلهم ما عندھم۔**(۱)

"جب تم نے اور تمہاری بیگمات نے جو کچھ تمہارے پاس اور ان کے پاس ہے' حاضر کر دیا اور تمہارے امراء نے بھی اپنی بیگمات کے وہ زیورات حاضر کر دیئے جو حرام ہیں اور ان کے سکے ڈھلوا کر لشکر میں تقسیم کر دیئے اور پھر بھی ان کی ضروریات کے لئے یہ سکے کافی ثابت نہ ہوئے تو اس وقت پھر تم قرض لے سکتے ہو۔ چنانچہ بادشاہ اور اس کے امراء نے جو کچھ ان کے پاس تھا سب حاضر کر دیا۔"

حق گوئی کی دوسری مثال امام نووی متوفی ۶۷۶ھ کے فتوے کی ہے:

الملک الظاہر بیبرس نے جب تاتاریوں کے مقابلے کے لئے لشکر تیار کرنا چاہا تو خزانے میں مال کی کمی تھی چنانچہ علماء سے دفاعی ٹیکس لگانے کے جواز کا فتویٰ طلب کیا گیا اور علماء نے جواز کے فتوے پر دستخط کر لئے۔ امام نووی کو جب بلا کر فتوے پر دستخط کرنے کے لئے کہا گیا تو آپ نے فرمایا:

"تمہارے پاس ایک ہزار غلام ہیں اور ہر ایک کے پاس ایسی خلعتیں ہیں جن پر سونا چڑھا ہوا ہے اور تمہارے پاس دو سو کنیزیں ہیں جن میں سے ہر ایک کے پاس زیورات کی کافی مقدار موجود ہے۔ یہ سب کچھ حاضر کر لو' اس کے بعد بھی اگر ضرورت باقی رہی تو پھر میں ٹیکس لگانے کے فتوے پر دستخط کر لوں گا۔" اس حق گوئی پر امام نووی کو جلاوطن کر دیا گیا۔ بعد میں بیبرس کے نام ایک خط میں آپ نے لکھا کہ "جب خزانے میں وسائل موجود ہوں تو علماء کے متفقہ فتوے کے مطابق رعایا سے جبراً ٹیکس نہیں لیا جا سکتا۔"(۲)

(ب) ٹیکس لگانے کی دوسری شرط یہ ہے کہ ٹیکسوں کا بوجھ غریب عوام اور

---

(۱) طبقات الشافعیہ الکبری قاہرہ ۱۹۱۵ء ج۸ ص ۲۱۵

(۲) ترجمہ امام نووی از علامہ سخاوی طبع الا... [illegible]

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



صارفین پر نہ ڈالا جائے بلکہ اغنیاء کی فاضل دولت پر ٹیکس لگایا جائے۔

(ج) تیسری شرط یہ ہے کہ ٹیکسوں سے حاصل شدہ رقوم مصالح عامہ پر خرچ کی جائیں اور یہ رقوم جس مصلحت اور مفاد کے لئے حاصل کی گئی ہوں اس پر خرچ بھی ہونی چاہئیں۔

ٹیکس لگانے کے جواز کی دلیل جب مصلحت عامہ ہے تو اگر یہ رقوم اسراف و تبذیر پر اڑائی گئی ہوں یا حکمرانوں کی شخصی خواہشات پوری کرنے پر خرچ ہوئی ہوں یا غیر اسلامی پروگراموں اور غیر اسلامی منصوبوں پر خرچ کی گئی ہوں تو یہ اس معاہدے کی خلاف ورزی ہوگی جو قوم کے ساتھ ٹیکس لگاتے وقت کیا جاتا ہے اور اس دلیل کی بنیاد کو ختم کرنا ہوگا جس کی بنا پر ٹیکس لگانے کی شرعاً اجازت دی جاتی ہے بلکہ شرعاً وہ حکمران خائن قرار دیا جائے گا جس نے رعایا سے حاصل کردہ رقوم ان مصالح پر خرچ نہ کی ہوں جن کے لئے حاصل کی گئی تھیں۔ ان رقوم کی قومی خزانے کو ادائیگی اس پر شرعاً لازم ہوگی اور ایسا حکمران اپنے منصب سے معزول کرنے کا بھی مستحق ہوگا۔ اس لئے کہ خیانت کرنے والا شخص مسلمانوں کی حکمرانی کا حق نہیں رکھتا۔

(د) چوتھی شرط یہ ہے کہ ہر قسم کے ٹیکس ریاست کی مجلس شوریٰ کے فیصلے سے عائد کئے جائیں۔ اسلامی نظام ایک شورائی نظام ہے جس میں ہر اہم معاملے کا فیصلہ مسلمانوں کے نمائندوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ سربراہ حکومت یا سربراہ ریاست کو شوریٰ کے فیصلے کے خلاف ویٹو کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ الا یہ کہ اس کے پاس قرآن و سنت کی واضح دلیل موجود ہو۔ ٹیکس لگانے اور خرچ کرنے میں سربراہ حکومت کو مجلس شوریٰ کی طے کردہ حدود کے اندر کام کرنا ہوگا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# عام رفاہی اور ترقیاتی مصارف پر زکوۃ صرف نہیں ہو سکتی!

بعض حضرات کا خیال ہے کہ حکومت کے تمام اخراجات زکوۃ و عشر سے پورے ہو سکتے ہیں' اور مدات زکوۃ میں سے فی سبیل اللہ کی مد عام ہے۔ ہر قسم کے رفاہی کام اس میں شامل ہیں۔ لہذا زکوۃ و عشر کے علاوہ کوئی ٹیکس لگانا بلا ضرورت ہے۔ اگر چہ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ کیا کھربوں روپے کا بجٹ پورا کرنا اور معاشرے کے فقراء و مساکین کی کفالت بھی کرنا دونوں قسم کے اخراجات زکوۃ و عشر سے پورے ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ لیکن اگر پورے ہو بھی سکتے ہوں تو زکوۃ و عشر صرف انہی مصارف پر صرف ہو سکتے ہیں جو سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ٦٠ میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ ان مصارف میں سے ساتویں نمبر پر فی سبیل اللہ کا ذکر ہوا ہے۔ لفظی اور لغوی معنوں کے اعتبار سے تو اس کے معنے عام ہیں لیکن قرآن و سنت میں جہاں بھی یہ لفظ مطلق طور پر ذکر ہوا ہو وہاں پر اس سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہوتی ہے۔ لغات الحدیث کے مشہور امام علامہ ابن الاثیر جزری (٦٠٦ھ) لکھتے ہیں:

فالسبیل فی الاصل الطریق یذکر و یونث والتانیث فیها اغلب وسبیل الله عام یقع علی کل عمل سلك به طریق التقرب الی الله تعالی باداء الفرائض والنوافل و انواع التطوعات و اذا اطلق فهو فی الغالب واقع علی الجهاد حتی صار لکثرة الاستعمال کانه مقصور علیه۔(١)

"لفظ سبیل اصل میں راستے کو کہتے ہیں یہ لفظ مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے مگر اکثر مونث کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اور سبیل اللہ کا لفظ عام ہے جس کا اطلاق ہر خالص عمل پر ہوتا ہے جس کے ذریعے قرب الہی کے راستے پر چلنا مقصود ہو۔ یعنی فرائض و نوافل اور نیکی کی دوسری ساری قسمیں۔ لیکن جب یہ لفظ مطلقاً ذکر

(١) النهایه فی غریب الحدیث والاثر ج ٢ ص ٣٣٨۔٣٣٩

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہوا ہو تو اس کا غالب اطلاق جہاد پر ہوتا ہے حتیٰ کہ کثرت استعمال کی وجہ سے گویا یہ لفظ جہاد کے ساتھ مخصوص ہو گیا ہے۔"

امام ابو حنیفہ' امام مالک' امام احمد بن حنبل' امام شافعی' امام ابن حزم ظاہری اور دیگر ائمہ سلف کی تحقیق یہی ہے کہ مصارف زکوۃ سے متعلق سورہ توبہ کی آیت میں "فی سبیل اللہ" سے مراد وہ مجاہدین ہیں جو رضاکارانہ طور پر کفر کے خلاف بلا معاوضہ لڑتے ہوں۔ اس موضوع پر تفصیلی حوالے اور تفصیلی دلائل میری کتاب تفہیم المسائل حصہ دوم ص ۱۱۳ تا ۱۲۹ میں مرکزی زکوۃ کونسل کے سوالنامے کے جواب میں دیئے گئے ہیں' جن کے تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ یہاں پر صرف کتابوں کے حوالے دیئے جاتے ہیں تاکہ تحقیق کا ذوق و شوق رکھنے والے حضرات مراجعت کر سکیں۔

(مبسوط سرخسی ج ۱ ص ۱۰ بیروت ۱۹۷۸ء۔ بدائع الصنائع ج ۲ ص ۴۶۔ جصاص ج ۱ ص ۱۳۷۔ احکام القرآن لابن العربی ج ۲ ص ۹۶۹۔ تفسیر قرطبی ج ۸ ص ۱۸۵۔ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۷۷۔ المغنی لابن قدامہ ج ۶ ص ۲۸۲ تا ۲۸۴ طبع قاہرہ ۱۹۶۹ء۔ کتاب الام للشافعی ج ۲ ص ۷۲۔ شرح المہذب للنووی طبع مدینہ ج ۶ ص ۲۱۱ تا ۲۱۲۔ المحلی لابن حزم الظاہری طبع بیروت ج ۶ ص ۱۵۱۔

## ٹیکس کے بارے میں فقہاء کی آراء

فقہاء اسلام نے ٹیکس کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

ایک ہے عادلہ ٹیکس اور ---- دوسری قسم ہے ظالمانہ ٹیکس۔

عادلانہ ٹیکس وہ ہے جو حقیقی ضرورت پوری کرنے کے لئے اغنیاء پر لگایا گیا ہو' اور وصول کر کے مصالح عامہ پر خرچ کیا جا رہا ہو۔

اور ظالمانہ ٹیکس وہ ہے جو بغیر عوامی ضرورت کے بادشاہوں کی ذاتی ضروریات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پوری کرنے کے لئے لگایا گیا ہو اور انہی کی شاہ خرچیوں اور عیاشیوں پر خرچ ہو رہا ہو۔ فقہاء نے عادلانہ ٹیکس کو جائز ہی نہیں بلحہ اس کی ادائیگی کو واجب بھی کہا ہے اور ظالمانہ ٹیکسوں کو نہ صرف یہ کہ ناجائز کہا ہے بلحہ ان کی ادائیگی سے بچنے کے لئے تدابیر اختیار کرنے کی اجازت بھی دی ہے تاکہ ظلم کا انسداد ہو سکے۔

(۱) شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

و امام النوائب فان اريد بها ما يكون بحق ككرى النهر المشترك و اجر الحارس والموظف لتجهيز الجيوش و فداء الاسارىٰ و غيرها جازت الكفالة بها بالاتفاق۔(۱)

"سرکاری ٹیکسوں سے مراد اگر جائز ٹیکس ہوں جنہیں لگانے کا حکومت کو حق حاصل ہے مثلاً مشترک نہریں کھودنے کے لئے، چوکیداروں یعنی پولیس کی تنخواہوں کے لئے یا وہ ٹیکس جو فوجوں کو مسلح کرنے کے لئے یا قیدیوں کا فدیہ ادا کرنے کے لئے یا دوسری ضروریات کے لئے لگایا گیا ہو تو ایسے ٹیکسوں کی ادائیگی کے لئے ضامن (کفیل) بننا بالاتفاق جائز ہے۔

ابن الہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

لانها واجبة على كل مسلم موسر بايجاب طاعة ولي الامر مما فيه مصلحة المسلمين۔(۲)

"ایسا ٹیکس ادا کرنا ہر دولت مند مسلمان پر واجب ہے اس لئے کہ امیر کی اطاعت ان امور میں واجب ہے جن میں مسلمانوں کی مصلحت ہو۔"

علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی ہدایہ کی شرح میں لکھا ہے کہ:

---

(۱) ہدایہ' کتاب الکفالہ باب الضمان' مع فتح القدیر طبع مصر ۱۹۷۰ء ج ۷ ص ۲۲۲

(۲) فتح القدیر لابن الہمام ج ۷ ص ۲۲۲ و نحوہ فی العنایہ للبابرتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



هو ما يحتاج الامام اليه نحو تجهيز المقاتلين و كفداء الاسارى بان لا يكون فى بيت المال شيئى فيوظف ما على الناس فيجوز ذالك فيجب اداه على كل موسر نظراً للمسلمين۔(۱)

"یہ وہ ٹیکس ہے جس کی حکومت کو فوجوں کو مسلح کرنے' قیدیوں کو چھڑانے وغیرہ کے لئے ضرورت ہو' اس طرح کہ خزانہ خالی ہو تو حکومت لوگوں پر ایسا ٹیکس لگاتی ہے تو یہ جائز ہے اور اس کا ادا کرنا دولت مندوں پر مسلمانوں کی مصلحت کے لئے واجب ہے۔"

ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے نوائب بالحق یعنی جائز اور عادلانہ ٹیکسوں کے بارے میں ہدایہ کی مندرجہ بالا عبارت معمولی سے لفظی فرق کے ساتھ نقل کی ہے لیکن شرط یہ لگائی ہے کہ مسلمانوں کی حکومت محتاج ہو اور بیت المال خالی ہو۔ اس کے بعد فقہ حنفی کی کتاب القنیہ کی مندرجہ ذیل عبارت نقل کی ہے:

قال ابو جعفر البلخى ما يضر به السلطان على الرعية مصلحة لهم يصير دينا واجبا و حقا مستحقا كالخراج و قال مشائخنا و كل ما يضر به الامام عليهم لمصلحة لهم فالجواب هكذا۔(۲)

"ابو جعفر بلخی نے کہا ہے کہ حکومت رعیت کی مصلحت کے لئے جو ٹیکس لگاتی وہ ایک واجب الادا قرض اور قابل وصولی حق بن جاتا ہے جیسے خراج اور ہمارے مشائخ (حنفیہ) نے بھی کہا ہے کہ حکمران جو ٹیکس عوام کی مصلحت کے لئے لگائے تو اس کے بارے میں سوال کا جواب بھی یہی ہے کہ یہ واجب الاداء ہے۔"

اگرچہ ابو جعفر بلخی نے یہ بھی کہا ہے کہ جواز کے اس فتوے کی تشہیر نہ کی جائے

---

(۱) البنایہ شرح الهدایہ طبع دار الفکر بیروت ۱۹۹۰ء ج۷ ص ۵۹۹ کتاب الکفالہ

(۲) رد المحتار ج۲ ص۶۲ طبع کوئٹہ ۱۴۰۴ھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس لئے کہ ظالم حکمران اور اس کا عملہ اس قسم کے فتوے کو ظالمانہ ٹیکس کے عائد کرنے کے لئے بھی استعمال کر سکتا ہے لیکن فی نفسہ عوام کی مصالح کے لئے ٹیکس لگانے کو اس نے ظلم نہیں کہا۔ بشر طیکہ ضرورت حقیقی ہو اور سرکاری خزانہ خود کفیل نہ ہو۔

امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

قلنا لا سبيل اليه مع كثرة الاموال في ايدي الجند اما اذا خلت الايدي من الاموال و لم يكن من مال المصالح ما يفي بخراجات العسكر ولو تفرق العسكر واشتغلوا بالكسب لخيف دخول الكفار بلاد الاسلام او خيف ثوران الفتنة من قبل اهل الشر في بلاد الاسلام فيجوز للامام ان يوظف على الاغنياء مقدار كفاية الجند۔(۱)

"ہمارا جواب یہ ہے کہ اگر فوج کے پاس بہت سا مال موجود ہو تو پھر دفاع کے لئے ٹیکس لگانے کا کوئی جواز نہیں ہے لیکن اگر ان کے ہاتھ خالی ہوں اور مصالح عامہ کا مال (قومی خزانہ) اتنا نہ ہو کہ اس سے فوج کے اخراجات پورے ہو سکیں اور اگر فوج دفاع کا کام چھوڑ کر منتشر ہو جائے اور اپنے کاروبار میں مشغول ہو جائے تو کفار کے مسلمانوں کے ملک میں داخل ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا یا خود ملک کے اندر شریر قسم کے لوگوں کی فتنہ پردازی کا خوف اور خطرہ لاحق ہو جائے گا تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے حکمران کے لئے جائز ہے کہ دولت مند لوگوں پر فوجوں کی ضرورت کے مطابق ٹیکس عائد کرے۔"

فقہ مالکی کے ممتاز فقیہ امام ابو اسحاق شاطبی متوفی ۷۹۰ھ نے اس بارے میں لفظی فرق کے ساتھ وہی بات کی ہے جو امام غزالی نے کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ:

و انما لم ينقل مثل هذا عن الاولين لا تساع بيت المال في زمانهم

(۱) المستصفى للغزالي طبع بولاق مصر ۱۳۲۲ھ ج ۱ ص ۳۰۳۔۳۰۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بخلاف زماننا فان القضية فيه اخری و وجه المصلحة هنا ظاهر فانه لو لم يفعل الامام ذالك النظام بطلت شوكت الامام و صارت ديارنا عرضة لاستيلاء الكفار۔(۱)

"اس قسم کے ٹیکسوں کی مثالیں قرون اولیٰ سے اس لئے نقل نہیں ہوئی ہیں کہ اس وقت بیت المال میں فراخی تھی۔ مگر ہمارے زمانے کا معاملہ دوسرا ہے اور اس وقت (دفاع و جہاد) کے لئے ٹیکس لگانے کی مصلحت ظاہر ہے اس لئے کہ اگر حکومت ٹیکسوں کا نظام قائم نہ کرے تو اس کی قوت اور شوکت تباہ ہو جائے گی اور ہمارا ملک کفار کے غلبے کا ایک کھلا میدان بن جائے گا۔"

مالکیہ کے ایک اور عالم شیخ محمد علی بن شیخ حسین نے امام شاطبی کا درج ذیل قول نقل کیا ہے اور اس کی تردید نہیں کی۔

توظيف الخراج على المسلمين من المصالح المرسلة ولا شك عندنا في جوازه و ظهور مصلحة في بلاد الاندلس في زماننا لكثرة الحاجة۔(۲)

"ٹیکس لگانا مسلمانوں پر مصالح مرسلہ میں شامل ہے اور ہمارے نزدیک اس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔ ہمارے دور کے اندلس میں ایسے ٹیکس لگانے کی مصلحت ظاہر ہو چکی ہے۔ اس لئے کہ اس کی بہت ضرورت ہے۔"

حنابلہ کے مشہور امام شیخ الاسلام ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ ھ نے اپنے فتاوی میں "المظالم المشترکہ" کے عنوان کے تحت امام الحرمین الجوینی کی کتاب "غیاث الامم" کے حوالے سے لکھا ہے کہ جہاد و دفاع کے لئے ٹیکس لگانا جائز ہے۔ المظالم المشترکہ کے

---

(۱) الاعتصام للشاطبی طلبع المنار مصر ۱۹۱٤ء ج۲ ص۲۹۵۔۲۹٦

(۲) تہذیب الفروق علی ہامش الفروق للقرافی ج ۱ ص ۱٤۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



رسالے کا اصل موضوع بحث تو یہ ہے کہ اگر حکومت ایک بستی پر مجموعی ٹیکس عائد کردے اور کچھ لوگ رشوت کے ذریعے یا ذاتی تعلقات کی بنا پر اپنے آپ کو اس ٹیکس سے بچالیں تو سرکاری عملہ بستی پر عائد کردہ ٹیکس کی مقدار دوسرے لوگوں پر زیادہ بوجھ ڈال کر پوری کرلے گا مگر ایسا کرنا ظلم ہے اور اس ظلم میں اپنے آپ کو بچانے والے لوگ بھی شریک متصور ہوں گے اور گناہ گار ہوں گے اس لئے کہ اپنے آپ کو ظلم سے بچا کر اسی ظلم کو دوسروں پر ڈالنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

لیکن اس رسالے میں انہوں نے جگہ جگہ ٹیکسوں کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں' یعنی بالحق اور بغیر الحق۔ معلوم ہوتا ہے کہ ٹیکسوں کی ایک قسم وہ ہے جسے امام ابن تیمیہ بھی جائز اور بالحق کہتے ہیں۔ ٹیکس اگر ان کے نزدیک مطلقاً ممنوع ہوتے تو بالحق اور بغیر الحق کی تقسیم نہ کرتے۔(۱)

دمشق یونیورسٹی کے شریعت کالج کے استاد جناب ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی نے اس موضوع پر اپنی رائے اس طرح بیان کی ہے:

اذا اقتضت حاجات الدفاع عن الامة اوالجهاد فى سبيل الله بعض الاموال و لم يكن فى الخزينة العامة ما يكفى لسدتلك الحاجة فعلى الدولة ان تقرض فى اموال الناس من الضرائب بقدر ما يندفع به الخطر عملا بالمصالح المرسلة و قد نص على ذالك كثير من العلماء مثل الغزالى والقرافى والشاطبى والقرطبى وابن حزم و عزالدين ابن عبدالسلام وابن عابدين.(۲)

"جب امت مسلمہ کے دفاع یا جہاد فی سبیل اللہ کے لئے مال کی ضرورت ہو اور قومی خزانے میں اتنا مال نہ ہو جس سے یہ ضرورت پوری ہوسکے تو ایسی صورت حال

(۱)فتاوی ابن تیمیه طبع موسسة قرطبه ۳۰ ص۲۳۷ تا ۲۶۰

(۲)الفقه الاسلامی وادلته ج ۵ ص۵۲۵-۵۲۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



میں حکومت کا فرض ہے کہ وہ لوگوں پر اتنا ٹیکس لگائے جس سے یہ ضرورت پوری ہو سکے اور خطرے کا مقابلہ کیا جا سکے۔ یہ مصالح مرسلہ پر عمل کرنا ہوگا بہت سے علماء اسلام نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے۔ مثلاً امام غزالی' امام قرافی' امام شاطبی' امام قرطبی' امام ابن حزم' امام عزالدین' ابن عبد السلام اور ابن عابدین شامی۔ ڈاکٹر عبد العزیز النعیم نے "نظام الضرائب فی الاسلام کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس پر ۱۹۷۴ء میں ان کو قاہرہ یونیورسٹی کے "کلیۃ الحقوق" کی جانب سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی تھی۔ اس کتاب میں انہوں نے دور اسلام سے قبل روم اور فارس میں مروجہ ظالمانہ ٹیکسوں کا ذکر کیا ہے جنہیں اسلام نے ختم کیا تھا اور دوسرے باب میں عادلانہ ٹیکسوں کے جواز' شرائط اور احکام پر تفصیلی اور مدلل بحث کی ہے۔(۱)

WWW.KITABOSUNNAT.COM

(۱) نظام الضرائب فی الاسلام باب ثانی ص ۱۳۷ تا ۲۷۴ طبع ثالث ۱۹۷۷ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# فاضل درخواست گزار کے دلائل کا جائزہ

مثبت طور پر جواز کے دلائل کی تفصیل کے بعد اب عدم جواز کے ان مبینہ دلائل کا علمی جائزہ پیش کیا جارہا ہے جو فاضل درخواست گزار نے پیش کیے ہیں:

(۱) فاضل درخواست گزار نے ٹیکس لگانے کے جائز نہ ہونے کے ثبوت میں گیارہ آیات پیش کی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ زکوۃ وصدقات کا ایک نظام اسلام نے دیا ہے، مسلمانوں کا فرض ہے کہ زکوۃ ادا کریں اور حکومت کا فرض ہے کہ زکوۃ وصدقات واجبہ کی تحصیل و تقسیم کا انتظام کرے، لیکن ان آیات سے نہ تو ٹیکس لگانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور نہ ان سے ٹیکس لگانے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ زیر بحث مسئلہ تو غیر منصوص مصالح مرسلہ سے تعلق رکھتا ہے جن کے بارے میں اسلامی ریاست کی مجلس شوریٰ مصالح اور حالات کے تقاضوں کے مطابق فیصلے کر سکتی ہے۔ معلوم نہیں کہ ان آیتوں کو زیر بحث مسئلے میں کس مناسبت سے پیش کیا گیا ہے۔

(۲) آیات قرآنی کے بعد فاضل محقق نے ۵ احادیث نقل کی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ زکوۃ مفروضہ کے علاوہ اور کوئی حق واجب نہیں ہے لیکن گزشتہ صفحات میں ہم نے قرآن وسنت اور سنت خلیفہ راشد سے ثابت کر دیا ہے کہ زکوۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں جو بعض اوقات واجب بھی ہو جاتے ہیں اور ان کی وصولی بذریعہ حکومت زبردستی بھی کی جاسکتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ قرآن وسنت کی نصوص میں تعارض و تناقض تو نہیں ہو سکتا اس لئے ان احادیث کا صحیح مفہوم معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ تعارض ختم ہو جائے اور شریعت کا اصل حکم کھل کر سامنے آجائے۔ گزشتہ صفحات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



میں مستند کتابوں کے حوالے سے ان احادیث کا صحیح مفہوم بیان کر دیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

مسلمانوں کے اموال میں "حقوق مقدرہ وراتبہ" زکوٰۃ و عشر کے علاوہ واجب نہیں ہیں، صرف استحبابی حقوق ہیں، مگر حقوق غیر مقدرہ غیر راتبہ اور بھی ہیں جو بعض اوقات واجب بھی ہو جاتے ہیں اگرچہ عام حالات میں صرف استحبابی ہوتے ہیں۔ احادیث کے درمیان تطبیق اور توجیہ و تشریح کی تفصیلی بحث چونکہ گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے اس لئے دوبارہ تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

## (۳) مکس و عشور:

فاضل درخواست گزار نے مکس و عشور کے بارے میں بھی احادیث نقل فرمائی ہیں جن میں صاحب مکس اور عشار کی شدید مذمت کی گئی ہے اور احادیث مذکورہ کو ہر قسم کے ٹیکس کے ممنوع ہونے کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے ان احادیث کو مستند کتابوں سے نقل کر دیا جائے اور بعد میں ان کی صحیح توجیہ عرض کر دی جائے۔ فاضل درخواست گزار نے احادیث کے حوالے بھی مکمل نہیں دیئے اور متعلقہ احادیث پوری نقل بھی نہیں کی ہیں۔ تحقیق کا تقاضا یہ ہے کہ حوالے بھی مکمل ہوں اور احادیث بھی مکمل ہوں۔

(۱) عن عقبة بن عامر انه سمع رسول الله ﷺ يقول لا يدخل الجنة صاحب مكس.(۱)

"عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مکس (ظالمانہ ٹیکس) وصول کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔"

(۱) ابوداؤد کتاب الخراج طبع بیروت ۱۹۷۱ء ج۳ ص۳۴۹۔ مسند احمد ج٤ ص۱٤۳ و المعجم الكبير للطبرانی بثلاثة اسانيد ج۱۷ ص۳۱۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



(۲) قال رويفع بن ثابت انی سمعت رسول الله ﷺ يقول ان صاحب المكس في النار۔(۱)

"رویفع بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ مکس والا (ظالمانہ ٹیکس لینے والا) دوزخ میں ہوگا۔"

(۳) عن عثمان بن ابی العاص عن النبی ﷺ ان الله يدنو من خلقه فيغفر لمن يستغفر الا لبغی بفرجها او عشار۔(۲)

"عثمان بن ابی العاص نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے قریب ہوگا اور جسے چاہے گا بخش دے گا۔ سوائے اس کے جو اپنی شرمگاہ سے بدکاری کرے یا ظالمانہ ٹیکس وصول کرے۔"

(٤) عن سعيد بن زيد سمعت رسول الله ﷺ يقول يا معشر العرب احمد والله الذی رفع عنكم العشور۔(۳)

"سعید بن زید کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے اے گروہ عرب اللہ کا شکر ادا کرو جس نے تم سے عشور کو اٹھالیا ہے۔"

(٥) و عن رجل عن النبی ﷺ انما العشور على اليهود و النصاری و ليس على المسلمين عشور۔(٤)

"ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جزیہ یہود و نصاری پر ہے

---

(۱)الترغيب والترهيب للحافظ المنذری طبع حلبی ج۱ ص٥٦٨

(۲)مسند احمد ج٤ ص۲۲.۲۱۸ والمعجم الكبير للطبرانی ج۹ ص٤٥ و مجمع الزوائد ج۳ ص۸۸

(۳)مسند احمد ج۱ ص۱۹۱۔ مسند بزار كشف الاستار ج۱ ص٤۲۷ و لكن اسناده ضعيف لجهالت رجل لم يسم فی سنده مجمع الزوائد ج۳ ص۸۷

(٤)ابوداؤد ج۳ ص٤۳٥۔ ترمذی كتاب الزكوة باب ليس على المسلمين جزية۔ مسند احمد ج۳ ص٤٧٤ و ج ٤ ص ۳۲۲ و ج٥ ص٤۱۰۔ والتاريخ الكبير للبخاری ج ۳ ص ٦۰ طبع ۱۹۸٦۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مسلمانوں پر جزیہ نہیں ہے۔"

ان احادیث کی سندوں میں کلام ہے لیکن میں نے سندی تحقیق اس لئے چھوڑ دی ہے کہ مکس کی مذمت میں صحیح مسلم کی مندرجہ ذیل صحیح حدیث بھی موجود ہے۔

(٦) ایک صحابیہ حضرت غامدیہؓ جب بچے کا دودھ چھڑانے کے بعد از خود اپنے اوپر حد زنا نافذ کرانے کے لئے حاضر ہوئیں اور ان پر حد نافذ کر دی گئی تو رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

لقد تابت توبة لو تابها صاحب مكس لغفرله.(١)

"اس خاتون نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ ظالمانہ ٹیکس لینے والا بھی کرے تو وہ بھی بخش دیا جائے گا۔"

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مکس لینے والا دوزخی ہے' جنت میں نہیں جائے گا۔ اللہ اس کو نہیں بخشے گا۔ عربوں کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ان سے عشور اٹھالیا ہے اور مسلمانوں پر عشور نہیں ہے۔ اب ہمیں معلوم کرنا ہے کہ یہ مکس کیا چیز ہے جس کی اتنی شدید مذمت کی گئی ہے۔ مکس کی تشریح کے لئے فاضل درخواست گزار نے لسان العرب کی پوری عبارت نقل نہیں کی۔ صرف اشعار نقل فرمادیئے ہیں۔ لسان العرب کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

## مکس کے معنے

المكس الجباية والمكس دراهم كانت توخذ من بائع السلع فى الاسواق فى الجاهلية .... والماكس العشار والمكس درهم كان ياخذها المصدق بعد فراغه.(٢)

---

(١) صحيح مسلم كتاب الحدود ـ حد زنا

(٢) لسان العرب ج٦ ص٢٢٠

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"مکس محصول جمع کرنے کو کہتے ہیں اور مکس ان روپوں کو بھی کہتے ہیں جو سامان تجارت فروخت کرنے والے سے جاہلیت کے زمانے میں بازاروں میں لئے جاتے تھے۔ ماکس محصول جمع کرنے والے کو کہتے ہیں اور مکس اس روپے کو بھی کہتے ہیں جو زکوۃ جمع کرنے والا وصولی کے بعد زائد لیتا تھا۔"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مکس زمانہ جاہلیت کے ظالمانہ ٹیکسوں کو بھی کہا جاتا ہے اور عاملین زکوۃ' زکوۃ پوری وصول کرنے کے بعد جو زائد لیتے ہیں اس کو بھی کہا جاتا ہے اور یہ دونوں مظالم میں شمار ہوتے ہیں۔

درخواست گزرنے جو اشعار پیش کئے ہیں ان میں تو صراحتاً ان ٹیکسوں کا ذکر ہے جو عراق کے بادشاہ لوگوں سے زبردستی لیتے تھے۔ ان اشعار میں "اسواق العراق" اور ملوک کے الفاظ آئے ہیں۔ جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شاعر جابر بن حنی الثعلبی عراق و فارس کے بادشاہوں کے ان ظالمانہ ٹیکسوں کی شکایت کرتا ہے جو ان بادشاہوں کی ذاتی خواہشات پوری کرنے کے لئے وصول کئے جاتے تھے عوام کی قوت سے زائد ہوتے تھے اور عوام کے مفاد میں خرچ بھی نہیں ہوتے تھے۔ تاریخ کے عام طالب علم کو بھی معلوم ہے کہ فارس اور روم دونوں میں اسلام سے قبل موروثی اور استبدادی بادشاہت کا نظام قائم تھا۔ اس نظام میں عوام کے املاک درحقیقت بادشاہوں کے املاک سمجھے جاتے تھے اور قسم قسم کے ظالمانہ ٹیکس عوام سے وصول کئے جاتے تھے' فارس میں تو جاگیردارانہ نظام تھا جس میں زیادہ بوجھ غریب کاشتکاروں پر ڈالا جاتا تھا۔

جابر بن ثعلبی کا ایک شعر علامہ جوہری متوفی ۳۹۳ھ نے بھی نقل کیا ہے:

افی کل اسواق العراق اتاوۃ
و فی کل ما باع امرء مکس درھم

"کیا عراق کے سارے بازاروں میں ٹیکس لگا ہوا ہے اور ہر اس چیز پر جسے کوئی شخص فروخت کرتا ہو' روپے کا ٹیکس لگا ہوا ہے۔"

اتاوہ کے معنے ہیں ما یودیه القوم الی الملک یعنی وہ ٹیکس جسے لوگ بادشاہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کو دیتے ہیں۔(۱)

ابن درید متوفی ۳۲۱ھ نے مکس کے معنے دور جاہلیت کے ٹیکس بیان کئے ہیں:

والمکس دراھم کانت توخذ من بایعی السلعة فی الجاھلیة۔(۲)

"مکس وہ روپے ہیں جو دور جاہلیت میں چیزیں فروخت کرنے والوں سے لئے جاتے تھے۔"

مجد الدین فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

والمکس النقص والظلم و دراھم کانت توخذ من بائع السلع فی الاسواق فی الجاھلیة او دراھم یاخذہ المصدق بعد فراغه من الصدقة۔(۳)

"مکس کے معنے ہیں کمی کرنا اور ظلم کرنا اور وہ روپے جو دور جاہلیت میں بازاروں میں چیزیں فروخت کرنے والوں سے لئے جاتے تھے یا اس سے مراد وہ زائد رقم ہے جو صدقات وصول کرنے والا پورا صدقہ وصول کرنے کے بعد مزید لیتا تھا۔"

ان تمام ائمہ لغت کے اقتباسات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ احادیث میں جس مکس کی مذمت کی گئی ہے اس سے جاہلیت کے زمانے کے بادشاہوں اور سرداروں کے ظالمانہ ٹیکس مراد ہیں، جو عوام کی فلاح و بہبود کیلئے نہیں لگائے جاتے تھے بلکہ بادشاہوں کی شاہ خرچیوں کے لئے لگائے جاتے تھے یا پھر اس سے مراد عاملین کا شرعی مقدار سے زائد زکوۃ لینا ہے۔

علامہ فخر الدین زیلعی علامہ ابن نجیم مصری متوفی ۹۷۰ھ اور علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ تینوں نے لکھا ہے:

و ما ورد من ذم العشار محمول علی من یاخذ اموال الناس ظلما

---

(۱) جمھرة اللغة لابن درید متوفی ۳۲۱ھ ج۱ ص ۱۷۰

(۲) جمھرة اللغة طبع حیدر آباد دکن ۱۳۴۵ھ ج ۳ ص ۴۶۔ مادہ مکس

(۳) قاموس اللغات طبع بیروت ۱۹۷۸ء ص ۷۴۲ مادہ مکس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



كما تفعله الظلمة اليوم۔(۱)

"عشار (ٹیکس وصول کرنے والے) کی مذمت میں جو روایات آئی ہیں وہ اس پر محمول ہیں جو لوگوں کا مال ظلماً لیتا ہو جیسا کہ آج کل ظالموں کا عمل ہے۔"

امام ذہبی لکھتے ہیں:

المكاس من اكبر اعوان الظلمة بل هو من الظلمة انفسهم فانه ياخذ ما لا يستحق و يعطيه لمن لا يستحق۔(۲)

"ٹیکس وصول کرنے والا ظالموں کا بڑا مددگار ہے بلکہ یہ خود بھی ظالموں میں شامل ہے اس لئے کہ وہ ٹیکس لیتا ہے جو حق نہیں ہے اور ان لوگوں کو دیتا ہے جو اس کے مستحق نہیں ہیں۔"

امام نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

ان المكس من اقبح المعاصي والذنوب والموبقات و ذالك لكثرة مطالبات الناس و ظلاماتهم عنده و تكرر ذالك منه و انتهاكه للناس واخذ اموال الناس بغير حقها و صرفها في غير وجهها۔(۳)

"مکس قبیح ترین اور تباہ کن گناہوں میں شامل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکس لینے والے پر لوگوں کے بہت سے حقوق و مظالم جمع ہو جاتے ہیں اور یہ ظلم اس سے بار بار سرزد ہوتا ہے یہ لوگوں کی بے عزتی اور آبروریزی کرتا ہے۔ لوگوں کے مال ناحق لیتا ہے اور غیر مستحقین پر صرف کرتا ہے۔"

ان تمام حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مکس کی مذمت کی احادیث ایسے ٹیکسوں پر منطبق نہیں ہوتیں جو اسلامی حکومت کی مجلس شوریٰ عوام کے مفاد و مصالح پر خرچ کے لئے لگاتی ہے اور غریبوں کی بجائے اغنیاء پر لگاتی ہے اور وصول کر کے عوام کی بہبود

---

(۱) تبيين الحقائق ج ۱ ص ۲۸۲۔ البحر الرائق باب العاشر ج ۲ ص ۲۴۹ مجموعه شامی ج ۲ ص ۴۲

(۲) الكبائر للذهبي ص ۱۱۹ کبیره ۲۷

(۳) شرح مسلم طبع قاہرہ ج ۱۱ ص ۲۰۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پر خرچ کرتی ہے۔ ان احادیث میں دراصل دور جاہلیت کے ان ظالمانہ ٹیکسوں کی مذمت کی گئی ہے جو عراق اور روم کے بادشاہ ذاتی ضروریات کے لئے لگاتے تھے اور ظالمانہ ہوتے تھے' عادلانہ نہیں ہوتے تھے۔

باقی رہی ابوداؤد اور ترمذی کی یہ حدیث کہ عشور یہود و نصاریٰ پر ہے۔ مسلمانوں پر عشور نہیں ہے۔ حوالہ پہلے دیا جاچکا ہے تو اس سے مراد جزیہ ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث پر لیس علی المسلمین جزیۃ کا عنوان قائم کیا ہے اور ابوداؤد نے اس حدیث کو دوسری سند کے ساتھ اس طرح نقل کیا ہے:

لیس علی المسلمین جزیة۔(۱)

ابوداؤد کے اسی مقام پر اس حدیث کی تشریح سفیان ثوری سے اس طرح نقل ہوئی ہے:

اذا اسلم فلا جزیة علیه۔

"کافر جب اسلام لے آئے تو اس پر جزیہ نہیں ہے۔"

اسی طرح نصب الرایہ میں معجم اوسط للطبرانی کے حوالے سے ابن عمر کی مرفوع حدیث نقل ہوئی ہے کہ من اسلم فلا جزیة علیه۔(۲)

ان شواہد سے لیس علی المسلمین عشور کا مفہوم یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر جزیہ عائد نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ جزیہ غیر مسلموں ہی سے لیا جاسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں سے کسی صورت میں زکوٰۃ و عشر کے علاوہ کوئی مالی حق وصول نہیں کیا جاسکتا۔

حدیث کی تشریح دوسری احادیث کی روشنی میں کرنی چاہئے اور دوسری حدیث میں لفظ جزیہ آیا ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں بھی لفظ عشور سے جزیہ مراد ہے عادلانہ ٹیکس مراد نہیں ہے۔

والله یقول الحق

(گوہر رحمان)

---

(۱) ابوداؤد کتاب الخراج' باب فی الذی یسلم فی بعض السنة هل علیه جزیة

(۲) نصب الرایه کتاب السیر ج۳ ص۴۵۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## باب سوم

# سود کی حرمت اور اس کا متبادل

## سپریم کورٹ اپیلیٹ بنچ کے سامنے تحریری بیان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# سود کی حرمت اور اس کا متبادل

## سپریم کورٹ اپیلیٹ بنچ کے سامنے تحریری بیان

نواز شریف کی حکومت نے وفاقی شرعی عدالت کے تاریخی فیصلے کے خلاف ۱۹۹۲ء میں سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ میں اپیل دائر کی تھی جس کی سماعت ۱۹۹۹ء میں شروع ہوئی۔ بنچ کے چیئرمین جناب جسٹس خلیل الرحمان صاحب کے طلب کرنے پر میں نے ۲۴ اپریل ۱۹۹۹ء کو یہ تحریری بیان ارسال کیا تھا اور ۲۴ مئی ۱۹۹۹ء کو اس کا خلاصہ بنچ کے سامنے زبانی طور پر بھی پیش کیا الحمد للہ میری اور دوسرے اہل علم کی محنت اور کاوش ثمر آور ثابت ۲۳ دسمبر ۱۹۹۹ء کو سپریم کورٹ کے اپیلیٹ بنچ نے وفاقی شرعی عدالت کے تاریخی اور انقلابی فیصلے کو بحال رکھا' اس کے خلاف تمام اپیلوں کو مسترد کر دیا۔ بعض سودی قوانین کو جون ۲۰۰۰ء تک اور جون ۲۰۰۱ء تک تمام سودی قوانین کو ختم کر کے غیر سودی نظام نافذ کرنے کا حکم دیا ہے۔ عملا تو سودی نظام کا خاتمہ اسی وقت ہو گا جب پاکستان میں اسلامی انقلاب آئے گا اور اسلامی حکومت قائم ہو گی لیکن عدالتی اور قانونی جنگ ہم جیت چکے ہیں۔ فالحمد لله علی ذالك۔

گوہر رحمان

۲۰۰۰-۶-۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# سود کی حرمت اور اس کا متبادل

۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کو وفاقی شرعی عدالت نے ربا کے خاتمے کے بارے میں اپنا تاریخی فیصلہ سنایا تھا اور حکم دیا تھا۔ کہ تمام سودی قوانین کو ۳۰ جون ۱۹۹۲ء تک قرآن وسنت کے احکام کے مطابق بنادیا جائے ورنہ یکم جولائی ۱۹۹۲ء سے یہ قوانین غیر مؤثر ہو جائیں گے۔ شرعی عدالت کا کام مروجہ قوانین کے اسلام کے احکام کے مطابق ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ قانون بنانا اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ قانون سازی پارلیمنٹ کا کام ہے۔ جس کی رہنمائی کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کا آئینی ادارہ قائم ہے۔ حکومت کا دینی اور آئینی فرض تھا کہ وہ عدالت کے فیصلے پر عمل کرتے ہوئے معیشت کو سود سے پاک کرنے کے لئے قانون سازی کرتی جو اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اس لئے کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے غیر سودی بینکاری کے بارے میں اپنی حتمی رپورٹ ۱۹۸۰ء میں پیش کر دی تھی۔ جسے قانونی شکل میں پارلیمنٹ سے منظور کروا کر بآسانی نافذ کیا جاسکتا تھا۔ لیکن بڑے افسوس اور دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حکومت نے شرعی فیصلے کو بے اثر بنانے اور سودی معیشت کو بحال رکھنے کی مجرمانہ پالیسی اپنائی اور شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ کی اپیل دائر کر دی آٹھ سال گزر جانے کے بعد اب سپریم کورٹ کا شریعت بنچ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیلوں کی سماعت کر رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ بنچ صحیح فیصلہ کرے گا اس لئے کہ اس میں ایسے دو علماء بھی شامل ہیں۔ جن کی تحریر سودی نظام اور سودی بنکاری کے خلاف چھپی ہوئی موجود ہے لیکن اس موقع پر عدالت کی رہنمائی کے لئے سود کی حرمت اور اس کے متبادل کے موضوع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پر ایک جامع قسم کا مضمون ضبط تحریر میں لانا مناسب ہے تاکہ دعوت اور شہادت حق کا فریضہ ادا ہو جائے ورنہ سودی نظام کا خاتمہ سود خور حکومت کے خاتمے کے بغیر نہیں ہو سکتا اور شریعت کا نفاذ شریعت کی پابند حکومت کے قیام کے بغیر ممکن نہیں ہے وفاقی شرعی عدالت کے سامنے دیا گیا میرا بیان تو عدالت کے سوالات کے جوابات پر مشتمل تھا جو فیصلہ کے ضمیمہ ۸ میں شامل ہے اور حرمت سود کے نام سے کتابچہ کی شکل میں بھی دستیاب ہے مگر یہ مضمون پانچ نکات پر مشتمل ہے جو یہ ہیں۔

(۱) ربا کی حرمت (۲) ربا کی حقیقت (۳) شبہات کا ازالہ (۴) سودی حیلوں کی تردید (۵) اور متبادل تجاویز۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

## ربا کی حرمت

ربا کا حرام قطعی ہونا قرآن و سنت سے ثابت ہے اور اس کی حرمت پر دور نبویؐ سے لیکر آج تک فقہاء دین اور ائمہ مجتہدین کا اجماع چلا آرہا ہے۔ قرآن کریم میں سود خور کو مخبوط الحواس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جو بغیر کسی محنت کے دولت سمیٹنے اور لوگوں کا خون چوسنے میں دیوانہ اور پاگل ہو گیا ہو۔ اسی دیوانگی اور پاگل پن کی وجہ سے سود خور کہتے تھے کہ خرید و فروخت (تجارت) تو سود ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ اللہ نے خرید و فروخت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے۔ پس جسکو بھی اس کے رب کی جانب سے یہ نصیحت پہنچ گئی اور وہ باز آگیا' تو جو کچھ (حرمت کا حکم آنے سے) پہلے لے چکا ہے وہ اسی کا ہے۔ اور اس (کے باطن) کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو لوگ دوبارہ (سود کی جانب) پلٹ جائیں گے وہ دوزخ والے ہیں۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے" (البقرہ آیت نمبر ۲۷۵)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یہ آیت ربا کے حرام قطعی ہونے کی صریح اور قطعی دلیل ہے اور اس میں جنس ربا یعنی ہر قسم کے سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ خواہ سود مفرد ہو یا سود مرکب ہو' خواہ صرفی قرضوں کا سود ہو یا تجارتی قرضوں کا بینکوں کا سود ہو یا افراد کا سود ہو' بیرونی قرضوں کا سود ہو یا اندرونی قرضوں کا سود ہو غرض یہ کہ جس چیز پر ربا کی شرعی تعریف اور حقیقت صادق آتی ہو وہ حرام ہے الربا کا لفظ عام ہے اور اس کی تعریف الگ عنوان کے تحت آرہی ہے انشاء اللہ۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ربا کی حرمت قطعی ہے اس لئے کہ اس میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ حرمت ربا کا حکم آجانے کے بعد اس کو تجارت کی طرح حلال سمجھتے ہیں۔ اور اس کا لین دین جاری رکھتے ہیں تو وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ سود کو حرام قرار دینے اور اس پر وعید شدید سنانے کے بعد فرمایا:

اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو اللہ کا خوف کرو اور جو کچھ بھی باقی ہو سود میں سے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر سن لو جنگ کا اعلان' اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے۔ اور اگر تم نے توبہ کر لی تو ملیں گے تم کو اصل اموال (قرضے) نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ (البقرہ آیات نمبر ۲۷۸۔۲۷۹)

ان دو آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سود کو چھوڑ دینا تقاضائے ایمان ہے۔ اور سودی لین دین کو جاری رکھنا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنا ہے۔ دوسری بات یہ سامنے آئی ہے کہ جس طرح قرضے واپس نہ کرنا یا ان کی واپسی میں تاخیر کرنا ظلم ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ غنی کا قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔ اسی طرح قرض پر اضافہ لینا بھی ظلم ہے' سنگدلی ہے اور خود غرضی ہے۔ یہودیوں کی ذلت اور رسوائی کے اسباب میں سے ایک سبب ان کی سود خوری اور حرام خوری تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وہ سود لیتے تھے' حالانکہ وہ اس سے منع کئے گئے تھے۔ اور وہ لوگوں کا مال ناحق کھا لیتے تھے اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کرر کھا ہے۔ (النساء ۱۶۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہودیوں کی شریعت یعنی تورات میں بھی سود حرام تھا۔ تحریفات کے باوجود اس میں آج تک حرمت سود کے احکام چلے آرہے ہیں۔

اگر تم میرے لوگوں میں سے جس کسی کو بھی' جو تیرے آگے محتاج ہے' کچھ قرض دیدے تو اس سے بیاجیوں کی طرح سلوک مت کر اور سود مت لے (۱) تو اسے سود پر قرض نہ دے۔ نہ اسے نفع کے لئے کھانا کھلا" (۲)

ان واضح احکام کے باوجود یہودی اپنی سود خوری اور حرام خوری میں سب سے آگے ہیں۔ مسلمانوں نے بھی سودی معیشت کو اپنا لیا ہے' حالانکہ قرآن کریم میں سود کو حرام قرار دیا ہے۔ علامہ بدر الدین عینی نے لکھا ہے کہ سود تمام سابقہ شریعتوں میں حرام تھا۔ (۳) بلکہ ریاض یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر فضل الٰہی نے علوم اجتماعی کی بین الاقوامی انسائیکلوپیڈیا کے حوالے سے لکھا ہے کہ قدیم یونانی اور یورپی تہذیب میں بھی سود کے ذریعے دولت کمانے کو برا سمجھا جاتا تھا۔ (٤)

مسیحی علماء کے نزدیک سودی لین دین عدل وانصاف کے خلاف ہے۔ اور جو لوگ اس کو گناہ نہیں سمجھتے وہ پلید ہیں' دین سے خارج ہیں اور موت کے بعد کفن کے مستحق بھی نہیں ہیں نصاری کی مذہبی رہنماؤں کی جو پہلی عالمی کانفرنس ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی تھی اس نے ایک قرارداد منظور کی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ جو شخص سود لے گا یا اس کے لئے اپنا کوئی ایجنٹ مقرر کرے گا یا اس کے نفع کے لئے کوئی حیلہ کرے گا تو اس کے ساتھ سوشل بائیکاٹ کیا جائے گا اور اسے اپنے شہر میں اجنبی بنا دیا

(۱) خروج باب ۲۲.۳۷

(۲) احبار باب ۳۵.۳۷

(۳) عمدة القاری ج۱۱ ص ۲۰۰

(٤) التدابير الواقيه من الربا فی الاسلام۔ ۱۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جائے گا۔ حرمت ربا نصاریٰ کا مذہبی قانون تھا۔ جس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزائیں دی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ معاشرے پر مذہب کی گرفت کمزور ہوئی اور مذہبی رہنما بھی جدید مغربی تہذیب سے متاثر ہوئے تو ۱۵۴۵ء میں دس فیصد سود لینے کی اجازت کا قانون نافذ کر دیا گیا لیکن یہ قانون مذہب سے بغاوت کر کے بنایا گیا تھا۔ (۱)

افلاطون نے اپنی کتاب "القانون" میں اور ارسطو نے اپنی کتاب "السیاسۃ" میں لکھا ہے کہ ربا حرام ہے اور غیر فطری ذریعہ آمدن ہے (۲)

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ سود کی حرمت اور مذمت پر فلاسفر اور مذہبی رہنما دونوں متفق ہیں۔ قرآن کریم کی مذکورہ آیات اس کی حرمت پر قطعی الدلالت ہیں۔ ان آیات کی تائید و تشریح میں بہت زیادہ احادیث مروی ہیں۔ جن میں ربا کی حرمت۔ مذمت اور قباحت و شناعت بیان ہوئی ہے۔ ان میں سے چند احادیث یہ ہیں۔

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ سات تباہ کن گناہوں سے دور رہو صحابہؓ نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ یہ تباہ کن گناہ کونسے ہیں۔ فرمایا اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا' جادو کرنا' اس نفس کا قتل کرنا جس نفس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہو مگر حق کے ساتھ' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' اس دن پیٹھ پھیرنا جب دشمن کے لشکر کا سامنا ہو اور ان پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا جو ایمان دار ہوں اور بدکاری سے بے خبر ہوں (۳)

اس حدیث میں سود کھانے کو شرک' جادو اور قتل نفس کی طرح کا تباہ کن گناہ کہا گیا ہے۔ جو کبیرہ ہی نہیں بلکہ اکبر الکبائر گناہ ہے۔ بخاری کی ایک دوسری حدیث رسول ﷺ میں ایک طویل خواب کا ذکر ہوا ہے۔ جس میں سود خور کے بارے میں آیا ہے۔

---

(۱) التدابير الواقيه من الربا ۴۳ تا ۴۰

(۲) التدابير الواقيه من الربا ۳۴

(۳) صحيح بخاری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہم خون کے یک دریا پر پہنچے جس میں ایک شخص کھڑا تھااور کنارے پر ایک دوسرا شخص کھڑا تھا اس کے سامنے پتھر پڑے تھے۔جب بھی وہ شخص خون کے دریا سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا تو کنارے پر موجود شخص ایک پتھر اٹھا کر اس کے منہ میں پھینک دیتا اور اسے واپس اپنی پہلی جگہ پر پہنچا دیتا۔میں نے یہ پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے۔فرشتوں نے جواب دیا یہ شخص سود خور ہے۔(۱)

اس سچے خواب میں سود خور کو خون کے دریا میں اس لئے پیش کیا گیا تھا کہ سود خور دراصل خون خور درندہ ہوتا ہے۔جو لوگوں کا خون چوستا ہے۔اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ۔سود کھانا بڑا قبیح اور گھناؤنا جرم ہے اور بہت بڑی سنگدلی اور درندگی ہے۔

حضرت حنظلہؓ غسیل الملائکہ کے بیٹے عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ سود کا ایک روپیہ جسے ایک شخص حرمت کا علم ہونے کے باوجود کھاتا ہے تو اس کا گناہ ۳۶ مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ ہے۔"(۲)

ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ربا کی ۷۳ قسمیں ہیں جن میں سب سے ادنی قسم کا گناہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے۔"(۳)

ان احادیث میں ربا کو زنا کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔تاکہ لوگ اس سے متنفر ہو جائیں اس لئے کہ زنا اور پھر ماں کیساتھ زنا وہ قبیح وخبیث کام ہے جس کی قباحت وخباثت کا ہر شخص قائل ہے۔اور یہ جرم وہی شخص کر سکتا ہے۔جو بنیادی انسانی اخلاق سے عاری ہو۔اسی طرح سود کا مال بھی وہی شخص کھا سکتا ہے جو خود غرضی میں حیوان بن گیا ہو۔ معلوم ہوا کہ سود کھانے والا حرام خور ہی نہیں بلکہ حرام کار بھی ہے۔سود

---

(۱)صحیح بخاری

(۲) مسند احمد

(۳)مستدرک حاکم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



خوری اتنا بڑا جرم ہے کہ اس میں تعاون کرنے والے کو بھی ملعون کہا گیا ہے۔

ابن مسعودؓ اور جابر بن عبد اللہؓ دونوں سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے پر' کھلانے والے پر' اس کے لکھنے والے پر اور اس کی گواھی دینے والوں پر لعنت بھیجی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ سب برابر ہیں۔(۱)

امام مالک بن انسؒ نے فرمایا ہے کہ دو مہینے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت میں تلاش کیا تو مجھے سود سے زیادہ برا گناہ نظر نہ آیا اس لئے کہ اللہ تعالی نے اس کے بارے میں جنگ کا اعلان کیا ہے (قرطبی) قاعدہ یہ ہے کہ جس گناہ پر جہنم کی آگ کی وعید سنائی گئی ہو یا اس کے مرتکب پر لعنت کی گئی ہو تو وہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔ اس قاعدے کی روشنی میں دیکھا جائے تو سود کھانا نہ صرف یہ کہ کبیرہ گناہ ہے بلکہ یہ اکبر گناہ ہے۔ اس لئے کہ اس سے توبہ نہ کرنے والوں کو جہنم کی وعید بھی سنائی گئی ہے' اس کو جنگ کی خبر بھی سنائی گئی ہے۔ اور اس پر لعنت بھی بھیجی گئی ہے۔ انہی وجوبات کی بناء پر ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں:

"ربا کے کبیرہ گناہ ہونے پر امت کا اجماع ہے اس لیے کہ صحیح احادیث میں اسکو اکبر الکبائر کا نام دیا گیا ہے۔" (۲)

نہ صرف یہ کہ سود لینا دینا کبیرہ گناہ ہے بلکہ یہ قابل تعزیر جرم بھی ہے۔ عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں جو شخص سودی کاروبار کو جاری رکھتا ہو اور اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہو تو مسلمانوں کے امام کو حق حاصل ہے کہ اسے کہے کہ توبہ کرلو۔ اگر اس نے توبہ نہ کی اور سود سے باز نہ آیا تو امام اس کی گردن اڑادے۔(۳)

مشہور حنفی فقیہ اور مفسر امام جصاصؒ متوفی ۳۷۰ھ فاذنوا بحرب من الله و رسوله کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ سود خوری پر قائم رہنے والا شخص اگر

---

(۱) صحیح مسلم (۲) الزواجر للمکی (۳) ابن جریر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اسے حلال سمجھتا ہو تو وہ کافر ہے۔ اگر اس نے اپنی مدد کے لئے ایک جتھہ بنا لیا ہو تو مسلمانوں کا امیر اس کے ساتھ مرتدین جیسا سلوک کرے گا۔ لیکن اگر سود کے حرام ہونے کا اقرار تو کرتا ہو مگر عملاً سودی کاروبار کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہو اور اپنی حمایت میں اس نے لڑنے کے لئے جتھہ بندی کر لی ہو تو مسلمانوں کا امیر اس سے لڑے گا یہاں تک کہ وہ توبہ نہ کرلیں۔ (اس لئے کہ یہ لوگ باغی ہیں) البتہ اگر وہ جتھہ بندی کر کے لڑتے تو نہ ہوں مگر سودی کاروبار سے باز بھی نہ آتے ہوں۔ تو پھر امیر ان کو کوڑے مارنے یا قید کرنے کی سزا دیگا یہاں تک کہ وہ باز آجائیں۔ (۱)

سودی کاروبار کوئی شخصی معاملہ نہیں ہے بلکہ ایک اقتصادی معاملہ ہے اور ملکی قانون سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا کو بھی سودی لین دین کی اجازت نہیں دی جا سکتی اور اگر انہوں نے سودی کاروبار جاری رکھا تو یہ ریاست سے بغاوت متصور ہو گی۔ سنن ابو داؤد میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نجران کے نصارٰی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے جو معاہدہ کیا تھا اس کی ایک شرط یہ تھی کہ وہ سودی کاروبار نہیں کریں گے۔ امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج اور امام ابو عبیدؒ کی کتاب الاموال میں تصریح کی گئی ہے کہ اگر تم نے سودی کاروبار نہ چھوڑا تو ہمارے اور تمھارے درمیان معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ سود خوروں کے ساتھ مصالحت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ جب نجران کے نصارٰی نے حضرت عمرؓ کے دور میں سود لینا دینا دوبارہ شروع کیا تو انہوں نے ان کو جلاوطن کر دیا اس لئے کہ انہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی (۲)

---

(۱) احکام القرآن ج۲/ ۱۹۳

(۲) کتاب الاموال صفحہ ۱۸۲ کتاب الخراج صفحہ ۷۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# ربا کی حقیقت

سودی معیشت کے وکلا اس بات کو بڑے تکرار کے ساتھ دہراتے رہتے ہیں کہ ربا کی حقیقت قرآن وسنت میں بیان نہیں کی گئی بلکہ اس کو مجمل چھوڑ دیا گیا ہے اس لئے یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور ہم اپنے حالات اور دور جدید کے تقاضوں کے مطابق موجودہ بینکاری نظام کے بارے میں کوئی اجتہادی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ متجددین اور مغربی تہذیب کے مقلدین کی اس بے سروپا بات کی تردید ماہرین شریعت کی تحریروں میں بین الاقوامی سیمیناروں میں اور علمی و تحقیقی اداروں کی جانب سے دلائل کے ساتھ بار بار ہو چکی ہے جس کا معقول اور مدلل جواب یہ وکیل اب تک نہیں دے سکے ہیں لیکن پھر بھی اپنی بات کو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ دہراتے رہتے ہیں۔ مگر چونکہ ان دنوں سود کا مسئلہ ایک بار پھر موضوع بحث بن گیا ہے اس لئے ربا کی قانونی تعریف اور اصطلاحی مفہوم کی وضاحت ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ربا کی حرمت قطعی اور اجماعی ہے اس طرح ربا کی حقیقت بھی قرآن وسنت کی نصوص اور ان کی اجماعی تعبیر سے ثابت ہے جس میں کوئی ابہام اور اجمال نہیں ہے۔ نصوص کی اجماعی تعبیر کے خلاف اجتہاد کے ذریعے کوئی دوسری تعبیر کرنا تحریف اور ترمیم کے مترادف ہے' جس کا حق نہ کسی مفتی کو حاصل ہے' نہ کسی قاضی کو حاصل ہے' اور نہ کسی قانون دان کو حاصل ہے۔ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ قرآن کریم نے جس ربا کو حرام کیا ہے۔ جس کو تقاضائے ایمان کے خلاف قرار دیا ہے اور جس کے خلاف جنگ کا اعلان کیا گیا ہے اسے اللہ اور رسول ﷺ نے مجمل چھوڑ دیا ہو۔ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ قرآن کریم نے جس ربا کو حرام کیا ہے اس کی حقیقت بھی واضح کر دی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# ربا کی حقیقت قرآن وسنت

# اور آثار صحابہؓ وتابعینؒ کی روشنی میں

عربی زبان میں لفظ ربا کے لغوی معنے ہیں: زیادت اور اضافہ۔ علامہ جوہری متوفی ۳۹۳ھ نے عربی محاورہ نقل کیا ہے کہ ربا الشئیی زاد "یہ چیز بڑھ گئی اور زیادہ ہوگئی۔" ویربی الصدقات کے معنے ہیں "اور وہ صدقات کو بڑھاتا ہے۔" لیکن ظاہر ہے کہ ہر قسم کا اضافہ تو حرام نہیں ہے۔ کاشتکار زمین میں جو بیج بوتا ہے اس سے کئی گنا زیادہ پیداوار اسے ملتی ہے اور حلال ہے اسی طرح تاجر اور صنعت کار جو سرمایہ کاری کرتا ہے اسے بھی اضافہ اور نفع ملتا ہے جو حلال ہے اس لئے کہ یہ نفع اور اضافہ متعین بھی نہیں ہوتا اور یقینی بھی نہیں ہوتا بلکہ خسارے اور نقصان کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب زراعت 'تجارت اور صعنت میں لگائے گے سرمائے پر نفع اور اضافہ حلال ہے تو پھر وہ کونسا نفع اور اضافہ ہے جو ربا کہلاتا ہے اور حرام ہے؟ قرآن کریم سے اس سوال کا جواب ہم کو یہ ملتا ہے کہ (قرض کی اصل رقم پر جو نفع اور اضافہ بطور شرط و معاہدہ لیا اور دیا جائے وہ ربا ہے) قرآن کریم کہتا ہے کہ۔۔ چھوڑ دو جو کچھ باقی ہے سود میں سے اگر تم مؤمن ہو۔(البقرہ ۲۷۸)

اور اگر تم سود سے توبہ کر لوگے تو ملیں گے تم کو تمہارے اصل مال۔(البقرہ ۲۷۹)

اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو آسودہ حالی تک انتظار کرنا ہوگا۔(البقرہ ۲۸۰)

اصل اموال "اگر وہ تنگ دست ہو" اور "کشادہ دستی تک انتظار کرنا ہوگا" یہ الفاظ بغیر کسی ابہام کے صراحت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں کہ ربا قرض پر اضافے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالی نے حکم دیا ہے کہ مہلت اور مدت کے بدلے میں تم جو نفع اور اضافہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لیتے ہو اسے چھوڑ دو اور اپنا اصل قرضہ وصول کر لو اگر مقروض اصل قرض بھی ادا نہ کر سکتا ہو۔ تو انتظار کرو یا معاف کر دو اس وضاحت وصراحت کے باوجود یہ کہنا کہ قرآن نے ربا کی حقیقت بیان نہیں کی ہے بلکہ اسے مجمل چھوڑ دیا ہے بہت بڑی زیاتی ہے جو بعض لوگ کر رہے ہیں۔ یہی مفہوم احادیث و آثار سے بھی معلوم ہوتا ہے جو قرآن کی تفسیر و تفہیم کا مستند ذریعہ ہیں۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے۔

"ہر قسم کے قرض پر نفع لینا دینا ربا ہے۔" (۱)

اصل میں یہ حدیث تیسری صدی کے محدث حارث بن محمد تمیمی متوفی ۲۸۲ کی کتاب "مسند حارث میں سند کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔ اس کی سند میں سوار بن مصعب نام کا ایک راوی آیا ہے جو اگرچہ ضعیف راوی ہے لیکن جس حدیث کے شواھد موجود ہوں وہ سند اضعیف ہونے کے باوجود قابل استدلال ہوتی ہے اور اس کے شواھد موجود ہیں۔ امام بیہقی نے کل قرض جر منفعۃ کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے جس کے تحت حضرت عمرؓ ابن مسعودؓ ابی بن کعبؓ ابن عباسؓ فضالہ بن عبیدؓ اور عبداللہ بن سلامؓ سے روایات نقل کی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے۔ کہ قرض پر نفع لینا سود ہے۔ (۲)

ان چھ شواہد کی بنا پر امام الحرمین اور امام غزالی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ جیسا کہ ابن حجرؒ نے التلخیص الجیر میں نقل کیا ہے۔ (ص ۳۴ ج ۳)

اور "الجامع الصغیر" کی شرح "السراج المنیر" میں اسے حسن لغیرہ قرار دیا گیا ہے جو قابل استدلال حدیث ہوتی ہے۔ (۳)

---

(۱) المطالب العالیہ از ابن حجرؒ ۴۱۱ ج ۱

(۲) سنن کبریٰ بیہقی ۳۴۹، ۳۵۰ / ج ۵

(۳) اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی ۴۹۹ / ج ۱۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ایک شخص ابن عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ایک شخص کو قرض دیا ہے مگر شرط یہ لگائی ہے کہ مجھے اس سے زائد دو گے جو میں نے تمہیں دیا ہے۔ ابن عمرؓ نے فرمایا یہی تو ربا ہے۔(۱)

زید بن اسلمؒ مجاہد بن جبرؒ اور قتادہ بن دعامہؒ مشہور و معروف تابعین ہیں جنہوں نے صحابہؓ سے تفسیر و حدیث کا علم حاصل کیا تھا۔ انہوں نے بھی اسطرح فرمایا کہ ربا مہلت اور مدت کے بدلے میں اصل قرض پر اضافہ کو کہتے ہیں۔ دور جاہلیت میں یہی ربا مروج تھا جسے قرآن نے حرام کر دیا ہے۔(۲)

مذکورہ قرآنی آیات' حدیث رسول ﷺ چھ آثار صحابہؓ اور تین آثار تابعینؒ میں ربا کی جو حقیقت بیان ہوئی ہے وہ یہی ہے کہ قرض پر بطور شرط نفع اور اضافہ "ربا" ہے اور حرام ہے۔

# ربا کی حقیقت مفسرین کی نظر میں

مفسرین چونکہ قرآن کی تفسیر احادیث اور آثار کی روشنی میں کرتے ہیں۔ اور یہی صحیح طریقہ تفسیر ہے۔ اس لئے انہوں نے بھی ربا کی تعریف وہی کی ہے جو صحابہؓ اور تابعینؒ نے کی ہے چند حوالے ملاحظہ کیجئے۔

امام جصاص متوفی ۳۷۰ھ فرماتے ہیں:

جس ربا کو عرب جانتے تھے اور جس کا لین دین کرتے تھے وہ یہ تھا کہ وہ ایک مقررہ مدت تک روپوں اور اشرفیوں کا قرض دیتے تھے اور اصل قرض پر باہمی رضا مندی سے کچھ زائد رقم مقرر کر لیتے تھے۔ پس یہی مشروط اضافہ ربا ہے"(۳)

---

(۱) مؤطا امام مالك ج ۲ صفحه ۶۷۲

(۲) مؤطا امام مالك اور ابن جرير (۳) احكام القرآن ج ۲ / ۱۸۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۴ھ لکھتے ہیں :

ادھار کا سود دور جاہلیت میں معروف تھا جس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ لوگ اس شرط پر دیتے تھے کہ وہ ایک مقررہ مقدار ماہانہ لیتے رہیں گے اور اصل رقم اپنی جگہ رہتی۔" (۱)

ابن حجر مکیؒ متوفی ۹۷۴ھ نے ربا کے اقسام وانواع پر بحث کرتے ہوئے ربا النسیہ یعنی عربوں میں متعارف اور مروج ربا کی وہی حقیقت بیان کی ہے۔ جو امام رازی نے بیان کی ہے۔ (۲)

مذکورہ بالا تعریف سود کی ایک قسم کی ہے کہ قرض دیتے وقت اصل رقم پر کچھ زائد رقم مقرر کردی جاتی تھی۔ اگر مقررہ وقت میں قرض بمعہ طے شدہ سود کے واپس کر دیا جاتا تو معاملہ ختم ہو جاتا سود در سود یعنی سود مرکب کی ضرورت نہ پڑتی لیکن اگر ادائیگی نہ ہو سکتی تو سود بڑھتا جاتا یہاں تک کہ کئی گنا زیادہ ہو جاتا۔ سود کی ایک دوسری قسم یہ تھی کہ ابتدا میں تو بغیر سود کے رقم دی جاتی لیکن جب ادائیگی کا وقت آجاتا اور مقروض قرض واپس نہ کر سکتا تو مدت بڑھانے کے بدلے میں سود عائد کر دیا جاتا جو مدت کے بڑھنے کے ساتھ بڑھ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات اضعافاً مضاعفۃ تک پہنچ جاتا۔ مفسرین نے اس قسم کے ربا کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے۔

ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ فرماتے ہیں :

وہ اضافی رقم حرام ہے۔ جو قرض دینے والے کے لئے اس لئے بڑھادی جاتی تھی کہ وہ اپنے مقروض کے لئے مدت بڑھادیتا تھا اور قرض کی وصولی مؤخر کر دیتا تھا۔ (۳)

(۱) تفسیر کبیر ج ۲ ص ۹۱

(۲) الزواجر ج ۱ صفحہ ۳۶۹

(۳) ابن جریر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امام طحاویؒ متوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

ربا کی شکل یہ ہوتی تھی کہ مقروض قرض دینے والے کو کہتا کہ مجھے اتنی مہلت اور دیدو تو میں اتنے روپے تمہارے قرض میں بڑھادوں گا۔" (۱)

امام بغویؒ ۵۱۶ھ اور قاضی ابن العربی متوفی ۵۴۷ھ دونوں نے لکھا ہے:

ربا عربوں میں ایک معروف چیز تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص کے ساتھ وقت مقررہ تک قرض کا کوئی معاملہ کرتا جب میعاد آجاتی تو مقروض کہتا کہ مدت بڑھا دو میں تمہارے قرض میں اضافہ کردوں گا۔ تو اللہ تعالی نے سود کو حرام کردیا۔ (۲)

# ربا کی حقیقت اجماع امت کی روشنی میں

مذکورہ آثار صحابہ و تابعین اور اقوال مفسرین سے معلوم ہوا کہ عربوں کے دور جاہلیت میں ربا کی مذکورہ قسمیں مروج تھیں اور حرمت ربا کی آیات دونوں پر صادق آتی ہیں اور دونوں حرام ہیں اسلئے کہ ربا کی قانونی تعریف اور شرعی حقیقت دونوں پر صادق آتی ہے ربا کی مذکورہ حقیقت اجماعی ہے اختلافی نہیں ہے تاکہ اجتہاد کے ذریعے کسی ایک تعریف کو دوسری تعریف پر ترجیح دی جائے۔

ابن عبد البر مالکیؒ متوفی ۴۶۳ھ فرماتے ہیں:

مسلمانوں نے اپنے نبی سے نقل کی بنا پر اجماع کرلیا ہے کہ قرض پر اضافے کی شرط لگانا سود ہے اگرچہ ایک مٹھی گھاس ہو۔ یا ایک دانہ ہو" (۳)

امام قرطبیؒ نے بھی ربا کی مذکورہ تعریف کو اجماعی قرار دیا ہے اور ابن رشد نے بھی

---

(۱) شرح معانی الآثار

(۲) معالم التنزیل ج ۱ / صفحہ ۳۱٤ احکام القرآن ج ۱ صفحہ ۳۲۰ / ۳۲۱

(۳) التمهید طبع لاهور ۱۹۸۳، ج ٤ صفحه ٦٨

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اسے اجماعی کہا ہے۔ مذکورہ بحث سے ربا کی وہی حقیقت سامنے آگئی جس کا ذکر اس عنوان کے آغاز میں ہوا تھا کہ قرض کی اصل رقم پر جو نفع اور اضافہ بطور شرط و معاہدہ لیا و دیا جائے وہ ربا ہے۔" اس تعریف میں کوئی اشتباہ و ابہام نہیں ہے اور قاضی ابن العربیؒ نے صحیح فرمایا ہے کہ:

جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ربا کی آیت مجمل ہے تو انہوں نے شریعت کے قطعی اور طے شدہ احکام کو نہیں سمجھا۔" (۱)

مذکورہ عنوان کے تحت ربا کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس کو ربا القرآن کہتے ہیں اس لئے کہ اس کی حرمت قرآن سے ثابت ہے اور ربا کی آیات اسی کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ اسے ربا جلی اور ربا حقیقی بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ کھلا اور حقیقی معنوں میں ربا ہے صرف سود کا ذریعہ نہیں ہے۔ لیکن اس کا مشہور نام ربا النسیہ اور ربا الدیون ہے اس لئے کہ یہ سود قرض یا دین پر لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ نے اسامہ بن زیدؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "نہیں ہے ربا مگر ادھار میں۔" یعنی قرض اور دین میں۔ (۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ کھلا اور حقیقی ربا وہی ہے جو ادھار رقم پر لیا اور دیا جائے۔ یہی وہ سود ہے جو آج کل بینکوں میں لیا اور دیا جا رہا ہے۔ افسوس اور حیرت ہے کہ ہم بینکوں کے سود کے حرام ہونے یا حلال ہونے پر بحث کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ مسئلہ علمی اداروں سیمیناروں اور کانفرسوں میں طے کر دیا گیا ہے اور بینکوں کے سود کے ربا ہونے پر ایک قسم کا اتفاق ہو چکا ہے۔ جو لوگ اس بارے میں شکوک و شبہات پھیلا رہے ہیں وہ مغربی فکر کو تاویلات کے ذریعے منوانا چاہتے ہیں۔ ماہرین شریعت کے

---

(۱) احکام القرآن ج ۱ / ۳۲۱

(۲) بخاری کتاب البیوع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



متفقہ فیصلوں کے مقابلے میں چند متجددین اور مغرب کے مقلدین کی بے سروپا تاویلات کی کوئی حیثیت نہیں ہے جن میں قرآن سنت کی محکمات کو متشابہات بنانے کی کوشش کی جارہی ہے اور کولھو کے بیل کی طرح چکر کاٹ کر وہی پرانی بحثیں چھیڑی جارہی ہیں جن کا فیصلہ امت مسلمہ کے اداروں اور مختلف مجالس میں ہو چکا ہے۔ پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء اور مراکز اور مدارس فیصلہ کر چکے ہیں۔ کہ بینکوں کا سود ربا ہے۔ پاکستان اسلامی نظریاتی کونسل بھی متفقہ طور پر اپنے قیام سے لیکر آج تک یہی فیصلہ کرتی چلی آرہی ہے کہ بینکوں کا سود حرام ہے۔ اور ربا ہے۔ مئی ۱۹۶۵ میں مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ (ادارہ تحقیقات اسلامیہ) کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا تھا جس میں ۳۵ اسلامی ممالک کے مندوبین نے شرکت کی تھی اس میں اتفاق رائے سے بینکاری نظام کے بارے میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ: قرض کے تمام اقسام پر طے شدہ منافع ربا ہے۔ اور حرام قرار دیا گیا سود ہے۔ چاہے وہ صرفی قرض ہو یا پیداواری قرض ہو ان میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کی حرمت کے بارے میں کتاب و سنت میں واضح نصوص موجود ہیں۔ سود تھوڑا ہو یا زیادہ ہو حرام ہے۔

۱۹۸۳ء میں اسلامی بینکوں کے لئے کویت میں منعقد اجلاس میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ مغربی ماہرین اقتصادیات کی اصطلاح میں جو چیز سود کہلاتی ہے وہ ربا ہے اور شرعی طور پر حرام ہے۔ یہ اجلاس مالدار مسلمانوں سے سفارش کرتا ہے کہ وہ اپنی رقوم عرب ممالک اور بلاد اسلامیہ میں واقع اسلامی بینکوں، اداروں، اور کمپنیوں میں جمع کرائیں۔ سودی بینکوں اور اداروں میں رقوم جمع کراتے رہنا شرعی طور پر جرم ہے۔ چاہے عملی طور پر سود سے گریز کیا جائے۔

۱۹۸۶ء میں رابطہ عالم اسلامی کی فقہ اکیڈمی کا۔ نواں اجلاس مکہ مکرمہ میں منعقد ہوا تھا جس میں سودی بینکاری کے موضوع پر تفصیلی بحث ہوئی اور مجلس نے بالاتفاق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فیصلہ کیا تھا کہ "اسلامی ممالک اور دوسرے ممالک میں اقتصادیات کے موضوع پر منعقدہ اجلاسوں اور سیمیناروں میں ہم نے دیکھ لیا ہے کہ سود کی حرمت پر اجماع ہو چکا ہے اور ان اجتماعات نے لوگوں پر ثابت کر دیا ہے کہ سود کے متبادل اسلامی طریقہ پر بینک اور ادارے چلائے جا سکتے ہیں۔ تمام مسلمانوں کو سود کے لین دین اور اس کی کسی صورت میں معاونت سے جس سے اللہ تعالی نے منع فرمایا ہے اجتناب کرنا چاہیے مجلس اسلامی بینکوں کے قیام کو اس لحاظ سے قابل تحسین خیال کرتی ہے کہ یہ سودی بینکوں کے متبادل ہے۔ مجلس اسلامی بینکوں کے قائم کرنے والے افراد سے مطالبہ کرتی ہے کہ ان کو چلانے کے لئے صالح اور نیک مسلمان منتخب کیے جائیں ان میں اسلام کے احکام اور اس کے آداب کا شعور پیدا کرنا چاہیئے نیز ان میں دین کے سمجھنے کی صلاحیت ہونی چاہیئے تاکہ ان کے معاملات اور ان کے تصرفات اسلامی احکام کے مطابق ہوں۔

دسمبر ۱۹۸۵ء میں اسلامی کانفرنس کی قائم کردہ اسلامی فقہ اکیڈمی نے قرارداد منظور کی کہ ایسے قرض پر ہر قسم کا اضافہ جس کی مدت پوری ہو چکی ہو اور مقروض مقرر مدت میں ادا کرنے سے عاجز ہو شرعی طور پر حرام ہے۔ اسی طرح اگر نفع معاہدہ کے شروع میں ہی طے ہو وہ بھی حرام ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں یہ زیادتی والا سود ہے۔ اسلامی ممالک کو اسلامی بینکاری کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے اور ہر اسلامی ملک میں ان کے قیام کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔

مذکورہ اجلاسوں کے فیصلے ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی کتاب فوائد البنوک ھی الربا الحرام کے ضمیمہ جات سے ماخوذ ہیں۔

دسمبر ۱۹۸۹ء میں فقہ اکیڈمی ھند کا دوسرا سیمینار دہلی میں منعقد ہوا تھا جس میں ۷۰ ممتاز علماء دین اور ماہرین شریک ہوئے تھے بحث و مباحثہ اور غور فکر کے بعد اس سیمینار کی جو متفقہ رائے بنی تھی وہ حسب ذیل ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سود خواہ ذاتی مصارف کے قرضوں پر لیا دیا جائے یا تجارتی و کاروباری قرضوں پر، شریعت اسلامیہ کی نظر میں بہر حال حرام ہے یہ سمجھنا کہ سود کی حرمت کا اطلاق تجارتی اور کاروباری قرضوں پر نہیں ہوتا قطعاً غلط ہے۔ قرآن و سنت، اجماع و قیاس اور امت محمدیہ کا عمل متوارث سب یہی بتاتے ہیں۔ کہ حرمت ربا کے بارے میں اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا کہ قرض لینے اور دینے کا مقصد اور محرک کیا ہے۔ سود کی حرمت پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا کہ شرح سود کم ہے یا زیادہ، مناسب حد تک کم ہے یا مناسب حد سے زیادہ شریعت اسلامی میں اس بات کو تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ شرح سود اگر مناسب حد تک کم ہے تو سودی لین دین جائز ہو اور اگر نامناسب حد تک زیادہ ہو تو ناجائز۔ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔ دونوں صورتیں بہر حال حرام ہیں۔ دلائل شرعیہ اس طرح کی کسی تفریق کی اجازت نہیں دیتے۔(۱)

میں نے قرآن و سنت، آثار صحابہ و تابعین، مفسرین کے اقوال اور اجماع امت کے مستند حوالوں کی روشنی میں ربا الدیون کی حرمت اور حقیقت کی جو وضاحت کی ہے مسلمانوں کے اجتماعی تحقیق کے اداروں کی تحقیق بھی یہی ہے۔ اس اجتماعی تحقیق اور نصوص کی اجماعی تعبیر کے بعد جو لوگ اجتہاد کرنے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔ ان کا مقصد تلاش حق نہیں ہے۔ بلکہ ایک طے شدہ مسئلہ کو ادھر ادھر کی بولیاں بول کر مشتبہ بنانے کی کوشش کرنا ہے ہمارے ملک کے وکلا کی غالب اکثریت ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو مروجہ انگریزی قوانین اور عدالتی پروسیجر میں تو مہارت اور تجربہ رکھتے ہیں۔ لیکن قرآن و سنت اور شرعی احکام میں ماہرانہ بصیرت نہیں رکھتے اور شرعی عدالتوں میں پیش ہو کر سطحی اور کچی باتیں کہہ کر مسئلے کو سلجھانے کی بجائے مزید الجھا

(۱) جدید فقہی مباحث ج ۲ / صفحہ ۵٦۹ طبع کراچی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دیتے ہیں۔ یہی وہ المیہ ہے جس سے ہمارا معاشرہ دوچار ہے۔

## شبہات کا ازالہ

متجددین اور سودی نظام کے مؤیدین مسئلے کو الجھانے کیلئے بعض شبہات کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ ان شبہات کا جواب اہل علم کی جانب سے کئی مرتبہ دیا جا چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ لوگ ان شبہات کو بار بار دہراتے ہیں اور اپنی عادت سے باز نہیں آتے۔ ان دنوں سود کا مسئلہ پھر موضوع بحث بنا ہوا ہے اور سود کے حامی وکلا۔ ان شبہات کو پھر اٹھا رہے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کا ازالہ بھی اس مضمون میں کر دیا جائے۔

## حضرت عمرؓ کا قول

ان لوگوں کا پہلا شبہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا:

"ربا کی آیت آخر میں نازل ہوئی تھی اور رسول اللہ ﷺ ان کی تفسیر و تشریح کرنے سے پہلے وفات پا چکے اس لئے تم ربا کو بھی چھوڑ دو اور جس میں ربا کا شبہ ہو اسے بھی چھوڑ دو" (۱)

سودی معیشت کے حامیوں کا مقصد یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ربا کی تشریح نہیں کی تو ربا کی حقیقت مجمل ہے۔ اور ہم اجتہاد کے ذریعے اپنے حالات کے مطابق تعبیر کر سکتے ہیں کہ کونسا ربا حرام ہے اور کونسا حلال ہے۔ لیکن دوسری روایت میں ابواب من ابواب الربا کے الفاظ آئے ہیں اور ابن کثیرؒ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ بذالك بعض مسائل التی فیھا شائبة الربا یعنی حضرت عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ

---

(۱) مسند احمد ج ۱ / صفحہ ۳۶ ابن ماجہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ربا کے بعض اقسام اور جزئیات کا علم ہم رسول اللہ ﷺ سے حاصل نہیں کر سکے لہذا تم مشتبہ قسم کے ربا کو بھی چھوڑ دو۔(۱)

معلوم ہوا کہ عمر فاروقؓ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ہم کو ربا کی حقیقت معلوم نہیں ہے۔بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی جزئیات کی مکمل تفصیل بیان نہیں کی یہی وجہ ہے کہ ایک روایت میں حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ ربا کی بعض قسمیں ایسی بھی ہیں جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔(۲)

ربا کی وہ قسم جو کسی پر پوشیدہ نہیں ہے وہ ربا لدیون اور ربا النسیئہ ہے۔ جس کی اجماعی تعریف پہلے بیان ہو چکی ہے۔حضرت عمرؓ کو جس قسم کی تفصیلات اور جزئیات کے تعین میں اشکال پیش آیا تھا وہ ربا البیوع یا ربا الفضل ہے جس کا ذکر ابو سعیدؓ کی حدیث میں ہوا ہے کہ "سونا سونے کے بدلے میں چاندی چاندی کے بدلے میں کھجور کھجور کے بدلے میں گندم گندم کے بدلے میں 'جو جو کے بدلے میں اور نمک نمک کے بدلے میں بیچے جاسکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ برابر برابر ہوں اور دست بہ دست ہوں۔جس نے زیادہ لیا یادیا تو سود کا لین دین کیا لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔"(۳)

البتہ اگر جنس مختلف ہو مثلاً گندم کا تبادلہ جو سے یا سونے کا چاندی سے تو پھر برابری ضروری نہیں مگر دست بہ دست ہونا پھر بھی ضروری ہے۔جیسا کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ "جب ان چیزوں کی اصناف مختلف ہوں تو پھر جس طرح چاہو بیچو کمی بیشی کے ساتھ۔بشرطیکہ معاملہ دست بہ دست ہو۔" (٤)

ان چھ چیزوں کی خرید و فروخت میں دست بدست کے ضروری ہونے اور ادھار

---

(۱)ابن کثیر البقرہ آیت ۲۷۵

(۲)مصنف عبدالرزاق ص۲۶ ج۸

(۳)صحیح مسلم کتاب المساقات

(۴)مسلم باب الصرف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے ممنوع ہونے کی حکمت حضرت عمرؓ نے یہ بیان کی ہے کہ "مجھے خطرہ ہے کہ اس طرح تم کہیں حقیقی سود میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔" (۱)

حافظ ابن قیمؒ امام شاطبیؒ اور شاہ ولی اللہؒ نے حضرت عمرؓ کی بیان کردہ اسی علت کی روشنی میں لکھا ہے کہ ربا الفضل کے حرام ہونے کی علت حقیقی ربا کا راستہ بند کرنا ہے تاکہ لوگ اسے حقیقی ربا یعنی قرض پر اضافے کا ذریعہ نہ بنا سکیں فاروق اعظم کو اشکال اسی قسم میں پیش آیا تھا کہ آیا کہ یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا ان کے علاوہ کچھ دوسری اشیاء بھی اس حکم میں داخل ہیں؟ چنانچہ مذکورہ چھ چیزوں کے علاوہ دوسری اشیاء میں ربا الفضل کا ضابطہ اور قاعدہ اجتہادی اور قیاسی ہے اور اس میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے مگر ربا الدیون اور مذکورہ چھ چیزوں میں ربا الفضل کے حرام ہونے میں نہ کسی کو اشکال واشتباہ ہوا ہے اور نہ اس کے حرام ہونے میں کسی کا اختلاف ہے۔ البتہ ابن عباسؓ کو ربا الفضل کے بارے میں پہلے شبہ تھا مگر ابو سعید خدریؓ سے مذکورہ حدیث سننے کے بعد انکا شبہ بھی زائل ہو گیا تھا۔

## اضعافاً مضاعفۃً

دوسرا شبہ یہ ہے کہ عربوں میں سود مرکب یعنی سود در سود مروج تھا۔ سود مفرد جاہلیت میں مروج ہی نہیں تھا اس لئے قرآن نے سود مرکب کو حرام کیا ہے جس میں سود اصل رقم سے کئی گنا زیادہ بڑھ جاتا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آل عمران میں فرمایا ہے:

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو سود کو کئی گنا بڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ کا خوف کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔" (آل عمران آیت ۱۳۰)

لیکن اس کا ثبوت ہم پہلے مستند حوالوں کیساتھ پیش کر چکے ہیں کہ دور جاہلیت

---

(۱) مؤطا امام مالک باب الذھب بالذھب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



میں سود مفرد بھی مروج تھااور سود مرکب بھی مروج تھا۔اور سود کی حرمت کے بارے میں آخری آیت سورۃالبقرہ کی آیات ہیں جن میں ہر قسم کے سود کو حرام کیا گیا ہے خواہ مفرد ہویا مرکب حرم الربا وذروا ما بقی من الربااور فلکم رؤس اموالکم سے صراحتاً ثابت ہو تا ہے کہ راس المال یعنی قرض کی اصل رقم پر اضافہ حرام ہے خواہ ایک روپیہ ہویا کئی گنازیادہ ہو۔باقی رہی مذکورہ آیت میں اضعافاً مضاعفةً کی قید تو یہ حرمت کی شرط تو نہیں ہے بلکہ امر واقعہ کا اظہار ہے کہ عربوں میں یہ جرم عظیم بھی مروج تھا کہ سود کی رقم بعض اوقات اصل قرضے سے کئی گنا بڑھ جاتی تھی۔ قرآن نے جب اصل رقم پر اضافہ لینے کو ظلم کہا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تھوڑ ظلم تو حلال ہو مگر زیادہ ظلم کرنے سے منع کر دیا ہو۔اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کہ کوئی شخص کہے کہ عورت کی مرضی کے بغیر اس کے ساتھ زنا کرنا یا کروانا تو حرام ہے مگر باہمی رضامندی سے زنا کرنا حرام نہیں ہے'اس لئے کہ اللہ تعالی نے سورۃ نور کی آیت ۳۳ میں فرمایا ہے کہ "تم اپنی لونڈیوں کو زنا کرنے پر مجبور نہ کرو اگر وہ اس سے اپنے آپ کو بچانا چاہتی ہوں تا کہ تم اس کے ذریعے دنیوی فائدہ حاصل کرو ظاہر ہے یہ قید اس لئے تو نہیں لگائی گئی کہ زبردستی زنا کروانا پیسے کمانے کے لئے تو حرام ہے مگر اجرت کے بغیر باہمی رضامندی سے زنا کرنا حلال ہے اس لئے کہ دوسری آیت میں بغیر کسی قید و شرط کے فرمایا گیا ہے کہ زنا کے قریب نہ جاؤ اس لئے کہ یہ بے حیائی کا کام ہے۔بلکہ یہ قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ دنیا کمانے کے لئے لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرنا عام زنا سے بڑا گناہ ہے اس لئے کہ یہ تین گناہوں کا مجموعہ ہے'ایک زنا کروانا دوسرا زنا پر مجبور کرنا اور تیسرا اس پر پیسے کمانا۔یا مثلاً اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ "میری آیات کے بدلے میں تھوڑی قیمت نہ لیا کرو۔" (البقرہ ۴۱) لیکن اس کا مقصد یہ تو نہیں لیا جا سکتا کہ زیادہ قیمت لینا جائز ہے۔یا سورۃ النساء کی آیت ۳۲ میں فرمایا ہے کہ "جن بیویوں کیساتھ تم ہم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بستری کر چکے ہو ان کی ان بیٹیوں کے ساتھ تمہارا نکاح حرام ہے جن کی تم نے اپنے گھروں میں پرورش کی ہو۔" مگر اس کا یہ مفہوم تو کسی نے بھی نہیں لیا کہ بیویوں کی جو بیٹیاں تمہارے گھروں میں اور تمہاری کفالت میں نہ رہی ہوں وہ تم پر حلال ہیں یا مثلا حدیث میں آیا ہے کہ پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کے تعلقات قائم کرنا بڑا گناہ ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ دوسری کسی عورت کے ساتھ ایسے تعلقات قائم کرنا گناہ نہیں ہے۔ ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ان مثالوں میں لگائے گئے قیود حرمت کی شروط نہیں ہیں بلکہ امر واقعہ کا اظہار ہے کہ لوگ ایسا بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح اضعافًا مضاعفةً کی قید اس لئے نہیں لگائی کہ کم مقدار میں سود لینا جائز ہے بلکہ اس لئے لگائی ہے کہ یہ بڑا ظلم ہے جو عربوں میں مروج تھا اس بارے میں یہ حدیث قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے کہ ربا کا ایک روپیہ جسے کوئی شخص جان بوجھ کر کھاتا ہے ۳۶ مرتبہ زنا کرنے سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اس حدیث کے بارے میں حافظ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اسے احمد بن حنبلؒ اور طبرانی نے نقل کیا ہے اور احمد بن حنبل کی سند کے راوی صحیح حدیث کے راویوں کی شرائط پر پورے اترتے ہیں۔(۱)

حافظ ابن جوزیؒ نے حسین بن محمد کی وجہ سے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے القول المسدد فی الذب عن مسند الامام احمد میں لکھا ہے کہ حسین بن محمد بخاری و مسلم دونوں کے نزدیک قابل استدلال ہے۔ اتنی واضح حدیث کے باوجود کیا ہر قسم کے ربا کے حرام ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی رہ سکتا ہے؟ اس کے علاوہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اضعافاً مضاعفةً کی قید حرمت سود کی ایک شرط ہے اس آیت میں سود مرکب ہی کو حرام کیا گیا ہے تو یہ شرط سورۃ البقرہ کی آیت سے منسوخ ہو گئی ہے اس لئے کہ سورۃ البقرہ کی آیات الربا سب سے آخر میں نازل ہوئی تھیں جیسا کہ بخاری کتاب التفسیر میں ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

---

(۱) مجمع الزوائد ٤ ص ١١٧ كتاب البيع باب الربا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# تجارتی اور کاروباری قرضوں پر سود کا لین دین

تیسرا شبہ سودی بینکاری کے حامیوں اور جدت پرستوں کا یہ ہے کہ اسلام نے تجارت 'صنعت' زراعت اور دوسری پیداواری قرضوں پر سود لینا دینا حرام نہیں کیا۔ بلکہ ان قرضوں پر سودی لین دین حرام کیا ہے جو اپنے ذاتی اور گھر کے اخراجات پورے کرنے کے لئے لئے گئے ہوں۔ یعنی صرفی قرضوں کا سود ربا ہے اور حرام ہے مگر پیداواری قرضوں کا سود ربا میں شامل ہی نہیں ہے بلکہ یہ تو کاروبار کا نفع ہے۔ ان وکیلوں کا دعوی ہے کہ تجارتی اور پیداواری قرضوں کا دور جاہلیت میں رواج ہی نہیں تھا۔ قرضے لوگ اپنی ضروریات اور اخراجات پر خرچ کرنے کے لئے لیتے تھے۔ قرآن نے اسی قسم کے قرضوں پر سود لینے کو ظلم کہا ہے اور حرام قرار دیا ہے۔ اس شبے کو بطور دلیل پیش کیا جارہا ہے اور ہر جگہ دوہرایا جارہا ہے حالانکہ اس کا جواب بڑی وضاحت کے ساتھ عالم اسلام کے ماہرین شریعت کی جانب سے بار بار دیا جاچکا ہے اور مختلف اجلاسوں اور سیمیناروں میں اس شبہے کو بے بنیاد قرار دیا جاچکا ہے بہر حال اس مضمون میں ایک مرتبہ پھر جواب دیا جارہا ہے کہ سب سے پہلے تو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ تجارتی قرضوں کا سود کاروبار کا نفع نہیں ہے بلکہ قرض پر متعین اور مشروط اضافہ ہے جو یقیناً ربا کی تعریف میں آتا ہے اور حرام ہے کاروباری سرمایہ وہ ہوتا ہے جس کا نفع یقینی بھی نہ ہو اور متعین بھی نہ ہو بلکہ اس میں خسارے اور نقصان کا خطرہ بھی ہو دوسری بات یہ ہے کہ اس سوال کی کوئی قانونی اہمیت بھی نہیں ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ تجارت اور کاروبار کے لئے قرض لیتے تھے یا نہیں؟ اور اس پر سود دیتے تھے یا نہیں؟ اصل اہمیت قانون کے متن کو حاصل ہوتی ہے دنیا کی کسی بھی عدالت کے سامنے جب ایسا تحریری قانون پیش کیا جائے جس کے متن کے الفاظ عام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہوں اور ان میں تخصیص واستثناء کا کوئی فقرہ موجود نہ ہو اور مجموعہ قوانین میں کوئی دوسری دفعہ بھی تخصیص واستثناء کرنے والی موجود نہ ہو تو عدالت اسے عام ہی رہنے دیگی اور قانون جس پر بھی صادق آتا ہو اسپر انطباق کا فیصلہ کریگی یہ وہ قانونی نقطہ ہے جس سے کوئی بھی قانون دان انکار نہیں کر سکتا کہ قانون سازی کا باعث اور سبب جو بھی ہو اسے نہیں دیکھا جاتا بلکہ قانون کے متن کو دیکھا جاتا ہے اور اسی کے مطابق فیصلہ دیا جاتا ہے۔اب آیئے اس مسلمہ قاعدے کی روشنی میں متجددین کے اس شبہے کا جائزلیں۔

اصول فقہ کی اصطلاح میں عام ہر اس لفظ کو کہا جاتا ہے جو ان تمام افراد واقسام پر صادق آتا ہو جو اس کے مفہوم میں شامل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں عام کی پھر دو قسمیں ہیں ایک قسم ان الفاظ کی ہے جنکے حقیقی معنوں میں عموم وشمول موجود ہو مثلاکل' جمیع' کافة'قاطبة وغیرہ اور دوسری قسم ان الفاظ کی ہے جن پر الف لام استغراقی داخل ہوا ہو۔(۱)

حرم الربا اور وذرو اما بقی من الربا میں الربا کے لفظ پر الف لام استغراقی داخل ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ربا کی تمام اقسام حرام ہیں اور ہر قسم کے ربا کا بقایا چھوڑ دو اور فلکم رؤس اموالکم کا مفہوم یہ ہے کہ اصل رقم کے علاوہ تمہارا کوئی حق نہیں اسی طرح کل قرض جر نفعا میں لفظ کل کے معنی ہیں ہر قسم کا قرض اور نفعا کے معنی ہیں ہر قسم کا نفع اور ان واضح اور عام نصوص کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ تجارتی قرضوں پر سود لینا جائز ہے اور یہ بحث چھیڑنا کہ دور جاہلیت میں تجارتی قرضے لیئے جاتے تھے یا نہیں اور ان پر سود لیا جاتا تھا یا نہیں؟ کہاں تک قابل توجہ ہے ؟اس کا فیصلہ ہر ذی عقل کر سکتا ہے کہ یہ ایک غیر متعلق اور غیر ضروری بحث ہے اس لئے کہ ربا کے حرام ہونے کی علت کسی عوض اور محنت کے بغیر صرف مہلت کے بدلے میں

(۱)اصول سرخسی ج ۱ص ۱۵۱)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



متعین اضافہ لینا ہے اور یہ علت دونوں صورتوں میں موجود ہے خواہ صرفی قرضوں کا سود ہو یا تجارتی قرضوں کا سود ہو اسی طرح یہ کہنا بھی بے بنیاد ہے کہ کاروباری قرضوں پر سود لینا ظلم نہیں ہے۔ اس لئے کہ کاروباری لوگ نفع کماتے ہیں جس میں سے کچھ حصہ سود میں دیتے ہیں۔ اور باقی اپنے لئے رکھ لیتے ہیں۔ یہ لوگ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ قرض لینے والا کبھی نفع زیادہ کماتا ہے کبھی تھوڑا کماتا ہے اور کبھی خسارہ اور نقصان اٹھاتا ہے مگر قرض دینے والے کا۔ سود ہر حالت میں محفوظ رہتا ہے بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہتا ہے کیا یہ صریح ظلم نہیں ہے؟ باقی رہی یہ بات کہ اگر قرض کی رقم قرض دینے والے کے پاس ہوتی تو وہ اس سے فائدہ اٹھاتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس کا مقصد نفع کمانا تھا تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنا مال تجارت میں لگاتا یا کسی کے ساتھ تجارت میں شریک ہو جاتا یا کسی کو مضاربت پر دیدیتا ان صورتوں میں نفع اور نقصان میں دونوں شریک ہو جاتے جو عدل ہے ظلم نہیں ہے اس اصولی جواب کے بعد یہ ثبوت پیش کرنا ضروری تو نہیں ہے کہ عربوں میں نزول قرآن کے وقت تجارتی قرضے بھی مروج تھے اور ان پر سود بھی لیا اور دیا جاتا تھا لیکن پھر بھی چند روایات پیش کرنا مفید رہیگا۔

ابن جریرؒ وذروا مابقی من الربا کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہے کہ:

"دور جاہلیت میں بنو عمرو اور بنو مغیرہ کے درمیان سودی قرضوں کا لین دین تھا جب اسلام کا دور آیا اور سود حرام ہوا تو بنو عمرو کا بنو مغیرہ پر بہت سا مال واجب الادا تھا جس کا جب انہوں نے مطالبہ کیا تو بنو مغیرہ نے اسلام کے دور میں سود دینے سے انکار کیا اس پر بنو عمرو نے مکہ کے امیر عتاب بن اسدؓ کے پاس اپنا دعوی دائر کر دیا عتابؓ نے رسول اللہ ﷺ کو خط بھیجا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والوں اللہ کا خوف کرو اور جو کچھ بھی بقایا ہے سود کا اسے چھوڑ دو الآیۃ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت لکھوا کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



عتاب کو بھجوادی اور ساتھ یہ ہدایت بھی کی کہ اگر یہ لوگ سود چھوڑنے کیلئے تیار نہ ہوں تو پھر ان کو جنگ کا الٹی میٹم دیدو۔" (۱)

شان نزول کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ عرب کے دو مشہور قبیلے ایک دوسرے کو سودی قرضے دیتے تھے اور دونوں کا مال کثیر ایک دوسرے پر واجب الادا تھا اگر یہ تجارتی قرض نہیں تھا تو کیا اتنے مالدار قبیلے گھر کے اخراجات کے لئے اتنی بڑی رقوم قرض لیا اور دیا کرتے تھے ابن جریر نے عکرمہ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ بنو عمرو کے جو افراد بنو مغیرہ کو سودی قرض دیتے تھے اور ان سے سودی قرض لیتے تھے ان میں مسعود ثقفی، عبدیالیل، حبیب اور ربیعہ بھی شامل تھے۔ (۲)

یہ نام طائف کے سرداروں کے ہیں جو بھوکے ننگے نہیں تھے بلکہ مالدار لوگ تھے ان کو ذاتی اور گھریلو اخراجات کے لئے قرض لینے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ یہ تجارتی قرضے لیتے اور دیتے تھے اسکے علاوہ ابن جریرؒ نے سدی کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ عباس بن عبدالمطلب اور بنو مغیرہ کا ایک شخص کاروبار میں شریک تھے انہوں نے بنو عمر کو سودی قرضے دیئے تھے جب اسلام کا دور آیا تو انکا بہت سارا سامان سود میں لگا ہوا تھا اس کے بارے میں اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی کہ چھوڑ دو جو کچھ بقایا ہے (۳)

مولانا مودودیؒ نے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ۱۹۴۵ کے مضمون ٹیکس اور ایک دوسری مستند کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ جزیرۃ العرب کے آس پاس کے ملکوں عراق، مصر، شام، یونان اور روم میں تجارتی، صنعتی اور ریاستی اغراض کے لئے دیئے گئے قرضوں پر سود لیا اور دیا جاتا تھا۔ ان ممالک کے ساتھ عربوں کے تجارتی تعلقات تھے

---

(۱) تفسیر ابن جریر ج ۳ ص ۱۰۷ طبع مصر ۱۹۵٤ء

(۲) ابن جریر ج ۳ ص ۱۰۷

(۳) ابن جریر ج ۳ ص ۱۰۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تو یہ کیسے فرض کرلیا گیا کہ عرب تجارتی قرضوں پر سود سے باخبر ہی نہیں تھے۔(۱)

تجارتی سود کو حلال سمجھنے والے کہتے ہیں کہ کاروبار کے لئے قرض لینا دور جدید کا ایک نیا طریقہ ہے جس سے اس دور کے لوگ واقف ہی نہیں تھے مگر ان کی یہ بات خلاف واقعہ ہے اس کے ثبوت کے لئے تین مثالیں بطور نمونہ پیش کی جا رہی ہیں جو یہ ہیں۔

۱۔ حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہ اور عبیداللہؓ ایک لشکر میں عراق گئے تھے۔ واپسی پر بصرے کے امیر ابو موسی الاشعریؓ سے ملنے گئے اس نے کہا میرے پاس بیت المال کا کچھ مال ہے جسے میں امیر المؤمنین کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ وہ میں آپ کو قرض دیدیتا ہوں تم اس سے عراق سے کچھ سامان خرید لو اور مدینہ میں نفع پر بیچ دو اصل رقم امیر المؤمنین کو پہنچا دو اور نفع خود رکھ لو انہوں نے کہا ٹھیک ہے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔(۲)

۲۔ زبیر بن عوامؓ کے پاس لوگ اپنی بڑی بڑی رقمیں امانت رکھتے تھے۔ مگر وہ کہتے تھے میں امانت نہیں بلکہ قرض لیتا ہوں تاکہ تمہارا قرض محفوظ ہو جائے اور میں اس سے اپنے لئے تجارت کر سکوں چنانچہ ان کی شہادت کے بعد جب اس کے بیٹے نے حساب کیا تو یہ تجارتی قرضے ۲۲ لاکھ درہم تھے۔ جو ان کی جائیداد فروخت کر کے ادا کر دیئے گئے۔(۳)

۳۔ ہند بنت عتبہؓ نے حضرت عمرؓ سے بیت المال کے چار ہزار درہم تجارت کے لئے مانگے تھے جو انہوں نے دیدیئے۔ اسے اس کاروبار میں خسارہ ہو گیا تھا مگر قرضہ پورا بیت المال کو واپس کر دیا تھا۔(۴)

---

(۱) سود از مولانا مودودی ملحضا ۲۸۳ تا ۲۹۰ طبع ۱۹۹۰ء

(۲) مؤطا مالك باب ما جاء فی القراض

(۳) بخاری کتاب الجهاد باب برکة الغازی فی ماله

(۴) تاریخ طبری ۲۹/۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ان تینوں روایات میں کاروبار کیلئے لئے گئے قرضوں کا ذکر ہے ذاتی اور شخصی ضروریات کے لئے حاصل کردہ قرضوں کا ذکر نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ صرفی اور تجارتی دونوں قسم کے قرضے مروج ہیں۔

## ۴۔ دارالحرب میں کفار کے ساتھ سودی لین دین

چوتھا شبہ جسے کچھ لوگ غیر مسلم حکومتوں اور غیر مسلم تاجروں کے ساتھ سودی لین دین کے جواز کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ دارالحرب میں مسلمان اور کافر کے درمیان سودی لین دین کو جائز کہتے ہیں اس لئے غیر مسلم ممالک کے ساتھ ہم سودی کاروبار کر سکتے ہیں۔ سودی معیشت کے حامیوں کا بڑا عجیب اور نرالا انداز وکالت ہے کہ بعض اوقات اجماعی حکم کے مقابلے میں مجتہد بن جاتے ہیں اور بعض اوقات جمہور فقہاء کی مدلل اور قوی ترین تحقیق کے مقابلے میں شاذ اور ضعیف ترین قول کے مقلد بن جاتے ہیں۔ بہر حال پیشہ ور وکیلوں کی اپنی مجبوریاں اور مصلحتیں ہوتی ہیں جن کو وہی جان سکتے ہیں۔ ہم کو مسئلے کی وضاحت کرنی ہے اور حق کی وکالت کرنی ہے۔ اس مسئلے پر تفصیلی بحث نفاذ شریعت ایکٹ کی دفعہ ۱۸ کے خلاف میرے عدالتی بیان میں دیکھی جا سکتی ہے مگر اس کا خلاصہ اس معزز بنچ کے سامنے بھی پیش کیا جا رہا ہے۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد قاضی ابو یوسفؒ اور جمہور فقہاء و محدثین کی قوی اور مضبوط عقلی اور نقلی دلائل کی روشنی میں تحقیق یہ ہے کہ سود، جوا اور دیگر عقود فاسدہ مسلمان کے لئے ہر جگہ حرام ہیں۔ حربی و غیر حربی دارالاسلام و دارالحرب میں کوئی فرق نہیں اس لئے کہ سود کی حرمت پر دلالت کرنے والی آیات و احادیث عام ہیں اور ان میں تخصیص و استثناء کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



باقی رہی وہ روایت جس میں آیا ہے کہ مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں سود نہیں ہے۔ تو یہ سنداً ثابت نہیں ہے۔اس لئے قطعی اور عام نصوص میں اس کی بنیاد پر تخصیص نہیں کی جاسکتی مگر دوسری طرف امام ابو حنیفہؒ اور ان کے دوسرے شاگرد امام محمد کی رائے اس طرح نقل ہوئی ہے کہ دارالحرب کی حدود کے اندر مسلمان اور حربی کافر کے درمیان سود اور عقود فاسدہ جائز ہیں بشرطیکہ جبر اور غدر سے کام نہ لیا گیا ہو۔لیکن دلائل کے اعتبار سے جمہور کا مسلک صحیح اور قوی ہے اور امام ابو حنیفہؒ سے منقول رائے مرجوح اور ضعیف ہے اس لئے کہ اس رائے کے ثبوت میں جو حدیث پیش کی گئی ہے وہ مرسل بھی ہے اور ضعیف بھی ہے اس کے علاوہ لاربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب کی یہ تاویل بھی کی گئی ہے کہ مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں بھی سود جائز نہیں ہے۔یعنی لاربا کے معنی لایحرم نہیں بلکہ لایحل ہیں۔اس اعتبار سے یہ حدیث مؤل بھی ہے تو آخر ضعیف الاسناد 'مرسل اور مؤل حدیث کو قطعی صحیح اور صریح الدلالات نصوص کے مقابلے میں کس طرح دلیل بنایا جاسکتا ہے ؟ یہی وجہ ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی' مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مفتی عزیز الرحمانؒ نے اس مسئلے میں باوجود حنفی ہونے کے ائمہ ثلاثہ اور ابو یوسف کی رائے کو ترجیح دی ہے۔اس لئے کہ ان کے دلائل قوی ہیں۔اس کے علاوہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے شیخ مولانا محمد یعقوبؒ سے امام صاحب کے قول کی یہ تاویل بھی نقل کی ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی حربی سے ایک درہم کے بدلے دو درہم لے لئے تو مسلمانوں کا امام اس سے تعرض نہیں کریگا جیسا کہ اگر اس نے دارالحرب میں زنا کیا ہو تو اس پر حد زنا جاری نہیں کرے گا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کے جواز کے معنی یہ ہیں۔(۱)

---

(۱)اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی ج ۱۴ ص ۳۴۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مولانا مودودیؒ نے بھی امام صاحب کے قول کی یہی تاویل کی ہے۔(۱)

یعنی دار الحرب میں سود کے جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دار الاسلام کا قاضی اس کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کریگا اس لئے کہ دار الحرب اس کے اختیارات سے باہر ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ عند اللہ گناہ گار نہیں ہو گا لیکن حقیقت یہ ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے مسلک کی یہ تاویل و توجیہ ان کی اپنی تصریح کے خلاف ہے اس لئے کہ امام محمدؒ نے صراحت و وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ دار الحرب میں حربی کافر کا مال جس ذریعے سے بھی حاصل کیا گیا ہو وہ حلال وطیب ہے بشر طیکہ عہد شکنی اور دھوکہ دہی کے ذریعے حاصل نہ کیا گیا ہو۔(۲)

میری رائے میں بلا تکلف بات یہی ہے کہ امام موصوف کی رائے دلیل کے اعتبار سے قابل ترجیح نہیں ہے اور صحیح مسلک ائمہ ثلاثہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا ہے کہ سود دار الحرب میں بھی حرام ہے اور دار الاسلام میں بھی حرام ہے لیکن اگر کوئی جمہور فقہاء و محدثین کی رائے کے مقابلے میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے کو اختیار بھی کرلے پھر بھی اس کا اطلاق موجودہ صورت حال پر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ آج کل غیر مسلم ممالک دار الکفر تو ہیں لیکن دار الحرب نہیں ہیں کیونکہ آج کل مسلم ممالک اور غیر مسلم ممالک کے درمیان بین الاقوامی معاہدے ہیں اس بنا پر امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق بھی مسلم اور غیر مسلم ریاستوں کے عوام کے درمیان سودی کاروبار جائز نہیں ہے اور آخری بات یہ ہے کہ اس وقت تو پاکستان 'امریکہ اور دوسرے غیر مسلم ممالک کے سودی قرضوں کے جال میں پھنسا ہوا ہے اور ان کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے سود لیتا نہیں ہے بلکہ دیتا ہے اور ابن الہمام حنفی اور ابن عابدین شامی دونوں نے لکھا ہے کہ

---

(۱) سود ضمیمہ ۳

(۲) المبسوط ج ۱٤ ص ٥٦. شرح السیر الکبیر ج ٤ ص ۱٤۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امام ابو حنیفہؒ کے مسلک میں حربی کفار سے سود لینا تو جائز ہو سکتا ہے مگر ان کو سود دینا جائز نہیں ہو سکتا ہے۔(۱)

## (۵) سود اور کرائے میں فرق

سودی بینکاری کے حامیوں کا ایک شبہ یہ بھی ہے۔ کہ زمین ' مکان ' دکان اور دوسری چیزوں کے استعمال کا کرایہ حلال ہے تو سرمایہ کے استعمال کا کرایہ کیوں حرام ہے؟ اس شبہے کو بڑے زور و شور کے ساتھ پھیلایا اور دہرایا جاتا ہے تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں سود سے جو نفرت ہے اسے کرائے کا نام دے کر مٹا دیا جائے یا کم کر دیا جائے اس شبہے کا اصولی جواب تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اشیاء استعمال کے کرائے کی اجازت دی ہے اس لئے یہ حلال ہے۔ اسی طرح سرمائے کو تجارت یا کاروبار میں لگا کر اس کا نفع لینے کی اجازت دی ہے تو یہ بھی حلال ہے مگر کسی کو قرض دیکر اس پر نفع لینے کی اجازت نہیں دی اس لئے یہ حرام ہے۔ سود کو کرائے پر قیاس کرنا تو وہی قیاس ہے جو جاہلیت قدیمہ کے مشرکین کیا کرتے تھے جیسے آج جاہلیت جدیدہ کے مجدد دین دہرا رہے ہیں کہ تجارت تو رباہی کی طرح ہے جب یہ حلال ہے تو ربا کیوں حرام ہے قرآن کریم نے اس کا یہی جواب دیا تھا کہ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ تجارت کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے اور ربا کو حرام قرار دیا ہے۔ ہم نے اپنی اسی تحریر میں قطعی اور اجماعی دلائل کے ساتھ ربا کی حقیقت اور اسکی حرمت ثابت کر دی ہے تو آخر قرآن و سنت اور اجماع کے مقابلے میں قیاس کو کیسے قبول کر لیا جائے؟ اگر ہماری عقل بے مایہ کرائے اور سود کے درمیان فرق اور امتیاز کرنے سے قاصر ہوتی پھر بھی ہم کہتے کہ کرایہ حلال ہے اور سود حرام اس لئے کہ یہ ہمارے حاکم حقیقی اور اس کے

---

(۱) فتح القدیر باب الربا ج ۷ / ص ۳۹۔ شامی ج ٤ ص ۲٦۰۔۲٦۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



رسول ﷺ کا حکم ہے لیکن الحمد اللہ دونوں کے درمیان فرق کو ہماری عقل بھی جانتی ہے جو یہ ہے کہ ثمن خلقی یعنی سونا' چاندی اور ثمن عرفی یعنی کرنسی نوٹ استعمال کی چیزیں نہیں ہیں بلکہ اشیاء استعمال اور ضروریات زندگی خریدنے کا ذریعہ ہیں نہ یہ کھانا ہے جسے کھایا جاسکے' نہ یہ پانی ہے جس سے پیاس بجھائی جاسکے' نہ یہ دوائی ہے جسے استعمال کیا جاسکے' نہ یہ سواری ہے جس پر سوار ہو کر سفر کیا جائے' نہ یہ کتاب ہے جسے پڑھا جائے' نہ یہ مکان ہے جس میں رہائش رکھی جائے' نہ یہ دوکان ہے جس میں سامان تجارت ڈال کر بیچا جائے' نہ یہ مشینری ہے جس سے استعمال کی چیزیں بنائی جاسکیں' اور نہ یہ کپڑا اور جوتا ہے جسے پہنا جاسکے۔ جب سونا چاندی اور کرنسی بذات خود استعمال کی چیزیں نہیں ہیں اور انسان اس سے اپنی کوئی ضرورت پوری نہیں کر سکتا تو آخر اجرت اور کرایہ کس چیز کا لیا اور دیا جائے ؟ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سونا چاندی اور اس کی قائم مقام کرنسی کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ نہیں ! یہ بہت بڑی قوت رکھتی ہے جس سے زندگی کی یہ ساری ضروریات حاصل کی جاتی ہیں۔ لیکن یہ "قوت خرید" ہے کوئی استعمال کی چیز نہیں ہے جس کا کرایہ وصول کیا جائے اس کا استعمال یہی ہے کہ اس سے اشیاء ضرورت خرید کر ضرورت پوری کی جائے یا اسے تجارت' زراعت' یا صنعت میں لگا کر نفع کمایا جائے اور اگر خسارہ ہو جائے اسے برداشت کیا جائے نقد سے نقد کمانا اور "قوت خرید" کو استعمال کی چیز بنا کر اس کا کرایہ لینا ایک ایسا غیر طبعی اور غیر معقول کام ہے جس کا غیر طبعی ہونا فلاسفہ نے بھی تسلیم کیا ہے مصر کے مشہور فقیہ ابو زہرہ متوفی ۱۹۷۴ء نے اپنے رسالہ "بحوث فی الربا" میں ارسطو کا قول نقل کیا ہے۔ کہ سود ایک ایسا طریقہ کسب ہے جس میں نقد سے نقد کمایا جاتا ہے اور نقد کو استعمال کی چیز بنایا جاتا ہے جو اسکی طبیعت کے خلاف ہے اس لئے کہ نقد کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ مبادلے کا ذریعہ بنے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امام غزالیؒ متوفی ۵۰۵ھ اپنے دور کے بہت بڑے مجدد اسلام بھی تھے اور فلسفی بھی تھے انہوں نے اس نکتے پر احیاء العلوم میں بڑی اچھی اور لطیف فلسفیانہ بحث کی ہے جس کا خلاصہ میں نے وفاقی شرعی عدالت کے سامنے اپنے تحریری بیان میں دیا ہے۔ اس کا ایک اقتباس یہ ہے کہ جو شخص درہم اور دینار میں ربا کا معاملہ کرتا ہے وہ ظلم اور کفران نعمت کرتا ہے اس لئے کہ یہ تو اشیاء ضرورت کے حصول کا ذریعہ ہیں ان کی ذات میں کوئی غرض اور فائدہ نہیں تو جب کسی شخص نے ان کی ذات کو سامان تجارت بنادیا تو یہ ان کی اصل حکمت تخلیق کیخلاف ان کو بذات خود مقصود بنانا ہے۔(۱)

شیخ محمد عبدہ جو اپنے دور کے بڑے فلسفی اور شیخ الازہر تھے انہوں نے بھی فرمایا ہے کہ جب نقد جائے خود ذریعہ پیداوار بن جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دولت ان لوگوں کے پاس جمع ہو جائے گی جن کا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ نقد سے نقد کمایا جائے۔(۲)

ثمن خلقی اور ثمن عرفی کے برعکس مکان' دکان' زمین' سواری اور اس قسم کی چیزیں استعمال کی چیزیں ہیں اور ذریعہ پیداوار ہیں اس لئے ان کے استعمال کا معاوضہ اور کرایہ لینا دینا تجارت ہے اور حلال ہے ان چیزوں سے اثمان کا کام بھی لیا جاسکتا ہے لیکن اپنی ذات کے اعتبار سے یہ اثمان نہیں ہیں بلکہ اعیان' اشیاء استعمال اور ذرائع پیدوار ہیں اس لئے ان سے فائدہ اٹھانے کا کرایہ شرعا' وعقلا اور عرفا حلال ہے اور انصاف ہے ظلم نہیں ہے بشر طیکہ دھوکہ دہی' فریب دہی اور غبن فاحش سے پاک ہو یہ ہے سود اور کرائے میں بنیادی فرق جس کو یہ مقلدین مغرب سمجھ نہیں سکتے یا سمجھتے تو ہیں لیکن جان بوجھ کر مسئلے کو الجھا کر اور لوگوں کے ذہنوں میں کنفیوژن پیدا کر کے سود کا تحفظ کر رہے ہیں اور اپنے پیشہ وکالت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

---

(۱) احیاء العلوم کتاب الشکر رکن اول

(۲) تفسیر المنار ج ۳ ص ۱۰۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# (٦) ربح اور ربوا میں فرق

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ربح جائز ہے تو ربا کیوں ناجائز ہے جب دونوں میں رأس المال پر اضافہ لیا دیا جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ربح تجارت میں نفع کمانے کو کہتے ہیں جسے اللہ اور رسول ﷺ نے حلال قرار دیا ہے اور ربا قرض پر نفع لینے' دینے کا نام ہے جسے قرآن و سنت نے حرام کر دیا ہے باقی رہا یہ سوال کہ اللہ نے تجارت کے نفع کو کیوں حلال کیا ہے اور قرض کے نفع کو کیوں حرام کیا ہے؟ تو اس کا جواب قرآن نے یہ دیا ہے کہ لایسئل عما یفعل وھم یسئلون اللہ جو کرتا ہے اس سے اس کے بارے میں پوچھا نہیں جا سکتا اور اس کے بندوں سے ان کے کاموں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔ لیکن اللہ نے ہم کو جس عقل سے نوازا ہے اس کی روشنی میں جب ہم سوچتے ہیں تو حاکم حقیقی کے ان دو قسم کے احکام کے درمیان فرق کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں جو یہ ہے کہ تجارت میں نفع کمانے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ کوئی شخص اپنا سرمایہ کسی ایسے شخص کو دیدے جو اس کے ذریعے کاروبار کرے اور نفع دونوں کے درمیان طے شدہ شرح کے مطابق تقسیم کیا جائے اور اگر نقصان ہو جائے تو اسے سرمایہ کا مالک برداشت کرے اس کو فقہی اصطلاح میں مضاربت کہا جاتا ہے اس کے نفع اور سود میں ایک فرق تو یہ ہے کہ قرض کا نفع پہلے سے متعین ہوتا ہے اور مضاربت میں نفع متعین نہیں ہوتا بلکہ کبھی زیادہ ہوتا ہے اور کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی الٹا نقصان ہو جاتا ہے اور دوسرا فرق یہ ہے کہ سود یقینی ہوتا ہے خواہ مقترض کو فائدہ ہو یا نقصان مگر مضاربت میں نفع بھی یقینی نہیں ہوتا اور خسارے کا خطرہ بھی ہوتا ہے نفع کی صورت میں کاروبار کرنے والا محنت اور کام کے بدلے میں اپنا حصہ لیتا ہے اور سرمائے کا مالک خسارے کا خطرہ اور رسک لینے کی وجہ سے اپنا حصہ لیتا ہے اور نقصان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کی صورت میں کام کرنے والے کی محنت ضائع ہوگی اور سرمائے والے کا سرمایہ کم ہوگا اس لئے یہ نفع نقصان میں شراکت کا معاملہ ہے اور عدل وانصاف کے اصولوں کے مطابق ہے لیکن قرض پر مقرر اور متعین سود لینے والا نہ کام کرتا ہے اور نہ نقصان برداشت کرتا ہے اس لئے یہ ظلم ہے دوسری صورت یہ ہے کہ سرمایہ بھی مشترکہ ہو اور محنت بھی مشترکہ ہو تو اس صورت میں سرمایہ میں کمی اور خسارہ بھی دونوں برداشت کریں گے اور نفع بھی دونوں طے شدہ شرح کے مطابق لینگے۔ لیکن قرض پر سود نہ محنت کا عوض ہے اور نہ رأس المال میں کمی کے خطرے کی وجہ سے ہے تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مال سے خود کاروبار کرے تو اس صورت میں سرمایہ بھی سارا اس کا اپنا ہے اور محنت بھی وہ خود کرتا ہے اس لئے نفع بھی سارا خود لے گا اور خسارہ بھی سارا خود برداشت کرے گا مگر سود خور کو نہ نقصان کا خطرہ ہوتا ہے اور نہ وہ کام کرتا ہے بلکہ کسی محنت اور نقصان کے بغیر صرف احسان کا عوض لیتا ہے جو ظلم ہے اور حرام ہے یہی وہ فرق ہے جس کی وجہ سے اللہ نے تجارت کے فائدے کو حلال قرار دیا ہے اور قرض کے فائدے کو حرام کر دیا ہے۔

## (۷) کیا کرنسی کی قوت خرید میں

## کمی کی بنا پر قرض پر اضافہ لینا جائز ہے؟

ایک بڑا اشکال اور اشتباہ اس دور میں یہ پیش آرہا ہے کہ پاکستان اور بعض دوسرے ممالک میں معاشی عدم استحکام کی وجہ سے کرنسی کی قوت خرید میں اکثر کمی ہوتی ہے اس بنا پر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کمی کو پورا کرنے کے لئے قرض کی اصل رقم پر اضافہ لینا سود نہیں ہے بلکہ جو دیا تھا وہی واپس لینا ہے اس لئے کہ کرنسی نوٹوں میں مثلیت کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مطلب ہے قوت خرید میں برابری اور قرض کی ادائیگی بالمثل ہوتی ہے تو قوت خرید میں کمی کے تناسب سے زیادہ وصول کرنا دراصل اضافہ نہیں ہے بلکہ کمی پوری کرنا ہے تاکہ ادائیگی بالمثل کی شرط پوری ہو جائے مثلاً ایک سال پہلے جو چیز ۱۰۰۰ روپے میں ملتی تھی وہ آج ۱۲۰۰ روپے میں ملتی ہے ایک ہزار کے بدلے میں بارہ سو لینا دینا سود نہیں ہے بلکہ قوت خرید میں کمی پوری کرنا ہے اس لئے کہ آج کے ۱۲۰۰ اور ایک سال پہلے کے ۱۰۰۰ دونوں قوت خرید میں برابر ہیں آج کل دوسرے شبہات کے مقابلے میں اس شبہ نے لوگوں کو زیادہ الجھن میں اور کنفیوژن میں مبتلا کر دیا ہے اور بینکوں کے سود کو حلال ٹھہرانے کے بہانوں میں سے یہی انفلیشن اور افراط زر بڑا بہانہ ہے لیکن یہ شبہ قواعد سے لاعلمی یا لاپرواہی کی وجہ سے پیش آرہا ہے قاعدہ یہ ہے کہ "قرض ایک معاہدہ ہے جس میں ایک شخص دوسرے کو مال مثلی دیتا ہے اور لینے والا ادائیگی کے وقت اس کی مثل واپس کرتا ہے قرض لین دین مال مثلی میں صحیح ہے اور غیر مثلی میں صحیح نہیں ہے اور مال مثلی وہ ہے جسے ماپا اور تولا جا سکتا ہو یا جس کی مقدار گننے سے معلوم کی جا سکتی ہو بشرطیکہ اسکی اکائیاں مقدار میں ایک دوسرے سے زیادہ متفاوت نہ ہوں بلکہ قریب قریب ہوں مثلاً اخروٹ اور انڈے۔"(۱)

کرنسی نوٹ مختلف ارتقائی مراحل طے کر کے آج زر قانونی اور ثمن عرفی کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور اس پر مال مثلی کی تعریف صادق آتی ہے اس لئے کہ اس کا لین دین گننے سے ہوتا ہے اور اس کی اکائیوں میں ایسا فرق نہیں ہے جس کا اثر قیمتوں پر پڑتا ہو نوٹ نیا ہو یا پرانا اس کی مالیت برابر ہوتی ہے اس قاعدے کی روشنی میں دیکھا جائے تو نوٹ جتنے لئے تھے یا جتنے کسی چیز کی قیمت میں مقرر کئے تھے اتنے ہی لوٹانے ہوں گے اس لئے کہ قرض کی واپسی بالمثل ہوتی ہے بالقیمت نہیں ہوتی ہے جیسا اور جتنا

---

(۱)درمختار باب المرابحۃ فصل فی القرض

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لیا تھا اتنا اور ویسا ہی لوٹانا ہوگا خواہ ادائیگی کے وقت اس کی قیمت زیادہ ہو یا کم ہو۔ مال مثلی کے قرض میں مالیت اور قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ مقدار اور نوعیت میں برابری ضروری ہوتی ہے مثلاً ایک شخص نے کسی کو ایک من گندم قرض دی جس کی قیمت ۲۰۰ روپے تھی مگر ادائیگی کے وقت اس کی قیمت ۱۵۰ روپیہ ہو گئی تو قرض دینے والا یہ مطالبہ نہیں کریگا کہ میں نے جو گندم دی تھی اس کی قیمت ۲۰۰ روپیہ تھی اس لئے مجھے اتنی دی جائے جتنی دو سو روپے میں ملتی ہے یعنی من کی بجائے ڈیڑھ من دی جائے تمام ائمہ متفق ہیں کہ وہی ایک من واپس کرنی ہوگی جو لی گی تھی اس لئے کہ گندم مال مثلی ہے جس میں قیمت میں برابری ضروری نہیں ہوتی بلکہ مقدار اور جنس میں برابری ضرروری ہوتی ہے اسی طرح کرنسی نوٹ بھی مال مثلی ہے تو ان میں بھی مالیت اور قوت خرید کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ مقدار اور جنس کو ملحوظ رکھا جائے گا کہ جس ملک کے نوٹ جتنی مقدار میں لئے گئے تھے یا طے ہوئے تھے اسی ملک کے اتنے ہی واپس کرنے ہونگے آج جو لوگ نوٹوں کا قرض لین دین کرتے ہیں ان کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہی نہیں کہ ادائیگی سونے کی قیمت کے حساب سے کی جائے گی اگر ان کے ذہن میں یہ بات ہوتی تو وہ نوٹوں کی بجائے سونے کا قرض لین دین کرتے جبکہ نوٹوں کا تعلق اب سونے چاندی کے ٹکڑوں یا سکوں کے ساتھ باقی نہیں رہا بلکہ عرفاً و قانوناً یہ مستقل طور پر مال مثلی اور ثمن عرفی بن چکے ہیں اور مارکیٹ میں تمام کاروبار اور خرید و فروخت انہی کے ذریعے ہو رہی ہے یہاں تک کہ ۱۹۷۱ء کے بعد حکومتوں کے درمیان بھی کرنسی کا سونے کے ساتھ تعلق ختم ہو گیا ہے اگرچہ احتیاطی تدابیر کے طور پر ہر ملک اب بھی سونے کے زیادہ سے زیادہ ذخائر جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کے سونے کا رائج الوقت کرنسی کے ساتھ کوئی قانونی تعلق باقی نہیں رہا بلکہ نوٹوں نے پوری طرح سونے کی جگہ لے لی ہے اس صورت حال کا تقاضا یہ ہے کہ جتنا سونا قرض لیا تھا اتنا ہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سونالوٹانا ہوگا اور جتنے نوٹ قرض لئے تھے اتنے ہی واپس کرنے ہونگے باقی رہی یہ بات کہ کرنسی کی قیمت میں کمی بیشی ہوتی ہے تو یہ کمی بیشی دراصل نوٹوں کی قیمت میں نہیں ہوتی بلکہ اشیاء صرف کی قیمتوں میں ہوتی ہے جس کا سبب یا طلب ورسد میں قدرتی عدم توازن ہوتا ہے یا تاجروں کی استحصالی حربے ہوتے ہیں یا پھر حکومت کی بدانتظامی اور بدعنوانی ہوتی ہے اگر اسلام کے اقتصادی اور تجارتی احکام پوری طرح اور اصل شکل میں نافذ ہو جائیں تو افراط زر کے مسائل شاذ و نادر ہی پیش آئینگے اور جب پیش آجائیں تو پیداوار میں اضافے کی تدابیر تلاش کر کے اس پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور جب تک اس پر قابو نہ پایا جاسکے اس وقت تک اللہ کی جانب سے آزمائش سمجھ کر صبر کیا جائے اس لئے کہ رزق میں فراخی اور تنگی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے سودی معیشت اور کاروباری ذہنیت والے یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر یہ نوٹ مالک کے پاس ہوتے تو وہ ان کو کاروبار میں لگا کر نفع کما لیتا اور افراط زر کی وجہ سے ہونے والے نقصان کی تلافی ہو جاتی لیکن اس کا جواب تو واضح ہے کہ اگر تبرع اور احسان کی جگہ تجارت ہی کرنی تھی اور اخروی نفع کی جگہ دنیوی نفع ہی کمانا تھا تو قرض نہ دیتے بلکہ کسی کو مضاربت اور مشارکت پر دیدیتے یا خود تجارت شروع کر دیتے اگر نفع مل جاتا تو اس پر شکر ادا کرتے اور اگر نقصان ہو جاتا تو اس پر صبر کر لیتے قرض تو تبرعات میں سے ہے کوئی کاروبار نہیں ہے کہ اس پر نفع کمایا جائے یا پھر سونا قرض دیکر سونا ہی واپس لے لیتے۔

## ۸۔بغیر شرط کے قرض کی مقدار سے زیادہ لینا دینا

احادیث سے ثابت ہے کہ اگر قرض پر اضافہ لینا نہ مشروط ہو نہ متعارف ہو اور نہ قرض دینے والے کو پہلے بتایا گیا ہو کہ تم کو بطور احسان کچھ زیادہ بھی دیا جائے گا تو اس صورت میں بطور احسان قرض لی گئی چیز سے اچھی چیز دینا یا قرض کی مقدار سے کچھ زیادہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دینا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے اس کو حسن قضاء دین کہا جاتا ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے تعریف کی ہے صحیح بخاری میں حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جابر بن عبداللہؓ سے اسکا ایک اونٹ ادھار قیمت پر خریدا تھا اور ادائیگی کے وقت قیمت سے ایک قیراط (۵ جو کے دانوں کے برابر) سونا زیادہ دیا تھا۔(۱)

یہ مقدار میں اضافے کی مثال ہے اس لئے کہ اونٹ کی قیمت ۴۰ درہم یا ۴ اشرفیاں مقرر ہوئی تھی مگر اس پر ایک قیراط سونا زیادہ دیا اور قرض لی گئی چیز سے اچھی چیز دینے کی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے اونٹ قرض لیا تھا جب وہ شخص اپنا قرض لینے آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے قرض دیدو صحابہؓ نے فرمایا کہ اس کے اونٹ سے بڑی عمر کا اونٹ تو موجود ہے مگر اس کا اونٹ جس عمر کا تھا وہ اس وقت ملتا نہیں فرمایا بڑی عمر کا اونٹ (زیادہ قیمتی) ہی دیدو اسلئے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے۔(۲)

اس صورت میں قرض کی مقدار میں تو اضافہ نہیں کیا گیا تھا مگر صفت اور کوالٹی میں فرق کیا گیا تھا۔ کہ کم قیمت والے لونٹ کے بدلے میں بیش قیمت اونٹ دیا تھا اور اسے حسن قضاء کا تقاضی قرار دیا تھا۔ ان احادیث اور حسن قضاء کے بارے میں دوسری روایات پر استدلال کرتے ہوئے بعض لوگوں نے سود کے متبادل کے طور پر حسن قضاء کا نظام بنانے کی تجویز پیش کی ہے کہ قرض دینے والوں کو حکومت یا مالیاتی ادارے اپنی صولبدید پر یا مجموعی قومی پیداوار کے تناسب سے یا اشیاء صرف کی قیمتوں میں اضافے کے تناسب سے انعام اور احسان کے نام پر وقتاً فوقتاً کچھ رقم دیتے رہیں۔ تجویز پیش کرنے والوں کے نزدیک یہ زائد رقم سود نہیں ہو گی اس لئے کہ اس کا نہ معاہدہ ہوا

---

(۱) بخاری کتاب الوکالۃ باب اذا وکل رجل رجلا

(۲) بخاری کتاب القرض

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہو گا اور نہ قرض دینے والوں کو عدالت کے ذریعے اس رقم کو حاصل کرنے کا حق ہو گا لیکن جب حسن قضاء کا یہ نظام چل پڑے گا اور انعامات دینا معمول بن جائے گا تو لوگوں میں قرض دینے کی رغبت بڑھ جائے گی اور حکومت کی بچت سکیمیں کامیاب ہو جائیں گی یہ تجویز دراصل سودی نظام بحال رکھنے کا ایک حیلہ اور چور دروازہ ہے جسے انعام اور احسان کے پر کشش اور خوبصورت نام سے کھولنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس لئے کہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ المعروف کالمشروط یعنی جو چیز معاشرے میں معروف ہو جائے' مروج ہو جائے اور معمول بن جائے تو اس کا حکم وہی ہوتا ہے جو شرط اور معاہدے کا ہوتا ہے جب قرض پر اضافہ معمول بن جائے اس کا باقاعدہ ایک نظام بن جائے اور ہر سال اس اضافی رقم کا بطور انعام و حسن قضاء کے اعلان ہوتا رہے تو یہ معروف کالمشروط کے قاعدے کے مطابق سودی رقم شمار ہو گی۔ حسن قضاء کی احادیث کا تعلق شخصی معاملات سے ہے باقاعدہ قومی اور بین الاقوامی نظام سے نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے جابرؓ کو جو ایک قیراط زائد دیا تھا اس کا نہ پہلے اعلان ہوا تھا اور نہ جابرؓ کو اس کا پہلے سے علم تھا کہ مجھے ایک قیراط زائد بطور احسان و انعام ملے گا اور نہ یہ انعام عرف عام میں مروج تھا۔ ظاہر ہے کہ شخصی احسانات و تبرعات کو جب قاعدے اور قانون کی شکل میں رائج کر دیا جائے گا اور یہ بینکوں کا معمول بن جائے گا تو جو بھی قرض دے گا اسی نیت سے دیگا کہ مجھے اس کے بدلے میں انعام ملے گا۔ اور انعام کے نام سے سود بدستور جاری رہے گا حالانکہ اسلام نے سودی نظام کے متبادل کے طور پر تجارت کا نظام دیا ہے انعامات کا مذکورہ نظام نہیں بتایا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# ۹۔جب ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ جائز ہے تو قرض پر اضافہ کیوں ناجائز ہے؟

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء و محدثین کی رائے یہ ہے کہ ادھار کی وجہ سے چیزوں کی قیمت میں اضافہ کرنا اور نقد و ادھار قیمتوں میں فرق رکھنا جائز ہے کچھ شاذ قسم کے اقوال عدم جواز کے بھی موجود ہیں لیکن ان کے دلائل بھی کمزور ہیں اور جمہور علماء کے مقابلے میں چند اقوال کی کوئی اہمیت بھی نہیں ہے البتہ نقد اور ادھار قیمتوں میں فرق رکھنا بہتر نہیں ہے اور احسان و مروت کے خلاف ہے میری کتاب تفہیم المسائل حصہ دوم ص ۷۶ تا ۹۲ پر جواز کے دلائل اور تفصیلی اقوال بیان کئے گئے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

سودی بینکاری کو بحال رکھنے والوں کا ایک شبہ یہ بھی ہے کہ جب مہلت اور مدت کی وجہ سے قیمت میں اضافہ جائز ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مہلت اور مدت کا عوض لینا بھی جائز ہے اور یہ بھی ایک قابل فروخت چیز ہے اس کے لئے انہوں نے فقہ کی مشہور کتاب "ہدایہ" کا درج ذیل حوالہ بھی دیا ہے:

ایک شخص نے ایک ہزار روپے ادھار کے بدلے میں ایک غلام خریدا تھا۔ جسے اس نے بیع مرابحہ کے نام سے ایک سو روپے نفع کے ساتھ گیارہ سو روپے نقد کے عوض فروخت کر دیا مگر خریدار کو یہ نہیں بتایا کہ میں نے ایک ہزار میں خریدا تھا لیکن رقم ادھار ہے تو اس دھوکہ کا علم ہو جانے کے بعد خریدار کو اختیار ہے کہ اس غلام کو واپس کر کے بیع فسخ کر دے یا اسے قبول کر کے بیع کو بحال رکھے۔ اس لئے کہ مدت اور مہلت "مبیع" یعنی فروخت شدہ چیز کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے کیا تو دیکھتا نہیں ہے کہ مدت کی وجہ سے چیز کی قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے اور مرابحہ میں شبہ حقیقت کا حکم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



رکھتا ہے تو یہ ایسی صورت بن گئی جیسے کسی نے دو چیزیں ایک ہزار میں خریدی تھیں اور پھر ان میں سے ایک کو دونوں کی قیمت پر نفع لگا کر بیع مرابحے کے طور پر بیچ دیا۔ چونکہ مرابحہ اس قسم کی خیانت اور فریب سے پاک ہونے کا مقتضی ہے اس لئے جب خریدار پر یہ خیانت ظاہر ہو جائے تو اسے رکھنے یا واپس کرنے کا اختیار دیا جائے گا جیسا کہ خریدی ہوئی چیز میں عیب ظاہر ہو جانے کے بعد اختیار دیا جاتا ہے لیکن اگر غلام کے ہلاک ہو جانے کے بعد پتہ لگا ہو کہ ایک ہزار ادھار قیمت میں خرید اگیا غلام گیارہ سو نقد پر بیچا گیا تھا تو اس صورت میں گیارہ سو ہی میں بیع لازم ہو جائیگی۔ اور فروخت کنندہ سے کچھ رقم واپس لینے یا رد کے رکھنے کا حق حاصل نہیں ہو گا۔

(لان الاجل لایقابله شیء من الثمن)

اس لئے کہ مدت کے مقابلے میں ثمن کا کوئی حصہ نہیں ہے جسے واپس لیا جائے۔(۱)

اس شبہے اور استدلال کا اصولی جواب تو وہی ہے جو دوسرے شبہات کے جواب میں پہلے دیا جا چکا ہے کہ ادھار کی وجہ سے چیز کی قیمت میں اضافے کے حرام ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ ورسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت نہیں کی مگر قرض پر مدت کے بدلے میں اضافہ لینے دینے سے اللہ ورسول ﷺ نے ممانعت کی ہے اور اسے ظلم قرار دیا ہے۔ اس لئے چیزوں کی قیمت میں اضافہ حلال ہے اور قرض پر اضافہ حرام ہے چیزوں کے طے شدہ عوض کو ثمن کہا جاتا ہے اور جو عوض مارکیٹ میں مروج ہو یا جو ثالثوں نے متعین کیا ہو اسے قیمت کہتے ہیں اور ثمن اور قیمت دونوں میں چیزوں کی نوعیت' محل وقوع یا ثمن و قیمت کے نقد اور ادھا ہونے کی وجہ سے کمی بیشی جائز ہے اور تاجروں میں مروج ہے۔ مثلاً شہر کے وسط میں ایک

(۱) ہدایہ کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مکان یا دوکان یا پلاٹ کی قیمت دس لاکھ روپے ہو تو اسی مکان یا دکان یا پلاٹ کی قیمت شہر سے باہر دیہاتی علاقے میں ایک لاکھ بمشکل ملتی ہے ظاہر ہے کہ یہ اضافہ محل وقوع کی قیمت نہیں ہے بلکہ محل و قوع اور کیفیات کی وجہ سے مکان کی قیمت میں اضافہ ہے اس لئے کہ اس محل وقوع کی وجہ سے خریدار کو سہولتیں زیادہ ملیں گی جن کی وجہ سے قیمت بڑھ گئی ہے ورنہ یہ اضافہ سہولتوں کا معاوضہ نہیں ہے بلکہ مکان کے معاوضے میں شامل ہے لیکن چونکہ قیمت میں اضافہ سہولتوں (مثلاً سڑک' بجلی' پانی اور گیس وغیرہ) کی وجہ سے ہوتا ہے۔اس بنا پر مجازاً اور تشبیہا لوگ کہتے ہیں کہ یہ اضافہ سہولتوں کی قیمت ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں لیا جاسکتا کہ محل وقوع اور سہولتیں بجائے خود قابل فروخت ہیں اور اس مبیع میں شامل ہیں کیونکہ اگر مکان نہ خریدا جاتا تو الگ اور مستقل طور پر اس محل وقوع کو نہ کوئی خرید سکتا تھا اور نہ بیچ سکتا تھا اسی طرح ادھار کی وجہ سے فروخت شدہ چیز کی قیمت میں اضافہ وقت' مدت اور مہلت کی قیمت نہیں ہے بلکہ ادھار کی وجہ سے چیز کی قیمت میں اضافہ ہے لیکن چونکہ یہ اضافہ مدت اور مہلت کی وجہ سے ہوا ہے اس لئے مجازاً و تشبیہاً اسے مدت و اجل کی قیمت کہا جاتا ہے۔اور مدت کو شبہ مبیع یعنی قابل فروخت چیز کے مشابہ چیز کہا جاتا ہے ورنہ بغیر خرید وفروخت کے الگ اور مستقل طور پر مدت اور اجل خرید و فروخت کی چیز نہیں ہے۔باقی رہی ہدایہ کی مذکورہ بالا عبارت تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی نے بیع مرابحہ میں خریدار کو دھوکا دیا ہو کہ غلام ایک ہزار درہم ادھار میں خریدا تھا مگر خریدار کو بتائے بغیر گیارہ سو میں فروخت کر دیا اور کہا کہ قیمت تو ایک ہزار ہے لیکن میں ایک سو روپے نفع لو نگا حالانکہ عرف رواج میں نقد قیمت کم لگائی جاتی ہے اور ادھار قیمت زیادہ لگائی جاتی ہے تو مشتری کو جب اس خیانت کا علم حاصل ہو جائے تو اسے اختیار ہے کہ بیع فسخ کرلے یا اسے بحال رکھے اس کی وجہ صاحب ہدایہ نے یہ نہیں بتائی کہ اجل اور مدت و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مہلت "مبیع" یعنی قابل فروخت چیز ہے اور اضافی رقم اس کی قیمت ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ اجل اور مدت "شبہ مبیع" یعنی قابل فروخت چیز سے مشابہ ہے جس کی وجہ سے چیز کی قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر غلام کے ہلاک ہو جانے کے بعد مشتری کو بائع کی خیانت کا علم ہوا ہو تو پورے گیارہ سو روپے میں سودا مکمل اور لازم ہو جائے گا اور اجل و مدت کے بدلے میں قیمت کا کچھ حصہ واپس کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جا سکے گا۔ اس کی وجہ صاحب ہدایہ نے یہ بتائی ہے کہ ثمن میں اضافی رقم مدت و اجل کی قیمت نہیں تھی تا کہ اسے واپس لیا جائے بلکہ غلام کی قیمت میں شامل تھی اور غلام کو واپس کرنا تو اب ممکن نہیں ہے تا کہ اسے واپس کر کے اپنے گیارہ سو روپے واپس لے لئے جائیں۔ استدلال کرنے والوں نے ہدایہ کی عبارت کے آغاز میں لان للاجل شبها بالمبيع اور يزاد في الثمن لاجل الاجل دیکھ کر فوراً دلیل کی بے بنیاد عمارت کھڑی کر دی اور سوچنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی کہ ہماری یہ عمارت بنیادوں کے بغیر کتنی دیر کھڑی رہ سکے گی۔ انہوں نے اگر آنکھیں کھول کر دیکھا ہوتا تو بڑی آسانی کے ساتھ سمجھ لیتے کہ ہدایہ میں یہ نہیں کہا گیا کہ اجل اور مدت مبیع یعنی قابل فروخت چیز ہے جس کے مقابلے میں اضافہ کیا جاتا ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اجل اور مدت شبہ مبیع یعنی قابل فروخت چیز کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے جس کی وجہ سے فروخت کردہ چیز کی قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں نے عبارت کے آخر میں اس وضاحت کو نظر انداز کر دیا کہ مدت و مہلت کوئی قابل فروخت چیز (مبیع) نہیں ہے جس کے مقابلے میں قیمت میں اضافہ کیا جائے بلکہ اضافہ جو کچھ بھی ہوتا ہے قابل فروخت چیز کی قیمت میں ہوتا ہے نقد چونکہ ادھار سے اچھا ہوتا ہے "النقد خير من النسيئة" اس لئے لوگ نقد قیمت کم لیتے ہیں اور ادھار قیمت نسبتاً زیادہ لیتے ہیں اور شریعت نے بھی اس کی ممانعت نہیں کی۔ لیکن یہ ساری بحث تجارت اور کاروبار کی ہو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



رہی ہے قرض کی رقم پر مدت کی وجہ سے اضافہ لینے دینے کے بارے میں نہیں ہو رہی قرض کی مدت تو نہ "مبیع" ہے اور نہ "شبہ مبیع" بلکہ احسان اور تبرع ہے جو قابل فروخت چیز نہیں ہے اور یہ نفع کمانے کا کاروبار بھی نہیں ہے تاکہ ادائیگی کے وقت تک قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کا اندازہ لگا کر قیمت کا تعین کیا جائے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی چیز کی نقد قیمت ایک ہزار تھی مگر دونوں فریقین نے بغیر کسی جبر و مکر اور حیلے و فریب کے اس چیز کی ادھا قیمت پندرہ سو طے کرلی تو یہ تجارت ہے اور حلال ہے لیکن اگر خریدار نے وعدہ خلافی کر کے یا مجبوری کی وجہ سے وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کی یا قسطوں کی صورت میں بروقت قسط ادا نہ کی تو بائع ایک پیسے کا اضافہ نہیں کر سکتا اس لئے کہ یہ قرض کی اصل رقم پر اضافہ ہے جو ربا ہے اور حرام ہے چیز کی قیمت میں اضافہ نہیں ہے تاکہ اسے تجارت قرار دے کر حلال سمجھ لیا جائے۔ صاحب ہدایہ نے کتاب الصلح میں تجارت اور قرض کے اسی فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

اگر ایک شخص کا دوسرے پر مقررہ میعاد تک ایک ہزار روپیہ قرض تھا اس نے اپنے مقروض کے ساتھ اس شرط پر صلح کرلی کہ پانچ سو روپیہ وقت سے پہلے نقد دیدو تو باقی چھوڑ دونگا تو یہ صلح جائز نہیں ہے اس لئے کہ نقد ادھار سے بہتر ہوتا ہے اور نقد ادائیگی معاہدے میں شامل نہیں تھی۔ اس لئے دائن کو وقت سے پہلے مطالبے کا حق نہیں تھا تو وقت سے پہلے ادائیگی ان پانچ سو روپے کے عوض میں کی جائیگی جو دائن نے اپنے ادھار دین سے کم کیے ہیں۔ (وذالك اعتیاض عن الاجل وهو حرام) اور یہ کمی مدت اور مہلت کی قیمت ہوگی جو حرام ہے۔ (۱)

یعنی اگر نقد ادائیگی معاہدے میں شامل ہوتی یا ادائیگی کی میعاد پوری ہوگئی ہوتی تو اس صورت میں ہزار کی جگہ پانچ سو لینا آدھا قرض معاف کرنا ہوتا جو جائز ہی

---

(۱) ہدایہ باب الصلح فی الدین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نہیں بلکہ مستحب اور افضل کام ہے لیکن وقت سے پہلے صلح اور معاہدے کی بناء پر پانچ سو لینا اور پانچ سو چھوڑنا دراصل مدت کا عوض دینا اور لینا ہے حالانکہ مدت کی کوئی قیمت نہیں ہے اور نہ یہ قابل خرید و فروخت چیز ہے۔ ہدایہ کی اس کھلی اور واضح بات کے مقابلے میں باب المرابحہ کے شبہاً بالمبیع کے لفظ سے استدلال کرنا اور مدت کو قابل فروخت چیز متصور کرنا کیسی تحقیق ہے اور کہاں کا انصاف ہے؟ اسکا فیصلہ ہر عدل کرنے والا قاضی اور مفتی بآسانی کر سکتا ہے۔ صاحب ہدایہ نے مدت میں کمی کے بدلے میں قرض میں کمی کرنے کے معاہدے کے بارے میں جو بات کہی ہے کہ یہ مدت کی قیمت لینا ہے جو حرام ہے یہی بات مشہور صحابی ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔(۱)

ہدایہ کے شارح علامہ بابرتی متوفی ۷۸۶ھ اور علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ دونوں نے اس کی توجیہ و تشریح میں لکھا ہے کہ:

ادھار کے سود کے حرام ہونے کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس میں مدت کے بدلے میں مال لینے کا شبہ ہے تو حقیقتاً مدت کے بدلے میں مال لینا بطریق اولی حرام ہوگا۔(۲)

## ۱۰۔ کیا سود باہمی رضامندی سے حلال ہو سکتا ہے؟

تجارتی سود کے ایک بڑے وکیل جعفر شاہ پھلواروی نے اپنی کتاب "کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت" میں یہ نرالی دلیل بھی دی ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے "اے ایمان والو ایک دوسرے کے اموال کو باطل طریقے سے نہ کھاؤ الا یہ کہ وہ باہمی رضامندی کی تجارت ہو۔" (النساء آیت ۲۹)

---

(۱) مؤطا امام مالك كتاب البيوع باب الربا فى الدين

(۲) عنايه و بنايه باب الصلح [illegible]

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس آیت میں اکل بالباطل سے منع کیا گیا ہے لہذا تجارت کے جن جن طریقوں میں اکل بالباطل ہے وہ حرام ہیں اور جہاں اکل بالباطل ہوگا وہاں ایک فریق کی عدم رضا ضرور ہوگی کمرشل پر جو تجارت ہوتی ہے اس میں دونوں کی رضامندی اور خوش دلی ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ استدلال جو پھلواری صاحب نے کیا ہے جس پر ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی آتا ہے۔ اکل بالباطل کے مفہوم میں ایک فریق کی ناراضگی کی شرط لگانے کی آخر بنیاد کیا ہے اور یہ شرط لگائی کس نے ہے؟ باطل سے مراد غیر شرعی طریقہ ہے اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ غیر شرعی طریقے سے ایک دوسرے کے اموال نہ کھاؤ خواہ وہ غصب' جبر اور ظلم کے ذریعے کھائے گئے ہوں یا باہمی رضامندی سے حاصل کیے گئے ہوں اگر زنا' رشوت اور تعاون بالاثم کے ذریعے حاصل کردہ مال کھانا حلال نہیں ہے اگرچہ وہ باہمی رضامندی سے حاصل کیا گیا ہو تو باہمی رضامندی سے سود کھانا کس طرح حلال ہو سکتا ہے؟ بلکہ خود تجارت کی بعض قسمیں ایسی ہیں جو رضامندی کے باوجود حرام ہوتی ہیں مثلاً شراب' خنزیر اور دوسری حرام چیزوں کی تجارت حرام ہے اگرچہ فریقین کی باہمی رضامندی سے کی گئی ہو اس طرح منابذہ' ملامسہ' مزابنہ' محاقلہ اور دوسرے بیوع باطلہ وفاسدہ حرام ہیں۔ اگرچہ باہمی رضامندی سے ہوئے ہوں اگر تجارت کی یہ قسمیں فریقین کے راضی ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہو سکتیں تو تجارتی سود لینے والے اور دینے والے کی رضامندی سے کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ اس کے علاوہ سود کو تجارت کہنے کی بات تو مشرکین مکہ کی بات تھی جسے یہ لوگ بار بار دہرا رہے ہیں اور سوچتے نہیں ہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور کس کی وکالت کر رہے ہیں۔ قرآن کریم نے الاان یکون ربا عن تراض منکم تو نہیں کہا بلکہ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم کہا ہے یعنی اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ باہمی رضامندی سے سود کھاؤ اور کھلاؤ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ باہمی رضامندی سے تجارت کرو اور سود قرض پر نفع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لینے دینے کا نام ہے تجارت اور کاروبار میں نفع لینے دینے کا نام تو نہیں ہے مذکورہ دس شبہات وہ ہیں جن کو متجددین دہراتے رہتے ہیں جن کے جوابات مذکورہ دس عنوانات کے تحت الحمد اللہ دیدیئے گئے ہیں۔اور اب ان کے پاس سوائے ادھر ادھر کی بولیاں بولنے اور ہوائیاں اڑانے کے کچھ باقی نہیں رہا بینکوں کے سود کو حلال قرار دینے والوں کے مذکورہ شبہات کی بنیاد قرآن وسنت کی نصوص اور ان کے اجماعی تعبیر کے مقابلے میں عقل آرائی اور اجتہادبازی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے لیکن میں نے واضح کر دیا ہے کہ ان کی عقل آرائی اور اجتہادبازی دراصل یورپ کی سرمایہ درانہ معیشت کے اصول کی تقلید ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو ائمہ اسلام کی تقلید پر تو شرماتے ہیں مگر غیر اسلامی معیشت کے ائمہ کی تقلید پر فخر کرتے ہیں اور اپنے آپ کو دانشور سمجھتے ہیں۔

بریں عقل ودانش بباید گریست۔

# سودی حیلوں کی تردید

انسان جب کسی چیز کا عادی ہو جاتا ہے تو اسے چھوڑنا اس کیلئے بڑا مشکل ہوتا ہے۔یہی حال سود خوروں کا ہے یہ لوگ چونکہ سودی کاروبار کے عادی بن چکے ہیں اور اسمیں مہارت اور تجربہ حاصل کر چکے ہیں اسلئے حیلوں' بہانوں کے ذریعے اپنے اس دھندے کو جاری رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور قسم قسم کے سودی حیلے تلاش کرتے رہتے ہیں تاکہ نام تجارت کا ہو اور کام سود کا بورڈ حلال کھانے کا ہو اور ملتا ہو حرام کھانا ہر دور کے سود خوروں نے "حیل ربویہ" کے ذریعے اپنا سودی کاروبار چلایا ہے لیکن جدید دور کی سودی معیشت کے ماہرین نے نئے نئے سودی حیلے ایجاد کیے ہیں جن کی تردید کرنا اور جن کی حقیقت سے پردہ اٹھانا ضروری ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# حیلے کی حقیقت اور اس کی مذمت

حیلہ کی حقیقت کیا ہے ؟ اور کیا حیلے کی وجہ سے حرام حلال ہو سکتا ہے، ظلم انصاف بن سکتا ہے اور ناپاک پاک بن سکتا ہے ؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "تم وہ جرم نہ کرو جو یہودیوں نے کیا تھا کہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حیلوں کے ذریعے حلال سمجھ لو۔" (۱)

لفظ حیلہ اپنے اصل لغوی مفہوم کے اعتبار سے کوئی بری چیز نہیں ہے۔

امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ "کسی حالت اور مقصد تک پہنچنے کی خفیہ تدبیر کو حیلہ کہا جاتا ہے۔ اس کا اکثر استعمال تو برے کام کے لئے ہوتا ہے مگر یہ اس کام کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جس میں حکمت اور مصلحت ہو۔" (۲)

قرآن میں مستضعفین کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ "لا یستطیعون حیلة ولا یهتدون سبیلا" جو کسی خفیہ تدبیر کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ان کو کسی پناہ گاہ تک پہنچنے کا راستہ معلوم ہوتا ہے۔ (النساء آیت ۹۸)

اس آیت میں ہجرت کی تدبیر کے لئے حیلے کا لفظ استعمال ہوا ہے جو ظاہر ہے کہ نیکی کا کام ہے حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہے کہ "حیلہ کسی مقصد کو حاصل کرنے کے خفیہ راستے کا نام ہے" اس تعریف سے معلوم ہوا کہ اچھے مقصد کے لئے حیلہ کرنا اچھا ہے اور برے مقصد کے لئے حیلہ کرنا برا ہے علامہ بدر الدین عینیؒ نے نسفی کی کتاب الکافی کے حوالے سے امام محمدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ "یہ مسلمانوں کے اخلاق میں شامل نہیں ہے کہ وہ حق کے ابطال کیلئے حیلے کریں اور اللہ کے احکام سے فرار اختیار کریں" (۳)

(۱) فتاوی کبری لابن تیمیه ۱۲۳ ج ۳ طبع ۱۳۸۵ء وقال اسناده جید

(۲) المفردات فی غریب القرآن طبع ۱۹۶۱ء ۱۳۷ (۳) عمدة القاری شرح بخاری کتاب الحیل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امام محمدؒ کے شاگرد ابو حفص کبیر نے اپنے شیخ کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ "جس حیلے کے ذریعے حق کا ابطال یا باطل کا احقاق کیا گیا ہو وہ مکروہ ہے اور مکروہ انکے نزدیک حرام کے قریب تر ہوتا ہے۔(۱)

امام محمدؒ کے دوسرے شاگرد ابو سلمان جوز جانی نے ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے "کتاب الحیل ہماری کتابوں میں سرے سے شامل ہی نہیں ہے"(۲)

اس مختصر سی بحث سے ثابت ہوا کہ حیلوں سے حرام حلال نہیں ہو سکتا اور اس قسم کے حیلے کرنا اسلامی اخلاق کا تقاضی نہیں ہے بعض لوگ حیلے کے جواز کے لئے ایوب علیہ السلام کے قصے کو دلیل بناتے ہیں کہ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ صحت یاب ہونے کے بعد میں اپنی بیوی کو سو کوڑے مارونگا۔ مگر اللہ نے اسے یہ تدبیر بتائی کہ اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا پکڑ کر اس سے مارلو اور قسم نہ توڑو۔(سورۃ ص ٤٤)

ان لوگوں نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ یہ تو اللہ کی بتائی ہوئی تدبیر تھی اور حکم الٰہی تھا جس پر عمل کرنا ایوبؑ پر فرض تھا اور تقاضائے ایمان تھا۔ مگر ہماری بحث تو سود کھانے کے حیلوں میں ہو رہی ہے ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قسم پوری کرنے کے لئے اس قسم کا حیلہ ایوبؑ کے بعد کسی کیلئے جائز نہیں ہے اور علامہ آلوسیؒ نے فرمایا ہے کہ بہت سے لوگوں نے حیلوں کے جواز کیلئے اس آیت کو دلیل بنایا ہے اور ان کے صحیح اور جائز ہونے کیلئے اس آیت کو بنیاد قرار دیا ہے۔ مگر میرے نزدیک وہ حیلہ مقبول نہیں ہے جس سے کسی شرعی مصلحت اور حکم شرعی کا ابطال ہو رہا ہو جیسے زکوٰۃ سے بچنے کا کوئی حیلہ۔ (۳)

آلوسیؒ کا مقصد یہ ہے کہ اس آیت سے حرام کو حلال کرنے اور فرض سے جان

(۱) فتح الباری کتاب الحیل

(۲)اعلاء السنن ص٤٣٢ ج ١٨

(۳)روح المعانی سورۃ ص آیت ٤٤

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



چھڑانے کا حیلہ ثابت نہیں ہوتا۔بلکہ یہ ایک تدبیر تھی جو ایوبؑ کو بتائی گئی تھی اور اسی کے ساتھ مخصوص تھی حیلوں کے جواز کے لئے ابو سعید خدریؓ اور ابو ہریرہؓ سے مروی متفق علیہ حدیث کو بھی دلیل بنایا گیا ہے کہ لوگ برنی اور جنیب یعنی اعلی قسم کی کھجوروں کی ایک صاع عام قسم کی مخلوط کھجوروں کے دو صاع کے عوض خریدتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو بلکہ عام قسم کی مخلوط کھجوروں کو روپوں کے عوض بیچ لو اور پھر روپوں کے بدلے میں اعلی قسم کی کھجوریں خرید لو۔لیکن یہ تو حرام کاروبار کے مقابلے میں حلال کاروبار اختیار کرنے کا حکم تھا حرام کو حلال کی شکل میں پیش کرنے کا کوئی حیلہ نہیں تھا اس کی مثال تو یہ ہے کہ جیسے آج ہم کہتے ہیں کہ سود کا متبادل مضاربت اور تجارت کے دوسرے شرعی طریقے ہیں ان کو اختیار کرو اور سودی کاروبار چھوڑ دو۔ ظاہر ہے کہ ہمارا یہ مطالبہ سودی نظام کو بحال رکھنے کا کوئی حیلہ تو نہیں ہے بلکہ سودی معیشت کے خاتمے اور غیر سودی معیشت نافذ کرنے کا مطالبہ ہے۔ایک صاع اور دو صاع کا تبادلہ ربا الفضل تھا اسلئے اس سے روک لیا گیا اور روپوں سے کھجوریں خریدنا ربا نہیں تھا اس لئے اس کی اجازت دیدی گئی۔

فقہ حنفی کے فتاوی میں جن حیلوں کا ذکر ہوا ہے ان پر امام بخاری کی تعریض کا جواب دیتے ہوئے علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں۔امام بخاریؒ نے حیلے کے جواز اور نفاذ میں فرق نہیں کیا حالانکہ دونوں کے درمیان واضح فرق ہے۔بعض کام شریعت میں جائز نہیں ہوتے لیکن اگر کسی نے وہ کام کر لئے ہوں تو ان پر احکام مرتب ہو جاتے ہیں مثلا حیض کی حالت میں طلاق دینا ممنوع ہے لیکن اگر کسی نے دیدی تو طلاق نافذ ہو جائے گی۔جس نے بھی حیلے نقل کئے ہیں اور ان کی مذمت میں ابو یوسفؒ کا قول نقل نہیں کیا تو اس نے بہت بڑی غلطی کی ہے اس لئے کہ اسلام میں یہ دھوکے کیسے جائز ہو سکتے ہیں جب کہ اسلام ان کے مٹانے اور ان کی بیخ کنی کے لئے آیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے۔ اگر انہوں نے باب الحیل کھولنے سے پہلے لکھ دیا ہوتا کہ لوگوں کے اموال پر قبضہ جمانے کے لئے حیلے کرنا ہمارے نزدیک بھی حرام ہے تو سینہ ٹھنڈا ہو جاتا اور شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جاتا اس لئے کہ حیل تو ان لوگوں کے لئے ہیں جو ایسی مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہوں جس نے ان کو تباہی اور ہلاکت کے قریب کر دیا ہو حیلوں کا مقصد نعوذ باللہ یہ نہیں ہے کہ لوگوں کے اموال کو برباد کرنے کے لئے ان کو رائج کیا جائے اور مباح قرار دیا جائے۔ حق اور صحیح بات بعض اوقات سوء تعبیر کی وجہ سے غلط دکھائی دیتی ہے ہم پر جو اعتراضات بھی وارد ہوئے ہیں تعبیر کی غلطی کی وجہ سے وارد ہوئے ہیں اس لئے ہم پر واجب ہے کہ ہم پہلے حیلوں کی شدید مذمت میں اپنے علماء کے اقوال نقل کریں اس کے بعد امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ دونوں کے اقوال نقل کئے ہیں۔ (۱)

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ متوفی ۱۳۹۴ھ نے لکھا ہے کہ:

اب تک یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ امام بخاریؒ کتاب الحیل میں ابو حنیفہؒ اور اس کے اصحاب پر رد کر رہے ہیں۔ بلکہ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ حیلہ کرنے والوں پر رد فرما رہے ہیں اسی طرح ابن القیمؒ بھی اعلام الموقعین میں حیلہ بازوں کی تردید کر رہے ہیں اور یہ حیلہ گر لوگ ائمہ میں سے کسی امام کے پیروکار نہیں ہیں اگرچہ بعض حیلے جب حیلہ بازوں نے کر لئے ہوں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نافذ ہو جاتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ حیلوں کی اجازت دیتے ہیں اور ان کی تعلیم دیتے ہیں اس لئے کہ ان کی اباحت اور جواز الگ چیز ہے اور ان کا نافذ ہو جانا الگ چیز ہے۔" (۲)

شاہ صاحب اور عثمانی صاحب کی توجیہ کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی معاملے میں بظاہر صحت اور جواز کی قانونی شرائط موجود ہوں تو وہ معاملہ قاضی کی عدالت میں صحیح اور درست سمجھا جائے گا اس لئے کہ عدالتیں ظاہر کو دیکھتی ہیں جب تک کہ حیلہ بازی

(۱) فیض الباری ۴۷۹، ۴۸۰ ج ۴

(۲) اعلاء السنن ص ۴۳۶ تا ۴۴۲ ملخصاً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور بد نیتی کھل کر سامنے نہ آجائے لیکن اس معاملے کا مقصد اگر برا ہو تو قضاءً نافذ ہونے کے باوجود وہ ناجائز ہوگا اور قیامت کے روز قابل مؤاخذہ ہوگا۔ احناف حیلوں کے نفاذ کے قائل ہیں بشرطیکہ صحت عقد کی شرطیں موجود ہوں اور عدالت کو خفیہ حیلہ گری اور ناجائز مقصد کا علم نہ ہو ورنہ حیل باطلہ کو حنفیہ بھی حرام سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ شریعت کا ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جائز اور مباح کام اگر حرام کا ذریعہ بنتا ہو اور حرام کا راستہ کھولتا ہو تو وہ ممنوع اور ناجائز ہوتا ہے اس کو "قاعدہ سدالذریعہ" کہا جاتا ہے۔ حیل ربویہ اور سودی حیلے چونکہ سود کا راستہ کھولنے کا ذریعہ بنتے ہیں اس لئے ان کا سدباب ضروری ہے۔

## (۱) نوٹوں کے قرض لین دین میں سونے کی قیمت کو معیار بنانے کا حیلہ

بعض لوگوں نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ کرنسی نوٹوں کے قرض لین دین میں سونے کی قیمت کو معیار بنایا جائے۔ یعنی قرض دیئے گئے نوٹوں کے بدلے میں سونے کی جتنی مقدار ملتی ہو واپسی کے وقت نوٹوں کی مقدار سونے کی اسی مقدار کی قیمت کے برابر ہونی چاہیئے۔ مثلاً آج کسی کو پانچ ہزار روپے قرض دیئے گئے جس کے بدلے میں ایک تولہ سونا ملتا ہے لیکن ادائیگی کے وقت ایک تولے کی قیمت چھ ہزار ہو گئی تو چھ ہزار روپے دینے ہونگے اور یہ ربا اس لئے نہیں ہوگا کہ ایک تولے کی قیمت کے برابر نوٹ لئے تھے اور ایک تولے ہی کی قیمت کے برابر نوٹ واپس کئے گئے ہیں۔ یہ ہے اس حیلے کا مفہوم جسے کچھ لوگ افراط زر اور طلب و رسد کے عدم توازن کی وجہ سے کرنسی نوٹوں کی قوت خرید میں کمی کا علاج سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ بات تو ہم واضح کر چکے ہیں کہ نقود ورقیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی کاغذی نوٹوں کے ساتھ اب سونے کا کوئی قانونی تعلق باقی نہیں رہا بلکہ یہ مستقل طور پر مال مثلی اور ثمن عرفی کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور سونے چاندی کے قائم مقام بن چکے ہیں اس لئے اس حیلے کے ذریعے پانچ ہزار دیکر چھ ہزار لینا اسی طرح کا سود ہوگا جس طرح کہ ایک تولہ سونا قرض دیکر سوا تولہ واپس لینا یا ایک من گندم قرض دیکر ڈیڑھ من لینا سود ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ نوٹوں کی قیمت میں کمی ہو گئی ہے تو ہم فقہاء کا یہ قاعدہ بیان کر چکے ہیں کہ قرض کی واپسی میں جنس اور مقدار میں برابری ضروری ہوتی ہے کہ جتنا اور جیسا لیا تھا اتنا ہی اور ویسا ہی واپس کرنا ہوگا۔ قیمت اور قوۃ خرید میں برابری اور مثلیت ضروری نہیں ہوتی۔ قوۃ خرید میں کمی بیشی تو سونے چاندی کے سکوں اور گندم و چاول میں بھی ہوتی ہے لیکن ان میں تو کسی نے نہیں کہا کہ قرض کی ادائیگی قیمت کے اعتبار سے کی جائے بلکہ سب کہتے ہیں کہ ادائیگی جنس اور مقدار کے اعتبار سے کی جائے جب ثمن خلقی یعنی سونے چاندی کے سکوں میں مثلیت اور برابری قیمت اور قوۃ خرید کے اعتبار سے نہیں بلکہ مقدار اعتبار سے ملحوظ رکھی جاتی ہے تو ثمن عرفی اور زر قانونی یعنی کرنسی نوٹوں میں قوۃ خرید کے اعتبار سے مثلیت اور برابری کو کیوں ضروری سمجھا جاتا ہے؟ جبکہ یہ سونے چاندی کے سکوں کے قائم مقام ہیں اس حیلے سے تو سود کا دروازہ کھل جائے گا۔ اگر مقصد کرنسی نوٹوں کو سونے کے ساتھ منتھی کرنا تھا اور واپسی سونے کی قیمت کے اعتبار سے کرنی تھی تو پھر اس حیلے کی کیا ضرورت تھی سیدھے طریقے سے سونا دیکر سونا ہی واپس لیا جاتا۔

آج کل جو لوگ نوٹوں کا قرض لین دین کرتے ہیں ان کے ذہن میں یہ بات نہیں ہوتی کہ وصولی اور ادائیگی سونے کی قیمت کے حساب سے کی جائے گی حالانکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ نوٹوں کی قیمتوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے لیکن اس کے باوجود نوٹوں کا قرض لین دین کرتے ہیں اس لئے کہ لوگ جانتے ہے کہ اگر نوٹ ان کے جیب یا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الماری میں موجود ہوتے پھر بھی ان کی قوت خرید میں جو کمی آنی تھی وہ آجاتی تو جو نوٹ جیب میں رکھنے کی بجائے کسی کو قرض حسن دیئے گئے ہوں ان کی قوت خرید میں بھی جو کمی آنی تھی وہ آگئی ہے۔ جس میں نہ قرض لینے والے کا کوئی قصور ہے اور نہ قرض دینے والے کا کوئی قصور ہے بلکہ یہ حالات اور طلب و رسد کے درمیان عدم توازن کا تقاضی ہے خواہ یہ عدم توازن مصنوعی ہو یا فطری اسے صبر و شکر کے ساتھ برداشت کر لینا چاہئے اور آئندہ کے لئے طلب و رسد کو متوازن بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

## (۲) اشاریہ بندی یعنی اشیاء صرف کی قیمتوں کو معیار بنانے کا حیلہ

افراط زر کی وجہ سے کرنسی نوٹوں کی قیمت میں کمی کی تلافی کے لئے اشاریہ بندی کی تجویز بھی بار بار دہرائی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اشیاء صرف اور ضروریات زندگی کی قیمتوں کو معیار بنا کر قرض کا لین دین کیا جائے اور تمام حقوق واجبات میں قیمتوں میں اضافے کے تناسب سے اضافہ کر دیا جائے اگر چیزوں کی قیمتوں میں دس فیصد اضافہ ہوا ہے تو قرض اور دوسرے واجبات میں بھی دس فیصد اضافہ کر دیا جائے۔ یعنی ایک ہزار کے بدلے میں گیارہ سو دیئے جائیں اور اگر قیمتوں میں ۵۰ فیصد اضافہ ہوا ہے تو ادائیگی بھی ۵۰ فیصد اضافے کے ساتھ کی جائے یعنی ایک ہزار کے بدلے میں ڈیڑھ ہزار دیا جائے اشاریہ بندی کی یہ تجویز بھی سودی حیلوں میں سے ایک حیلہ ہے جو قرض کے بارے میں شرعی قاعدے سے متصادم ہے اس لئے کہ کرنسی نوٹ کی حیثیت اب رسید کی نہیں ہے بلکہ یہ ایک زر قانونی اور ثمن عرفی ہے جو سونے چاندی کے سکوں کی جگہ لے چکا ہے اور سونے چاندی یا دوسرے اموال ربویہ کے نقد تبادلے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



میں بھی قیمت اور مالیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ مقدار میں برابری ضروری ہے تو قرض اور ادھار میں قیمت کو کس طرح معیار بنایا جا سکتا ہے ؟ اگر بیع صرف کے طور پر خالص چاندی کا ایک درہم دو کھوٹے درہموں کے بدلے میں فروخت کیا جائے یا خالص سونے کا ایک دینار دو کھوٹے دیناروں کے بدلے میں فروخت کیا جائے تو یہ ربا الفضل ہے اور حرام ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے کے بدلے سونے اور چاندی کے بدلے چاندی کے مبادلے میں برابر برابر ہونا مطلقاً شرط قرار دیا ہے اور کھرے کھوٹے کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا بلکہ ایک حدیث میں تو صریح الفاظ میں فرمایا گیا ہے کہ "جید اور ردی دونوں برابر ہیں" (۱)

علامہ زیلعیؒ متوفی ۷۶۲ھ اور علامہ بدر الدین عینیؒ متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ غریب ہے لیکن اس کا مفہوم ابو سعید خدریؓ کی حدیث سے بھی اخذ کیا جا سکتا ہے۔(۲)

ابو سعیدؓ کی جس حدیث کا حوالہ زیلعیؒ اور عینیؒ نے دیا ہے اس میں مثلاً بمثل کے بعد وزناً بوزن کا لفظ بھی آیا ہے ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ مثلاً کا لفظ عام ہے اس لئے وزناً کا اضافہ کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تماثل اور برابری مقدار میں ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے برنی اور جنیب یعنی عمدہ کھجور کی ایک صاع کے بدلے میں گھٹیا قسم کی کھجور کے دو صاع لینے دینے کو سود قرار دیا ہے حالانکہ ان کی مالیت اور قوۃ خرید میں بڑا فرق ہوتا ہے۔(۳)

انہی دلائل کی بنا پر فقہاء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ "اموال ربویہ" میں جید اور ردی دونوں برابر ہیں الا یہ کہ درہم و دینار کا کھوٹ اور غش خالص چاندی اور سونا

---

(۱) ہدایہ کتاب البیوع باب الربا

(۲) نصب الرایہ اور البنایہ باب الربا

(۳) فتح القدیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سے زیادہ ہو تو اس صورت میں دراہم ودنانیر کی حیثیت عروض یعنی اشیاء استعمال اور سامان کی ہوگی جس کی بیع میں تماثل اور برابری شرط نہیں ہے بلکہ کمی بیشی بھی جائز ہے اس لئے خالص چاندی کا ایک درہم دو ایسے درہموں کے بدلے میں فروخت کیا جاسکتا ہے جس کا کھوٹ چاندی کی مقدار سے زیادہ ہو۔ (۱)

جب کرنسی نوٹ سونے چاندی کے سکوں کی جگہ لے چکے ہیں تو ان کے قرض لین دین میں بھی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ مقدار اور جنس کا اعتبار ہوگا کہ جس ملک کے جتنے نوٹ دیئے تھے اسی ملک کے اتنے ہی نوٹ واپس کرنے ہونگے۔ اشاریہ بندی اور انڈیکسیشن کی بنیاد پر قرض کی ادائیگی میں دوسری خرابی یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی پہلے سے متعین مقدار کے مطابق کرنا لازم ہے اور اشاریہ بندی میں مقدار کا تعین تخمینی اور قیاسی طریقے پر ادائیگی کے وقت کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ قرض لیتے وقت معلوم نہیں ہوتا کہ قیمتوں میں اضافہ کتنا ہوگا اور کن کن چیزوں کی قیمت بڑھے گی؟

ان وجوہات کی بنا پر اسلامی بینکاری اور اسلامی شریعت دونوں کے ماہرین نے اشاریہ بندی کی تجویز کو مسترد کر دیا ہے اور متعدد بین الاقوامی سیمیناروں میں یہ طے ہو چکا ہے کہ یہ شرعی قواعد سے متصادم بھی ہے اور افراط زر کے مسئلے کا حل بھی نہیں ہے۔

## فلوس کے بارے میں

## امام ابو یوسفؒ کے قول ثانی کی توجیہ

اشیاء صرف کی قیمتوں کے تناسب سے قرض کی مقدار میں اضافہ کرنے

(۱) بدائع ۲۲۰ ج ۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



(اشاریہ بندی) کے لئے امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد قاضی ابو یوسفؒ کی رائے کو بھی دلیل بنایا گیا ہے۔ جن کی رائے آخر میں یہ بنی تھی کہ فلوس یعنی سونے چاندی کے علاوہ دوسرے دھاتی سکوں کی قیمت میں اگر کمی بیشی ہو گئی ہو تو قرض کی ادائیگی فلوس کی اس قیمت کے مطابق کی جانی چاہیے جو قرض لینے کے وقت یا بیع کے وقت تھی۔ کرنسی نوٹ بھی چونکہ فلوس کی طرح ثمن عرفی ہیں ثمن خلقی نہیں ہیں۔ اس لئے ان کے لین دین میں بھی مقدار کی بجائے قیمت اور قوۃ خرید کو معیار بنانا چاہیئے۔ سودی حیلوں کے عادی لوگوں کو اگر تقلید ہی کرنی تھی تو بہتر یہ تھا کہ امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی تقلید کر لیتے جن کی رائے یہ ہے کہ فلوس جب تک مارکیٹ میں بطور ثمن چل رہے ہوں (نافق ہوں کاسد نہ ہوں) اس وقت تک ادائیگی بالمثل ضروری ہوگی یعنی جتنے سکے بطور قرض یا بطور ثمن واجب الاداء تھے اتنے ہی واپس کرنے ہونگے اور قوۃ خرید میں کمی بیشی کی وجہ سے واجب الاداء فلوس کی مقدار میں کمی بیشی جائز نہیں ہوگی۔ البتہ اگر دھاتی سکے کاسد ہو گئے ہوں یعنی بازار میں ان کا چلن بالکل ختم ہو گیا ہو تو پھر قرض لیتے وقت یا بیع کے وقت ان کی جو قیمت تھی اس کے اعتبار سے مروجہ سکوں میں ادائیگی کی جائے گی اس لئے کہ بطور ثمن ان کا چلن ختم ہونے کی وجہ سے ان کی حیثیت سامان تجارت کی ہو گئی ہے جیسے تانبا 'لوہا 'اور سلور وغیرہ۔(۱)

دوسری بات یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے جس بنیاد پر ادائیگی بالقیمت کا فتوی دیا تھا۔ وہ یہ تھی کہ فلوس کا تعلق اس دور میں سونے اور چاندی کے ساتھ تھا اور یہ دراہم کی ریزگاری تھی مثلاً درہم اگر دس فلوس کا ہو تو ایک فلس درہم کا دسواں حصہ بنتا ہے اس اعتبار سے دس فلوس قرض لینا ایک درہم قرض لینے کے برابر ہے اور جب فلوس کی قیمت میں کمی آجائے تو اس صورت میں دس فلوس ہی واپس کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ

(۱) الموسوعۃ الفقھیۃ وزارۃ الاوقاف کویت طبع ۱۹۹۵، ص ۲۰۶ تا ۲۰۹ ج ۳۲ مادہ فلوس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



درہم کا دسواں حصہ کم دیا ہے اور گیارہ فلوس دینے کے معنے یہ ہیں کہ جو درہم لیا تھا وہی پورے کا پورا واپس کر دیا ہے اس لئے کہ فلوس درہم کے اجزاء اور ریزگاری کی حیثیت رکھتے تھے۔ مستقل ثمن کی حیثیت نہیں رکھتے تھے جو اصل میں نادار اور تنگدست لوگوں کیلئے بنائے جاتے تھے تاکہ وہ ان کے بدلے میں اپنی ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزیں خرید سکیں کیونکہ سونے چاندی کے سکے یعنی درہم اور دنانیر قیمتی چیزوں کی خریداری کے لئے یا زیادہ مقدار میں خریداری کرنے کے لئے استعمال ہوتے تھے جو تنگدست اور نادار لوگوں کے پاس نہیں ہوتے تھے لیکن کرنسی نوٹوں کی حیثیت اب سونے چاندی کی رسید اور وثیقے کی نہیں ہے اور یہ درہم و دینار کے اجزاء اور ریزگاری بھی نہیں ہے بلکہ مستقل طور پر ثمن عرفی اور زر قانونی کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے جب تک یہ منسوخ نہ ہوئے ہوں اور ان کا چلن بالکل ختم نہ ہوا ہو اس وقت تک ان کی ادائیگی بالمثل ضروری ہوگی کہ جتنے لئے تھے اتنے ہی واپس کرنے ہونگے ایک تو ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اسلام کے مقابلے میں امام ابو یوسفؒ کے قول ثانی کو ترجیح دینا مناسب نہیں جب کہ ان کا پہلا قول ائمہ اربعہ کی رائے کے مطابق تھا اور اگر ان کی رائے کو ترجیح دی بھی جائے جیسا کہ علامہ شامی نے بعض حنفی فقہاء کے حوالے سے کہا ہے کہ فتویٰ ابو یوسف کے قول ثانی پر دیا گیا ہے پھر بھی آج کل کے کرنسی نوٹوں کو فلوس پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ دونوں کے درمیان فرق ہے۔

پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل کا متفقہ فیصلہ بھی یہی ہے کہ اشیاء کی قیمتوں کو قرض لین دین یعنی اشاریہ بندی کی شریعت میں کوئی گنجائش اور وجہ جواز موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ۱۴۰۷ھ میں اسلامی ترقیاتی بینک جدہ اور بین الاقوامی ادارہ برائے اسلامی اقتصادیات اسلام آباد دونوں کے زیر اہتمام جو سیمینار منعقد ہوا تھا جس میں مختلف ممالک کے ماہرین شریعت اور ماہرین معیشت نے شرکت کی تھی اس کا متفقہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فیصلہ بھی یہی تھا کہ:

کرنسی نوٹ تمام معاملات میں درہم و دینار کی طرح ہیں اور امام ابو یوسفؒ کا فلوس کے بارے میں یہ قول کہ ان کی قیمت میں کمی بیشی کی صورت میں قرضوں کی واپسی قیمت کے تناسب سے کی جائے گی ان کا یہ قول کرنسی نوٹوں میں جاری نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ کرنسی نوٹ نقدین (درہم و دینار) کے قائم مقام ہیں اور نقدین کی قیمت بڑھنے اور گھٹنے کا معتبر نہ ہونا متفق علیہ ہے سود اور قرض کی احادیث میں مثلیت اور برابری سے جنس اور قدر یعنی ناپ تول اور عدد میں برابری مراد ہے قیمت میں برابری مراد نہیں ہے یہ بات اموال ربویہ کے تبادلے سے متعلق احادیث سے پوری طرح واضح ہو جاتی ہے اسی پر امت کا اجماع ہے اور اسی پر عمل جاری ہے ہر قسم کے دیون کو قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ منسلک کرنا جائز نہیں۔"(۱)

جب سود کا شرعی اور حلال متبادل موجود ہے۔ جس کی تفصیل بعد کی سطور میں آرہی ہے انشاء اللہ تو اشاریہ بندی کے اس سودی حیلے پر آخر کیوں اصرار کیا جا رہا ہے؟ جبکہ اسے ماہرین شریعت نے مسترد کر دیا ہے اور ماہرین معیشت کے نزدیک بھی یہ افراط زر کا حل نہیں ہے۔

## (۳) قرض کی واپسی جنس کی صورت میں طے کرنے کا حیلہ

بعض حلقوں کی جانب سے یہ تجویز بھی پیش کی جاتی ہے کہ قرض کی واپسی جنس کی صورت میں کی جائے مثلاً دس ہزار روپے کے نوٹ دیتے وقت یہ طے کر لیا جائے کہ

(۱) فقہی مقالات از مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی ج ۱ ص ۷۲ ملخصا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ادائیگی کے وقت دس ہزار کی جتنی گندم ملتی ہو وہ دی جائیگی تو اس طرح کرنسی کی قیمت میں کمی کی تلافی ہو جائے گی۔ لیکن یہ تجویز بھی ایک قسم کا سودی حیلہ ہے جو تین وجوہات کی بناء پر شرعی قواعد سے متصادم ہے۔

ایک یہ کہ قرض کی واپسی بالمثل ضروری ہے اور اس تجویز میں نوٹوں کے بدلے میں گندم یا کوئی اور جنس دینا طے کیا جاتا ہے۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ واجب الاداء قرض کی مقدار کا پہلے سے تعین ہونا ضروری ہے اور اس تجویز کی رو سے اس جنس کی مقدار کا پہلے سے تعین نہیں ہو سکتا ہے اور ادائیگی کے وقت بھی مقدار کا تعین نزاع کا ذریعہ بن سکتا ہے اس لئے کہ مختلف علاقوں اور شہروں بلکہ دکانوں کے نرخ بھی الگ الگ ہو سکتے ہیں۔ اس تجویز میں تیسری خرابی یہ ہے کہ ادھار گندم کے بدلے میں پیشگی رقم دینا بیع سلم کی طرح کا معاملہ ہے مگر اسے نام دیا گیا ہے قرض کا حالانکہ دونوں کے درمیان فرق ہے کہ بیع میں نفع جائز ہے اور قرض پر نفع لینا حرام ہے اور دو قسم کے معاہدے ایک ہی چیز میں بیک وقت نہیں کیے جاسکتے۔ اگر دس ہزار روپے قرض دیئے گئے ہیں تو ادائیگی بالمثل کرنی ہو گی یعنی دس ہزار روپے کے نوٹ واپس کرنے ہونگے اور اگر یہ رقم گندم کی قیمت ہے تو پھر بیع سلم کی شرائط پوری کرنی ہو گی جن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جنس اور قیمت دونوں کی مقدار معاہدے کی مجلس میں متعین کی جائے اور یہاں گندم کی مقدار ادائیگی کے وقت متعین کی جائیگی۔

## ۴۔ حسن قضاء یعنی احسان کے بدلے احسان کا نظام

بعض لوگوں نے سود کے متبادل کے طور پر حسن قضاء کے نام سے ایک نظام بنانے کی تجویز پیش کی ہے جس کا خاکہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ بینک چھ ماہ یا ایک سال یا کم وبیش مدت تک کھاتہ داروں کی رقوم استعمال کرنے کے بعد ان کو احسان کے بدلے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



احسان کے طور پر کچھ اضافی رقم ادا کرے اضافی رقم کی مقدار کا تعین کرتے وقت مجموعی قومی آمدنی میں اضافہ کو' افراط زر کی وجہ سے کرنسی کی قیمت میں کمی کو اور کاروبار میں نفع کے تناسب کو ملحوظ رکھا جاسکتا ہے۔ اس اضافی رقم کا اعلان ہر مالی سال کے اختتام پر کیا جانا چاہئے مگر ساتھ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہ اضافی رقم قرض کا نفع نہیں ہے بلکہ حسن قضاء کے نظام کے تحت دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حیلہ ہے جو سود کو احسان اور انعام کے نام سے جاری رکھنے کے لئے پیش کیا گیا ہے۔ شبہات کے ازالے کی بحث میں اس کی تردید ہو چکی ہے۔ کیونکہ جو چیز مروج اور معروف ہو چکی ہو تو اس کا حکم وہی ہوتا ہے جو مشروط چیز کا ہوتا ہے چونکہ قرض پر مشروط اضافہ جائز نہیں ہے تو معروف اضافہ بھی جائز نہیں ہے جب قرض پر اضافی رقم دینے کا باقاعدہ نظام بنا لیا جائے اس کا اعلان کیا جائے اور یہ بینکوں اور کھاتہ داروں کے درمیان معاہدے کے بغیر ایک معمول بن جائے تو یہ کالمشروط نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اس نظام کے تحت جو بھی قرض دے گا اسی نیت سے دیگا کہ مجھے انعام کے طور پر کچھ اضافہ بھی ملے گا بلکہ جب یہ معاشرے کا رواج بن جائے گا تو عملاً یہ ایک غیر تحریری قانون بن جائے گا جس پر عدالتیں فیصلہ بھی کریگی حسن القضاء کی احادیث کا مفہوم تو یہ ہے کہ شرط اور عرف ورواج کے بغیر مدیون دائن کو بطور احسان کچھ زائد رقم دیدے تو یہ جائز ہے بلکہ بہتر ہے جیسا کہ پہلے وضاحت کر دی گئی ہے حقیقت یہ ہے کہ لوگ سود کے عادی ہو چکے ہیں اس لئے حیلوں بہانوں اور چور دروازوں کے ذریعے اسی ظالمانہ نظام کو بحال رکھنا چاہتے ہیں اور ان کو ایسے نام نہاد دانشور اور وکیل بھی مل جاتے ہیں جو انہیں حیلے اور چور دروازے بتاتے رہتے ہیں بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پروفیسر محمد طاہر القادری صاحب نے بھی حسن القضاء کے نظام کو جائز قرار دیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# قرض دینے والوں کو سرکاری واجبات اور ٹیکسوں میں رعایت دینا

قادری صاحب نے اس تجویز کی بھی حمایت کی ہے کہ قرض دینے کا رجحان بڑھانے اور ترغیب دلانے کیلئے قرض دینے والوں کو ٹیکسوں اور دوسرے سرکاری واجبات میں ایک مخصوص حد تک رعایت دی جائے۔ یہ بھی رعایت اور ترغیب کے نام پر ایک سودی حیلہ ہے جو ایجاد کیا گیا ہے ٹیکس اور سرکاری واجبات اگر ظالمانہ ہوں تو ان کو ختم کرنا ضروری ہے اور کسی سے بھی وصول کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر عادلانہ ہوں تو قرض دینے والوں کو ان میں چھوٹ دینا اور رعایت کرنا دراصل قرض کے بدلے میں نفع پہنچانا ہے جو سود ہے اگر کسی کو اس کی اقتصادی حالت یا اس کی قومی اور ملی خدمت کی وجہ سے واجبات میں رعایت دی گئی ہو تو یہ انعام ہے یا اعانت ہے اور جائز ہے لیکن جب اسے یہ رعایت قرض دینے کی وجہ سے دی گئی ہو تو یہ نہ انعام ہے اور نہ یہ اعانت ہے بلکہ ربا ہے دائن کا اپنے مدیون سے تحفہ لینا بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی شخص اپنے کسی بھائی کو قرض دے پھر اس کا مقروض اسے کھانے کا خوانچہ تحفے کے طور پر بھیجے تو اسے قبول نہ کرے یا وہ اپنی سواری پر سوار کرنا چاہے تو اس پر سواری نہ کرے سوائے اس صورت کے کہ ان دونوں کے درمیان پہلے سے ہدیہ لینے دینے کے تعلقات جاری ہوں۔" (۱)

عبداللہ بن سلامؓ نے ابوبردہؓ کے بیٹے سعید کو کہا تھا کہ:

جب تمہارا کسی پر کوئی حق ہو اور وہ تمہیں گھاس کا، یا جو کا، یا چارے کا کوئی گھٹا تحفے کے طور پر بھیجے تو اسے قبول نہ کرو کیونکہ یہ بھی سود ہے۔" (۲)

---

(۱) ابن ماجه کتاب الصدقات باب القرض (۲) بخاری باب مناقب عبدالله بن سلام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جب تحفہ لینا دینا جائز نہیں ہے تو واجبات میں چھوٹ اور رعایت لینا دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

## (٦) کرنسی نوٹوں کا زیادہ قیمت پر فروخت کرنے کا حیلہ

بعض لوگوں نے سودی سکیموں کو نئے نام سے جاری رکھنے کے لئے یہ حیلہ نکالا ہے کہ نوٹوں کو زیادہ قیمت پر فروخت کیا جائے مثلاً دس ہزار کے نوٹ بارہ ہزار کے عوض اور دس لاکھ کے نوٹ بارہ لاکھ کے عوض قرض مانگنے والے پر ادھار فروخت کر دیئے جائیں مگر اسے قرض کا نام نہ دیا جائے تو پھر یہ ۲ ہزار یا ۲ لاکھ قرض پر اضافہ نہیں ہوگا بلکہ نوٹوں کی قیمت فروخت میں اضافہ ہوگا جو حلال ہے اس کی دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ نوٹوں کا حکم فلوس کی طرح ہے اور امام شافعیؒ کا مسلک اور امام احمدؒ کا ایک قول یہ ہے کہ ایک سکے کو دو سکوں کے بدلے میں بیچنا جائز ہے اسلئے کہ فلوس میں ثمنیت عرفی ہے خلقی نہیں ہے اور ربا الفضل کی حرمت خلقی اثمان یعنی سونے چاندی کے ساتھ مخصوص ہے لہذا فلوس کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔(۱)

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ فلوس کا کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ بائع اور مشتری میں سے کسی ایک نے بیع وشراء کی مجلس میں الگ ہونے سے پہلے اپنے فلوس پر قبضہ کر لیا ہو اس لئے کہ ان کے نزدیک فلوس کا تعین قبضے کے بغیر نہیں ہو سکتا اور جب کسی ایک نے بھی قبضہ نہ کیا ہو تو یہ ادھار کی بیع ادھار سے ہوگی جو ممنوع ہے مگر امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ فلوس جب تک بازار میں چل رہے ہوں تو ان کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے اس لئے کہ جب تک ان سکوں کا بطور ثمن چلن ختم نہ ہو

---

(۱) نہایت المحتاج از علامہ رملیؒ ج ۳/ ۷۱٤ اور فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۹ ص ٤٦٠

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جائے اس وقت تک صرف بائع اور مشتری ان کی ثمنیت کو باطل کر کے ان کو عروض اور سامان کی حیثیت نہیں دے سکتے بلکہ ان کے ثمن اصطلاحی کی حیثیت بر قرار رہے گی اور اثمان کا باہمی تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے ایک سکے کا دو سکوں سے تبادلہ جائز نہیں ہے۔(۱)

اگرچہ دلائل کے اعتبار سے امام محمدؒ اور امام مالکؒ کی رائے مضبوط ہے اسلئے کہ جب فلوس میں ثمنیت عرف عام اور رواج عام کی وجہ سے آتی ہے تو اسے عرف عام ہی ختم کر سکتا ہے دو یا چند افراد تو ختم نہیں کر سکتے لیکن اگر دوسری رائے کو ترجیح دیدی جائے پھر بھی اس کا اطلاق کرنسی نوٹ پر نہیں ہو سکتا اسلئے کہ یہ نوٹ اب مستقل طور پر زر قانونی اور ثمن عرفی بن چکے ہیں اور درہم اور دینار کی جگہ لے چکے ہیں اس لئے ۱۰ ہزار نوٹوں کا تبادلہ ۱۲ ہزار نوٹوں کے ساتھ کرنا ایسا ہے جیسا کہ ۱۰ ہزار درہم کو ۱۲ ہزار کے بدلے میں فروخت کرنا ظاہر ہے کہ یہ تو عین ربا ہے یہ حیلہ دوسرے حیلوں سے زیادہ خطرناک ہے اس لئے کہ جو شخص بھی سود پر قرض دینا چاہتا ہو وہ اپنے کرنسی نوٹ زیادہ قیمت میں فروخت کر کے بڑی آسانی سے سود حاصل کرے گا۔ اور اس طرح سود کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا۔ البتہ مختلف ممالک کی کرنسیوں کی خرید و فروخت کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے مثلاً پونڈ کو ۸۰ روپے میں بیچنا۔ ڈالر کو پچاس روپے میں فروخت کرنا اور اسی طرح دوسرے نوٹوں کا پاکستانی کرنسی کے ساتھ تبادلہ کرنا جائز ہے اس لئے کہ مختلف ملکوں کی کرنسیاں مختلف اجناس ہیں۔

---

(۱) فتح القدیر باب الربا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# (۷) بیع عینہ کا حیلہ

سودی ذہنیت رکھنے والے سوداگروں نے بیع کے نام سے ایک اور حیلہ ایجاد کیا ہے۔ جس کو عینہ کہتے ہیں جس کی فقہی تعریف یہ ہے "بیع عینہ یہ ہے کہ کسی چیز کو ادھار قیمت پر فروخت کیا جائے پھر اسی چیز کو خریدار سے کم قیمت پر خرید لیا جائے۔(۱)

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی سودی ذہنیت رکھنے والے تاجر سے ۴ ماہ کے لئے سو روپیہ قرض حسن مانگا اس نے قرض دینے کی بجائے سو روپے کا ایک کپڑا ۱۱۸ روپے ادھار میں فروخت کر دیا اور جب خریدار نے اس کو قبضے میں لے لیا تو اسی تاجر نے وہی کپڑا اس سے سو روپے نقد دیکر واپس خرید لیا ظاہر ہے کہ اس صورت میں کپڑے کی خرید و فروخت مقصد نہیں ہے بلکہ قرض لین دین کا معاملہ اصل مقصد ہے قرض مانگنے والے کو سو روپے کی ضرورت ہے اور دینے والے کو سو روپے پر ۱۸ روپے سود لینے کی خواہش ہے۔ اس لئے انہوں نے عقد بیع کو سودی لین دین کا ایک ذریعہ اور حیلہ بنایا ہے۔ کپڑا واپس تاجر کے پاس آگیا ہے جسے وہ کسی اور خریدار کو دیکر اپنے سو روپے لے لیگا ۴ ماہ بعد ۱۱۸ روپے وصول کر لیگا تو یہ فی الحقیقت سو روپے قرض پر ۱۸ روپے سود لینے دینے کا معاملہ ہے۔ ابن الہمامؒ نے اس کو عینہ کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ کہ اس میں بعینہ وہی چیز بائع کے پاس لوٹ کر آجاتی ہے جو دی گئی تھی اور ابن نجیم نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ اس میں قرض مانگنے والے کو نقد روپے دینے کی بجائے ایک متعین چیز (عین) دی گئی ہے۔ بیع عینہ دراصل سود کا چور دروازہ ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم آپس میں بیع عینہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کریں گے۔"(۲)

---

(۱) نصب الرایہ ج ٤/ص ١٦

(۲) ابو داؤد باب النھی عن العینہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس حدیث کی ابو داؤد کی سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن امام احمدؒ کی کتاب الزھد میں یہ صحیح سند کے ساتھ بھی نقل ہوئی ہے۔(۱)

بیع عینہ کے ممنوع ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عائشہؓ کے پاس کوفہ کی ایک عورت آئی اور پوچھا کہ میں نے زید بن ارقمؓ پر ایک کنیز ۸۰۰ سو روپے ادھار میں فروخت کی تھی اور پھر وہی کنیز اس سے ۶۰۰ سو روپے نقد میں واپس خرید لی حضرت عائشہؓ نے فرمایا تم دونوں نے برا کام کیا ہے میرا یہ پیغام زید بن ارقمؓ کو پہنچا دو کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو حج اور جہاد کیا تھا وہ ضائع کر دیا الا یہ کہ وہ اس سے توبہ کر لیں۔"(۲)

یہ حدیث مسند احمدؒ اور سنن کبری للبیھقی میں بھی نقل ہوئی ہے۔ علامہ جمال الدین زیلعیؒ نے اس کی سند کو جید کہا ہے اور ضعیف کہنے والوں کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔(۳)

مذکورہ روایات کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے بیع عینہ کو ممنوع قرار دیا ہے۔(٤)

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اس بیع سے نفرت پہاڑوں کی طرح ہے یہ ایک مذموم بیع ہے جس کو سود خوروں نے گھڑ لیا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی مذمت کی ہے۔(٥).

امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر ادھار فروخت کرتے وقت دوبارہ کم قیمت پر

---

(۱)نصب الرایا ج٤/ ١٦-١٧

(۲)مصنف عبدالرزاق ج٨/ص١٨٥

(۳)(نصب الرایہ۔ج ٤ /ص ١٥-١٦

(٤)الجواہر النقی فی ذیل البیھقی۔ج٥/ ص ٣٣٠

(٥)فتح القدیر۔ج ٧ص٢١٢-٢١٣باب الکفالہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



خریدنے کی شرط نہیں لگائی گئی تھی تو اس صورت میں بیع عینہ جائز ہے اس لئے کہ جب مشتری خریدی ہوئی چیز کا مالک بن گیا ہو تو اپنے دوسرے املاک کیطرح اسے بھی جتنی قیمت پر چاہے اور جس پر چاہے فروخت کر سکتا ہے اور عینہ کی مذمت کی احادیث انکے نزدیک ضعیف ہیں مختصر المزنی فی آخر کتاب الام ص ۸۵) لیکن شافعیہ میں سے ابو اسحٰق اسفرائینیؒ اور شیخ ابو محمدؒ نے فرمایا ہے کہ جب اس قسم کی بیع لوگوں کی عادت بن جائے اور مروج ہو جائے تو بیع ثانی بیع اول کے وقت مشروط کی طرح ہو جاتا ہے اور دونوں باطل ہو جاتے ہیں۔" (۱)

معلوم ہوا کہ عینہ کا یہ حیلہ جب معروف ہو جائے اور لوگوں کا معمول بن جائے تو "المعروف کالمشروط" کے قاعدے کی وجہ سے شافعیہ کے نزدیک بھی باطل ہو گا اور اس صورت میں چاروں ائمہ کے نزدیک ممنوع ہو گا حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ بھی جواز کے قائل ہیں لیکن علامہ شامی نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ سے جواز کی جو روایت آئی ہے وہ اس صورت کے بارے میں ہے کہ فروخت شدہ چیز لوٹ کر بائع کے پاس نہ آئے بلکہ خریدار نے نقد رقم حاصل کرنے کے لئے بازار میں کسی اور شخص پر جو بائع اول کا ایجنٹ اور کارندہ نہ ہو کم قیمت میں فروخت کر کے اپنی مطلوبہ رقم نقد حاصل کر لی ہو بعض اہل علم اس کو بھی بیع عینہ کہتے ہیں اور ابو یوسفؒ نے اس قسم کی عینہ کو جائز کہا ہے اور امام محمدؒ نے جس قسم کی عینہ کی شدید مذمت کی ہے وہ یہ ہے کہ فروخت شدہ چیز دوبارہ کم قیمت پر واپس بائع کے پاس آجائے۔(۲)

بہر حال بیع عینہ ایک "حیلہ ربویہ ہے" ہے جس کو اختیار کرنے اور اس کے مطابق بینکاری کا نظم چلانے سے سودی نظام بحال رہیگا۔ فقہ کی کتابوں میں مشائخ بلخ کا جو یہ قول

---

(۱) روضتہ الطالبین از نوویؒ ص ۸۲ ج ۳

(۲) ردالمحتار ص ۸۷ ج ٤

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نقل ہوا ہے کہ بیع عینہ ان بیوع سے بہتر ہے جو آج ہمارے بازاروں میں رائج ہیں تو اس مقصد یہ نہیں ہے کہ عینہ جائز ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ عینہ سے زیادہ قباحت والے بیوع ہماری مارکیٹ میں رائج ہو چکے ہیں اس کے علاوہ بعض مشائخ کے اقوال احادیث و آثار اور ائمہ مجتہدین کی آراء کے مقابلے میں قابل اعتنا بھی نہیں ہو سکتے۔ جمہور فقہاء کی مدلل رائے کو نظر انداز کر کے شاذ قسم کی آراء تلاش کرنا اور ان کو بطور دلیل پیش کرنا بحث اور تحقیق کا صحیح طریقہ نہیں ہے۔

## (۸) بیع الوفاء کا حیلہ

سودی ذہنیت والوں نے رھن شدہ چیز سے نفع اور آمدن حاصل کرنے کے لئے بیع الوفاء کے نام سے ایک حیلہ ایجاد کیا ہے جس کی تعریف یہ ہے۔۔بیع الوفاء یہ ہے کہ بائع خریدار سے کہے کہ میں نے یہ چیز تم پر فروخت کردی ہے مگر شرط یہ ہے کہ میں جب ثمن (یعنی طے شدہ قیمت) واپس کرونگا تو تم یہ چیز دوبارہ مجھ پر (اسی قیمت میں) فروخت کرو گے۔" (۱)

ابن عابدینؒ نے کفایہ شرح ہدایہ سے اس کی تعریف اس طرح نقل کی ہے کہ بیع الوفاء یہ ہے کہ بائع خریدار کو کہے کہ تیرا مجھ پر جو قرض ہے اس کے بدلے میں میں نے یہ چیز تم پر فروخت کردی ہے مگر شرط یہ ہے کہ جب بھی میں تیرا قرض ادا کردوں تو یہ چیز دوبارہ میری ہو جائے گی۔

بہر حال الفاظ دوبارہ لوٹانے کے ہوں یا دوبارہ فروخت کرنے کے ہوں دونوں کو بیع الوفاء کہا جاتا ہے مگر اس کا حکم کیا ہے؟ تو اس بارے میں مالکیہ' حنابلہ اور متقدمین حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک تو یہ ہے کہ یہ بیع فاسد ہے اس لئے کہ ثمن کی واپسی پر دوبارہ

---

(۱) رد المحتار ص ۳۴۱ ج ۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بائع پر فروخت کرنے کی شرط عقد بیع کے تقاضی کے خلاف ہے کیونکہ بیع کا تقاضی یہ ہے کہ مبیع کا مشتری کی ملکیت میں آجانے کے بعد اس کو اختیار ہے کہ کسی پر فروخت کرے یا اپنے پاس ہی رکھے اور فروخت کرنے کی صورت میں بھی اس پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی کہ جس سے خریدی تھی اسی پر فروخت کرے اور اسی قیمت پر فروخت کرے جو دی گئی تھی اس کے علاوہ قاعدہ یہ ہے کہ عقود میں الفاظ کی بجائے مقاصد کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور اس بیع میں ثمن کی واپسی کے وقت فروخت شدہ چیز کی واپسی کی شرط لگانے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ "رہن ہے" بیع نہیں ہے کیونکہ قرض کی ادائیگی کے وقت رہن شدہ چیز واپس کی جاتی ہے فروخت شدہ چیز تو واپس نہیں کی جاتی۔ دراصل اس نام نہاد بیع کے پیچھے سودی حیلہ کارفرما ہے مرہونہ سے نفع حاصل کرنا چونکہ ربا ہے اور حرام ہے اس لئے حیلے کے طور پر مرہونہ کو مبیعہ کا نام دیا گیا ہے جس سے نفع حاصل کرنا رح ہے اور حلال ہے لیکن حنفیہ اور شافعیہ میں سے بعض متاخرین نے کہا ہے کہ بیع الوفاء پر بیع کا یہ حکم تو مرتب ہوتا ہے کہ خریدنے والا خریدی ہوئی چیز سے نفع اٹھا سکتا ہے لیکن اس پر رہن کا حکم بھی مرتب ہوتا ہے کہ مشتری اسے بائع کے علاوہ کسی پر بیچ نہیں سکتا اگرچہ یہ قواعد کے خلاف ہے لیکن لوگوں کے تعامل کی وجہ سے جائز ہے۔(۱)

متاخرین میں سب نے نہیں بلکہ بعض نے جواز کی جو دلیل دی ہے وہ کمزور ہے اس لئے کہ تعامل اور عرف و رواج اگرچہ معتبر ہے لیکن حرام' حلال کرنے کا حیلہ اگر عام ہو جائے اور لوگوں کا معمول بن جائے تو اس سے وہ حیلہ جائز نہیں ہو سکتا عرف و تعامل پر مباحات اور مصالح مرسلہ سے تعلق رکھنے والے معاملات میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے مگر محرمات و مکروہات تو ظاہر ہے کہ عرف اور رواج سے جائز نہیں ہو سکتے۔ بیع

(۱)الموسوعة الفقهيه الكويتيه.ج ۹ص ۲٦۰ طبع كويت ۱۹۸۷ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الوفاء کے بارے میں ابن نجیمؒ نے بحر الرائق باب خیار الشرط میں ۸ اقوال نقل کئے ہیں اور فتاوی بزازیہ باب البیع الفاسد میں ۱۹ اقوال نقل کئے گئے ہیں لیکن یہ سب طول لاطائل اور بحث لاحاصل ہے اس کا صحیح حکم دولت عثمانیہ کے ممتاز فقیہ شیخ بدرالدین بن قاضی ساوہ متوفی ۸۱۸ھ نے بیان کیا ہے انہوں نے اپنی کتاب جامع الفصولین" کی فصل نمبر ۱۸ میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

بیع وفا درحقیقت رہن ہے جس سے خریدی ہوئی چیز خریدار کی ملک میں داخل نہیں ہوتی اور نہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے الا یہ کہ مالک بطیب خاطر اور اپنی دلی رضامندی سے اسے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیدے اگر خریدار نے بیع وفاء کے طور پر خریدے گئے باغ کا پھل کھایا ہو یا اس کا کوئی درخت ضائع کردیا ہو تو وہ اس کے تاوان کا ذمہ دار ہوگا۔

بائع جب قرض ادا کریگا تو اپنی چیز واپس لے لیگا۔ ہمارے نزدیک بیع وفا اور رہن کے درمیان احکام کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے اس لئے کہ بائع اور مشتری دونوں نے اگرچہ اس کو بیع کا نام دیا ہے لیکن ان کا مقصد رہن ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے زمانے میں بیع وفا کا معاملہ کرنے والے بعد میں لوگوں کے سامنے کہتے ہیں کہ مینے اپنی فلاں چیز فلاں کے پاس رہن رکھ دی ہے اور خریدار کہتا ہے کہ میں نے فلاں سے اس کی فلاں چیز اپنے پاس گروی رکھ لی ہے اور معاملات میں مقاصد اور معانی معتبر ہوتے ہیں الفاظ اور حروف معتبر نہیں ہوتے جامع الفصولین کے محشی شیخ نجم الدین رملیؒ نے بھی شیخ بدرالدین کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔ بیع وفاء درحقیقت رہن ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو رہن کا ہے محمد بن فضل بخاری نے بھی اسی طرح کہا ہے اور یہی صحیح ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ بیع فاسد ہے جو قبضہ مکمل ہونے کے بعد مشتری کی ملکیت کا موجب ہوجاتا ہے لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔(۱)

(۱) جامع الفصولین ص ۲۳۴ ج ۱ طبع کراچی ۱۴۰۲ھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سودی حیلوں کے زیر عنوان میں نے ۸ حیلے بطور نمونہ نقل کئے ہیں ورنہ سودی ذہنیت رکھنے والے قسم قسم کے حیلے بہانے گھڑتے رہتے ہیں مجھے بڑا افسوس ہے کہ ہمارے ایک معاصر پروفیسر محمد طاہر القادری صاحب نے انہی حیلوں کے ذریعے بینکاری نظام چلانے کی تجویز پیش کی ہیں اللہ ہم سب پر رحم فرمائے آمین۔

(قادری صاحب کی تجاویز کیلئے ملاحظہ کیجئے ان کا کتابچہ بلا سود بینکاری طبع ۱۹۸۵ء)

# سودی نظام کا متبادل

ربا کی حرمت ثابت کرنے 'اس کی حقیقت وماہیت بیان کرنے' شبہات کا ازالہ کرنے اور سودی حیلوں کی تردید کرنے کے بعد اب سود کے متبادل کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ تاکہ سودی نظام کے حامیوں اور اس کے وکیلوں کا یہ بہانہ بھی ختم ہو جائے کہ علماء دین اور دینی تنظیمیں سود کا خاتمہ تو چاہتی ہیں مگر اس کا متبادل نہیں بتاتیں۔ یہ لوگ چونکہ غیر دینی نظام تعلیم اور غیر اسلامی نظام معیشت کے پروردہ ہیں اور ان کا تجربہ سودی نظام ہی کو چلانے کا ہے اس لئے یہ علماء کے بارے میں کہتے پھرتے ہیں کہ یہ دور جدید کے تقاضوں کو نہیں جانتے ورنہ اس دور کی معیشت تو سود کے بغیر چل ہی نہیں سکتی۔ حالانکہ بات جدید وقدیم کی نہیں ہے بلکہ اسلام اور غیر اسلام کی ہے ان لوگوں کے بارے میں جوابا کہا جا سکتا ہے کہ یہ اسلام کو جانتے نہیں ہیں ورنہ غیر سودی اقتصادی نظام اور بلا سود بینکاری اس دور میں چل سکتی ہے اور جہاں چلانے والے موجود ہیں وہاں چل رہی ہے اس لئے کہ اللہ ورسول ﷺ نے جس دن سود کو حرام کیا تھا اسی دن اس کا متبادل بھی بتا دیا تھا۔ بلکہ متبادل پہلے بتایا تھا اور سود بعد میں حرام کیا تھا احل اللہ البیع وحرم الربو" میں پہلے یہ بتایا کہ تجارت حلال ہے اور بعد میں فرمایا کہ سود حرام ہے یعنی سود کا متبادل تجارت ہے اس لئے تجارت کرو اور سود چھوڑ دو۔ ورنہ اللہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ورسول ﷺ کی جانب سے جنگ کا اعلان سن لو۔

سودی نظام کے ماہرین کو اشکالات اس لئے پیش آرہے ہیں کہ انہوں نے قرض کو نفع کمانے اور آمدن بڑھانے کا ذریعہ سمجھ لیا ہے اس لئے جب ان کو کہا جاتا ہے کہ قرض پر نفع لینا حرام ہے تو یہ بڑی حیرت کے ساتھ پوچھتے ہیں کہ پھر اس کا متبادل کیا ہے؟ حالانکہ قرض لین دین باہمی تعاون اور خیر کا ایک نظام ہے جس کا مقصد اللہ کے بندوں کی خدمت کر کے اور ان کو پریشانی سے نکال کر اخروی نفع کمانا اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ اللہ تعالی کا حکم ہے کہ جس نے کسی مؤمن سے دنیا کی کوئی پریشانی ہٹادی تو اللہ تعالی اس سے قیامت کے دن کی سختی ہٹادیگا اور اللہ اس بندے کی مدد کرتا ہے جو اپنے بھائی کی مدد میں مصروف ہو۔(۱)

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ”کسی کو قرض دینا ایسا ہے جیسے اس نے قرض کا نصف مال صدقہ کردیا ہو۔“(۲)

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ”جس نے اپنے مقروض کو ادائیگی کا وقت آنے سے پہلے مزید مہلت دے دی تو اسے قرض کی مقدار میں صدقے کا اجر ملے گا۔ اور جس نے میعاد آنے پر مہلت دی ہو تو اسے قرض کی مقدار سے دوگنا صدقہ دینے کا ثواب ملے گا۔“(۳)

باقی رہا نفع کمانا اور آمدن بڑھانا تو اس کا ذریعہ قرض نہیں ہے بلکہ تجارت، صنعت اور زراعت ہے جن کا تفصیلی نظام اسلام نے دیا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم

(۲) مسند احمد ص ۴۱۲ ج ۱

(۳) مسند احمد ص ۳۶۰ ج ۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# صرفی قرضوں کے سود کا متبادل

کچھ لوگ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی بنیادی ضرریات یعنی گھر کے روز مرہ اخراجات پورے کرنے کیلئے قرض لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور سودی نظام میں چونکہ بلا سود قرض ملنا مشکل ہوتا ہے اس لئے وہ سودی قرض لیکر اپنے اخراجات پورے کرتے ہیں ایسے قرضوں کو صرفی قرضے کہا جاتا ہے اور ان کے سود کو صرفی قرضوں کا سود کہا جاتا ہے۔ اسلام نے اس کا جو متبادل نظام دیا ہے اس کا اجمالی خلاصہ یہ ہے۔

## (ا) کسب اور محنت

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ حتی الامکان اپنا بوجھ خود اٹھاؤ اور اپنی روزی خود کماؤ۔ انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "حلال رزق کمانا ہر مسلمان پر فرض ہے۔" (۱)

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ "حلال کسب کی تلاش دوسرے فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔" (۲)

انہی احادیث کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ نے اپنی "کتاب الکسب" میں فرمایا ہے کہ اہل سنت والجماعت کے جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لئے کوئی کسب اور محنت کرنا فرض ہے۔ (۳)

ظاہر ہے جو شخص محنت مزدوری کرتا ہو اور حکومت بھی بے روزگاروں کو

---

(۱) الترغیب ص۵٤٦ ج۲

(۲) مشکوۃ باب الکسب

(۳) کتاب الکسب ص٤٤ طبع دمشق ١٤٠٠ھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



روزگار کے مواقع اور سہولتیں مہیا کرتی ہو تو ایسے قرض لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑیگی۔ اور اسلام نے غیر سودی قرض دینے کی تو ترغیب دی ہے مگر قرض لینے کی ترغیب نہیں دی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "یا اللہ میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ چاہتا ہوں کسی نے پوچھا آپ قرض سے اتنی زیادہ پناہ کیوں مانگتے ہیں؟ فرمایا انسان جب قرض دار ہو جاتا ہے تو جھوٹ بھی بولتا ہے اور وعدہ خلافی بھی کرتا ہے۔"(۱)

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ "اپنے آپ کو خوف کی حالت میں نہ ڈالو کسی نے پوچھا یا رسول اللہ خوف میں ڈالنے کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا قرض لینا اپنے آپ کو امن و آرام کے بعد خوف اور خطر میں ڈالنا ہے۔"(۲)

حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ "قرض لینے سے دور رہو اس لئے کہ اس کا آغاز پریشانی اور غم سے ہوتا ہے اور اس کی انتہا لڑائی پر ہوتی ہے۔"(۳)

خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کو صرفی قرضوں سے بچانے کی تدابیر اور متبادل طریقہ یہ ہے کہ حکومت ایسے اقدامات اور انتظامات کرے کہ کوئی بے روزگار نہ رہے اور عوام بھی بے روزگار بیٹھ کر اور قرض لیکر کھانے کی عادت ترک کر دیں۔ بلکہ اپنے لئے روزگار تلاش کریں اور اپنی روزی خود کما کر کھائیں۔ اس کے نتیجے میں قومی پیداوار میں بھی اضافہ ہوگا۔ اور لوگ صرفی قرضوں کے محتاج بھی نہیں رہیں گے۔ اسلام کے کسب و محنت کے نظام کی تفصیلات کتابوں میں موجود ہیں۔

---

(۱) بخاری باب من استعاذ من الدین

(۲) الفتح الربانی ص ۸۷ ج ۱۵

(۳) مؤطا امام مالک کتاب الوصیة باب جامع القضاء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# (۲) خاندانی تکافل

صرفی قرضوں کا دوسرا متبادل خاندانی تکافل کا نظام ہے۔ جو اسلام نے دیا ہے۔ یعنی ایک خاندان کے افراد ایک دوسرے کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے کفیل اور ذمہ دار بنائے گئے ہیں نفقۃ الازواج والاولاد اور نفقۃ الاقارب کا مکمل نظام اللہ و رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے اور اسکے تفصیلی احکام قرآن و سنت سے اخذ کر کے فقہاء اسلام نے بیان کر دیئے ہیں۔ ان پر عمل کیا جائے اور حکومت ان احکام کو نافذ کر دے تو بہت کم ہی ایسے خاندان باقی رہ جائیں گے جن کے افراد صرفی قرضوں کے محتاج ہوں اور ان کو سود دینے پر مجبور ہوں۔

# (۳) اجتماعی تکافل

تیسرا متبادل اجتماعی تکافل کا نظام ہے یعنی صرف خاندان کے افراد ایک دوسرے کے کفیل نہیں ہیں بلکہ پورہ معاشرہ مجموعی طور پر ایک دوسری کی بنیادی انسانی ضروریات پوری کرنے کا کفیل اور ذمہ دار ہے۔ اغنیاء کے اموال میں فقراء کے حقوق مقرر کئے گئے ہیں جنہیں ادا کرنا اغنیاء کی ذمہ داری ہے۔ اجتماعی تکافل کے اس نظام میں زکوٰۃ و عشر اور دوسرے صدقات واجبہ کے تفصیلی احکام ہیں جن پر اگر عمل کیا جائے اور ان کی تحصیل و تقسیم کا مؤثر اور عادلانہ نظام نافذ کیا جائے تو نہ کوئی صرفی قرضوں کا محتاج رہیگا اور نہ ان کو سود دینے پر مجبور ہوگا۔ زکوٰۃ و عشر کے علاوہ بھی بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت مالی حقوق عائد کئے جاسکتے ہیں۔ حکومت چونکہ معاشرے کی نمائندگی کرتی ہے اور حقوق دلوانے کی ذمہ دار ہے اس لئے اس کا فرض ہے کہ اجتماعی تکافل کے اسلامی نظام کو صحیح معنوں میں نافذ کرے تاکہ عوام اپنا پیٹ بھرنے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لئے سودی قرضوں کے محتاج نہ رہیں اور بھوک وافلاس کی وجہ سے نہ چوری' ڈاکہ زنی کا پیشہ اختیار کریں۔ اور نہ خودکشی پر مجبور ہو جائیں۔

## (۴) اسراف اور تبذیر سے اجتناب

صرفی قرضوں سے بچانے والی چوتھی تدبیر اقتصاد فی الانفاق اور اسراف و تبذیر سے اجتناب ہے یعنی خرچ کرنے اور صدقات دینے میں اعتدال و میانہ روی اختیار کرنا اور اسراف اور تبذیر سے اجتناب کرنا' اس اصول کی پابندی اگر معاشرے کے افراد کریں تو وہ بینکوں سے یا دوسرے سود خوروں سے سودی قرضے لینے کے محتاج نہیں رہیں گے اور اگر ہماری حکومت اس کی پیروی کرے تو وہ ملک کا نظام چلانے کے لئے عالمی ساہوکاروں اور سود خوروں سے صرفی قرضے لینے اور ان پر سود دینے کی محتاج نہیں رہے گی۔ اسراف کہتے ہے فضول اور غیر ضروری کاموں پر خرچ کرنے کو اور تبذیر کہتے ہیں معصیت اور فساد کے کاموں پر خرچ کرنے کو یہ دونوں ممنوع ہیں لیکن مبذرین کو قرآن کریم میں اخوان الشیاطین کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ اپنے اموال کو معصیت اور فساد پھیلانے پر خرچ کر کے شیطانی منصوبے پورے کرتے ہیں۔ مسرفین و مبذرین اکثر سودی قرضوں کے جال میں پھنسے رہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "کسی شخص کی دانشمندی کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی معیشت میں میانہ روی اختیار کریں۔" (۱)

ابن مسعودؓ کی حدیث مرفوع میں آیا ہے کہ "جو شخص خرچ کرنے میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرتا ہے وہ تنگدست نہیں ہو سکتا۔" (۲)

---

(۱) مسند احمد ص ۱۹۴ ج ۵

(۲) مسند احمد ص ۴۴۷ ج ۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور حضرت حذیفہؓ نے ارشاد رسول اللہ ﷺ اس طرح نقل کیا ہے کہ "غنا اور فقر دونوں حالتوں میں میانہ روی اچھی صفت ہے اور نفلی عبادت میں بھی اعتدال اچھی عادت ہے۔(۱)

اسلام نے اقتصاد و اعتدال کی فضیلت بیان کرنے اور اسراف و تبذیر کی مذمت کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ حکم بھی دیا ہے کہ "نادانوں کو مت دو ان کے وہ مال جن کو اللہ نے زندگی کا ذریعہ بنایا ہے اور اس میں سے ان کو کھلاتے پہناتے رہو اور یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ وہ بلوغ کو پہنچ جائیں۔ بلوغ کے بعد اگر تم ان کے اندر دانش مندی دیکھ لو تو پھر ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔" (النساء ۴'۵)

سیاق کلام اور شان نزول سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیات نازل تو ہوئی ہیں یتیموں کے بارے میں لیکن سفہاء" کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم امتناعی کی علت نابالغی نہیں ہے بلکہ نادانی ہے اس لئے اگر بالغ ہونے کے باوجود کوئی شخص اپنے اموال واملاک کو اسراف و تبذیر کے کاموں میں اڑاتا ہو تو وہ سفیہ اور نادان ہی شمار ہوگا۔ اور اس کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیا جائیگا۔

اس آیت اور اس مفہوم کی احادیث و آثار کی بناء پر امام شافعیؒ' امام مالکؒ' امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی تحقیق یہ ہے کہ جو شخص کاروبار میں اکثر دھوکا کھاجاتا ہو یا اپنا مال غیر شرعی کاموں پر خرچ کر کے برباد کر رہا ہو تو ان دونوں قسموں کے سفہاء کو اپنے اموال واملاک پر قبضہ کرنے اور تصرفات کرنے سے روک دیا جائیگا۔ یعنی ان پر "حجر علی السفیہ "کا قانون نافذ کر دیا جائیگا تاکہ یہ اپنا مال برباد نہ کر سکے۔(۲)

(۱)کشف الاستار لزوائد البزار ص۲۳۲ ج ٤

(۲)کتاب الام للشافعی ص٥٤ ج ۳۔ہدایہ طبع کراچی ص۳٥۲ ج۳ بدائع ص ۱٦۹ ج ۷ المغنی ص ٥٠۷ ج ٤

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حجر یعنی مالک کو اپنے املاک میں تصرف سے روکنے کے لئے شریعت میں متعدد اسباب ہیں جن میں سے ایک سبب تبذیر بھی ہے اس قانون کا مقصد اسراف و تبذیر کا انسداد ہے۔ تاکہ اموال کو ضائع ہونے سے بچایا جائے اور معصیت و فساد پر خرچ کرنے سے جو معاشرتی اور اخلاقی خرابیاں پھیلتی ہیں ان کا راستہ بھی روکا جاسکے۔

## قرض حسن

مذکورہ تمام متبادل تدابیر اختیار کرنے کے باوجود اگر کچھ لوگ اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے قرض لینے پر مجبور ہو جائیں تو حکومت کا فرض ہے کہ سرکاری خزانے سے ان کی مفت امداد کرے یا بلا سود قرض مہیا کرے اور معاشرے کے اہل خیر کا بھی دینی فریضہ ہے کہ ایسے لوگوں کو بلا سود قرض فراہم کریں۔

## پیداواری قرضوں کے سود کا متبادل نظام

گزشتہ عنوان کے تحت تو ان قرضوں کے متبادل کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے جن کا مقصد پیداوار اور منافع حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ اپنی بنیادی ضروریات اور روزمرہ اخراجات پورے کرنا ہوتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ لوگ اپنی ضروریات سے زائد سرمائے کو مزید آمدن کے لئے استعمال کرنے کی بھی خواہش رکھتے ہیں اور یہ کوئی بری خواہش بھی نہیں ہے کہ انسان اپنی بچت سے نفع حاصل کرے اور اس کے ذریعے اپنی مالی حیثیت مزید مستحکم بنائے۔ اب اگر یہ اپنی بچت کو بینکوں یا دوسرے سودی اداروں میں جمع کر کے اس پر متعین نفع لیتا ہے تو یہ ربا ہے اور حرام ہے جس کی اجازت اس کا دین وایمان نہیں دیتا۔ اس لئے بجا طور پر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں بچتوں سے منافع حاصل کرنے اور آمدن بڑھانے کا متبادل نظام کیا ہے؟ اور وہ کون

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سے طریقے ہیں جن میں سرمایہ کاری کر کے اپنے رزق حلال میں بھی اضافہ کیا جاسکتا ہو اور مجموعی قومی آمدنی کی شرح بڑھانے میں بھی کردار ادا کیا جاسکتا ہو ؟اس کا اصولی اور اجمالی جواب تو یہ ہے کہ زائد سرمائے کو تجارت' صنعت اور زراعت میں لگایا جائے اور نفع کمانے کے ساتھ ساتھ نقصان اٹھانے کے شرعی اصول کی پابندی کی جائے اگر تجربے یا سرمائے کی کمی کی وجہ سے کوئی شخص خود سرمایہ کاری نہ کر سکتا ہو تو کسی فرد یا ادارے کے ساتھ نفع نقصان میں شراکت کا معاملہ کرے اور اس معاملہ میں شرعی احکام کی پابندی کرے۔اس قسم کے معاملے اور معاہدے دو افراد بھی کر سکتے ہیں'اس کے لئے شرکہ یا مضاربہ کمپنیاں بھی بنائی جاسکتی ہیں اور ان میں جدید سے جدید تر مہارت اور تکنیک بھی استعمال کی جاسکتی ہے بشرطیکہ شرعی احکام واصول کو ہر معاملے میں ملحوظ رکھا جائے اور یہ کاروبار بینکوں کے ذریعے بھی کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ بات ایک مرتبہ پھر ذہن میں تازہ کر دی جائے کہ اسلام میں قرض اور دین دنیوی نفع کمانے اور آمدن بڑھانے کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ یہ صرف اخروی نفع کمانے کا ذریعہ ہے۔اگر کسی کو اپنی بچت پر نفع کمانا ہو تو قرض نہ دے بلکہ نفع اور نقصان میں شراکت کے کسی کاروبار میں لگائے یا خود کاروبار کرے اسلام نے اس کو مجبور نہیں کیا کہ ضرور قرض دے البتہ اس کی ترغیب دی ہے اور فضیلت بیان کی ہے۔باقی رہیں قومی ضروریات اور ترقیاتی منصوبے تو ان کو قومی محاصل کی حدود کے اندر رہتے ہوئے شروع کرنے اور پورے کرنے کی پالیسی اختیار کرنی چاہیے۔

"چادر کے مطابق پاؤں پھیلانے" کا اصول صرف افراد کے لئے نہیں بلکہ حکومتوں اور اجتماعی اداروں کے لئے بھی ہے دفاعی ضروریات اور منصوبے تو زکوۃ و عشر سے بھی پورے کیا جاسکتے ہیں اس لئے کہ جہاد اور دارالاسلام کا دفاع بھی فی سبیل اللہ میں شامل ہے اور زکوۃ کے آٹھ مدات میں سے ایک اہم ترین مد ہے۔اور قومی ترقی کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



منصوبوں کے لئے بقدر ضرورت عادلانہ اور منصفانہ ٹیکس بھی لگائے جاسکتے ہیں۔

پاکستان میں ٹیکسوں کا نظام غیر منصفانہ اور غیر متوازن بھی ہے۔ان کی وصولی کا انتظام بھی غیر مؤثر ہے اور جو کچھ وصول ہوتا ہے۔وہ بھی کرپشن اور اسراف و تبذیر کی نذر ہو جاتا ہے ورنہ حکومت کو قرضوں کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی لیکن اگر ضرورت پڑھ بھی جائے تو نفع اور نقصان میں شراکت کے اصول پر قرضوں کا نظام اختیار کیا جاسکتا ہے۔یہ تو ہے اس سوال کا اجمالی جواب اب اس کی مختصر مگر جامع تفصیل ضبط تحریر میں لائی جارہی ہے۔

## (۱) مضاربت

بعض لوگوں کے پاس سرمایہ ہوتا ہے مگر کاروبار یا تجربہ یا فارغ وقت نہیں ہوتا اور بعض لوگوں کے پاس تجارت کا تجربہ اور فارغ وقت تو ہوتا ہے مگر سرمایہ نہیں ہوتا اور دونوں چاہتے ہیں کہ حلال نفع کمائیں اور آمدن بڑھائیں۔اگر ایک قرض دے کر اس پر متعین نفع لیتا ہے اور دوسرا قرض لیکر اس کو متعین نفع دیتا ہے تو دونوں سودی لین دین کے مجرم بنتے ہیں۔ایسے لوگوں کے لئے اسلامی نظام معیشت میں مضارت کا طریقہ بتایا گیا ہے۔جو دراصل سرمایہ اور محنت کے درمیان شرکت کا ایک معاہدہ ہوتا ہے ایک شخص متعین مقدار میں دوسرے شخص کو سرمایہ دیتا ہے اور وہ اس سے کاروبار کرتا ہے اور دونوں طے شدہ تناسب سے نفع میں شریک ہوتے ہیں لیکن اگر خسارہ ہو گیا تو وہ رب المال یعنی سرمایہ کے مالک کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔مضارب یعنی کاروبار چلانے والے پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی الا یہ کہ اس نے طے شدہ شرائط اور رب المال کی ہدایت کے خلاف کوئی کام کیا ہو جس کے نتیجے میں نقصان ہوا ہو تو اس صورت میں وہ نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔اس لئے کہ اس نے زیادتی کی ہے جس کا تاوان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اسے دینا پڑیگا۔ مگر جب اس کی لاپروائی اور غلطی کے بغیر خسارہ ہوا ہو تو اس کی محنت ضائع ہو گئی۔ اور سرمائے والے کا سرمایہ کم ہو گیا۔ اس اعتبار سے نقصان میں بھی دونوں شریک ہو جاتے ہیں۔ اگر سرمایہ فراہم کرنے والے نے کاروبار کرنے والے کو کہا تھا کہ میری طرف سے تجھے اجازت ہے کہ کاروبار کے لئے جو کام اور تدبیر بھی مفید اور مناسب سمجھو اسے اختیار کرلو تو اس صورت میں مضارب ہر وہ کام کر سکتا ہے جو شرعا جائز ہو اور جسکا تعلق کاروبار سے ہو۔ نفع کی تقسیم معاہدے میں طے شدہ شرح سے ہو گی اگر نصف نصف پر معاہدہ ہوا ہو تو اس کے مطابق اپنا اپنا حصہ لیں گے۔ لیکن اگر رب المال کے لئے دو تہائی اور کام کرنے والے کے لئے ایک تہائی یا اس کے برعکس معاہدہ ہوا تھا تو اس کے مطابق تقسیم کریں گے نفع کی مقدار میں تنازعے کی صورت پیدا ہو جائے اور رب المال اپنے دعوے کا ثبوت پیش نہ کر سکے تو کام کرنے والے یعنی مضارب کا قول معتبر ہو گا۔ البتہ رب المال اگر چاہے تو اسے قسم دلوا سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقد مضاربہ میں سرمایہ اور مال تجارت کام کرنے والے کے پاس امانت کی طرح ہوتا ہے اور وہ اس کا امین ہوتا ہے جس کی بات قبول کی جائے گی۔ (مع الیمین) الا یہ کہ اس کی غلط بیانی ثابت کر دی جائے مضاربہ کے اصول کے مطابق دو افراد بھی معاہدہ کر سکتے ہیں ارباب الاموال اور مضاربین کی ایک کمپنی 'ادارہ یا بینک کے درمیان بھی یہ معاہدہ ہو سکتا ہے۔ اور حکومتوں کے درمیان بھی مضاربہ کے اصول پر معاہدے ہو سکتے ہیں کہ حکومت یا اس کا کوئی ادارہ سرمایہ فراہم کرے اور دوسری حکومت یا اس کا کوئی ادارہ کاروبار کرے اور طے شدہ شرائط کے مطابق نفع آپس میں تقسیم کریں۔ اگر سرمایہ فراہم کرنے والے ارباب الاموال نے پابندی نہ لگائی ہو تو مضاربین یعنی کاروبار کرنے والے مضاربہ کے سرمائے کو مضاربت پر دوسرے کاروباریوں کو بھی دے سکتے ہیں۔ عقد مضاربت کی تفصیلی جزئیات فقہاء اسلام نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مرتب کردی ہیں جن سے بوقت ضرورت رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

## (۲) شرکت العنان

بعض لوگوں کے پاس سرمایہ' تجربہ اور فارغ وقت تینوں چیزیں ہوتی ہیں۔ لیکن سرمایہ کاروبار کرنے یا کارخانہ لگانے یا کوئی زرعی منصوبہ مکمل کرنے کے لئے ناکافی ہوتا ہے اور سودی قرضہ لینا حرام ہے اس لئے عوام کی مصلحت اور ان کے مفاد کے لئے اسلام نے سودی قرضوں کے متبادل کے طور پر "شرکت عنان" کا طریقہ بتایا ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ افراد مال اور محنت دونوں میں شرکت کا ایک معاہدہ کریں جس میں نقصان سرمائے کی نسبت سے برداشت کیا جائے اور نفع باہمی رضامندی سے طے شدہ نسبت سے تقسیم کیا جائے۔ مضاربت اور شرکت کے درمیان فرق یہ ہے کہ اس میں ایک فریق کا سرمایہ ہوتا ہے اور دوسرا فریق کام کرتا ہے۔ نفع طے شدہ نسبت سے تقسیم ہوتا ہے اور نقصان کا بوجھ صرف سرمائے والے کو اٹھانا پڑتا ہے۔ مگر شرکت میں سرمایہ بھی دونوں فریقوں کا ہوتا ہے اور کام یعنی کاروباری سرگرمیاں محنت اور مشقت بھی دونوں کرتے ہیں۔ نقصان سرمایہ کی نسبت سے برداشت کرنا پڑتا ہے اور نفع باہمی رضامندی سے طے شدہ نسبت سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ضروری نہیں ہے کہ نفع سرمایہ کی نسبت سے تقسیم کیا جائے۔ بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ شرکاء کے کاروبار میں لگائے گئے اموال تو برابر ہوں مگر نفع میں بعض کا حصہ بعض سے زیادہ طے ہوا ہو۔(۱)

اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض شرکاء کو کاروباری تجربہ اور مہارت دوسرے شرکاء سے زیادہ ہوتی ہے اس لئے سرمائے میں برابری کے باوجود انصاف کا تقاضی یہ ہے کہ

---

(۱) ہدایہ کتاب الشرکۃ باب شرکۃ العنان المغنی ص ۱۴۰ ج ۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



زیادہ تجربہ رکھنے والے کا حصہ زیادہ مقرر کیا جائے۔ مگر شافعیہ اور مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ نفع کی تقسیم لازماً سرمایوں کی نسبت سے ہونی چاہیئے۔ اس لئے کہ نفع سرمائے کے نمو اور اضافے کا نام ہے اس لئے جتنا سرمایہ ہو اتنا ہی نفع ملنا چاہیئے۔ لیکن حنفیہ اور حنابلہ کی رائے قوی بھی ہے اور دور جدید میں "مشارکہ" کے کاروبار میں وسعت اور سہولت پیدا کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ اصل چیز مساویانہ تقسیم نہیں ہے بلکہ منصفانہ تقسیم ہے اور زیادہ صلاحیتوں والے کو اس کی صلاحیت اور مہارت کا صلہ نہ دینا بے انصافی ہے۔ البتہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ مشارکت اور مضارمت دونوں میں کسی ایک فریق یا شریک کے لئے نفع کا متعین حصہ مقرر کرنا ناجائز ہے اور اس سے معاہدہ فاسد ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ طے کیا جائے کہ حاصل شدہ نفع میں سے ایک ہزار روپیہ فلاں کو دیا جائے گا اور باقی تقسیم کیا جائے گا۔ یا باقی دوسرے فریق کو دیا جائے گا۔ اس لئے کہ ممکن ہے کہ نفع اتنا ہی ملے جو ایک کے لئے متعین کیا گیا تھا تو اس صورت میں دوسرا محروم رہ جائے گا یا نفع زیادہ حاصل ہو جائے تو اس صورت میں ایک ہزار کی متعین رقم لینے والا خسارے میں رہیگا اور دوسرا افائدے میں رہے گا۔ اس کی نظیر مزارعت میں یہ ہے کہ اگر زمین کے مالک کے لئے پیداوار کی متعین مقدار یا زیر کاشت زمین کے متعین حصے کی پیداوار مخصوص کر دی جائے اور باقی پیداوار کاشت کار کے لئے طے کی جائے تو یہ ناجائز ہے اور اسے بھی حدیث میں سود کہا گیا ہے۔ شرکۃ العنان کی تفصیل حدیث و فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس مختصر سے اشاراتی مضمون میں پوری تفصیلات کا احاطہ کرنا میرے لئے مشکل ہے۔

## (۳) شرکت الاعمال

بعض لوگوں کو کسی فن، ہنر اور کسب میں مہارت اور تجربہ حاصل ہوتا ہے اور وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لوگوں کے کام کر کے کافی پیسہ کما سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے کارکن اور کاریگر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہوتا جس سے وہ ملازمین رکھ سکیں تو کیا ایسے ہنر مند لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں یا سودی قرضہ لیکر کام شروع کریں؟ نہیں اسلام نے ایسے لوگوں کے لئے شرکۃ الاعمال کا طریقہ بتایا ہے جسے شرکۃ الصنائع بھی کہتے ہیں اس لئے کہ اس میں شرکت کی بنیاد کوئی ہنر کاریگری اور کام ہوتا ہے اور یہی ان کا سرمایہ ہوتا ہے شرکت الاعمال کا یہ معاہدہ حنفیہ' مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے اور شافعیہ وظاہریہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔(۱)

لیکن اس معاملے کے عدم جواز کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور معاملات اور معاہدات کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر ان کی ممانعت کی دلیل موجود نہ ہو تو وہ جائز ہوتے ہیں۔ اور جواز کے لئے خصوصی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ شرکۃ الاعمال کی حقیقت یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد افراد مل کر کام کریں اور نفع طے شدہ نسبت سے تقسیم کریں۔ مثلاً درزی' لوہار' اکاؤنٹ کے ماہرین' انجینیر' فرنیچر بنانے کے ماہرین' کپڑا بنانے کے ماہرین اور دوسرے ہنر مند لوگ مشترکہ طور پر لوگوں سے کام لیں یا مشترکہ طور پر کام کریں اور نفع آپس میں تقسیم کریں۔ شرکت عنان کی طرح اس میں بھی ضروری نہیں ہے کہ نفع برابر برابر تقسیم کیا جائے بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ بعض کا نفع زیادہ ہو اور بعض کا کم ہو اس لئے کہ صلاحیت' تجربے اور مہارت کے اعتبار سے بعض شرکاء کاروبار کے لئے زیادہ مفید ثابت ہو سکتے ہیں اور بعض کی افادیت اور کارکردگی کم ہو سکتی ہے اور انصاف کا تقاضی یہ ہے کہ نفع صلاحیت اور قابلیت اور کارکردگی کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے۔ لیکن اگر مساوی تقسیم پر معاہدہ ہوا ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

---

(۱) بدایہ المجتہد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# (۴) شرکۃ الوجوہ

بعض لوگوں کے پاس نہ اتنا سرمایہ ہوتا ہے جس سے وہ تجارت کر سکیں۔ یا کسی کے ساتھ شراکت کر سکیں اور نہ ان کے پاس کوئی اور ایسا "ہنر اور فن" ہوتا ہے جس سے وہ اپنی آمدن بڑھا سکیں۔ لیکن ان کے پاس امانت و دیانت اور وجاہت کی دولت موجود ہوتی ہے جس کی بنیاد پر تاجر ان کو مال تجارت ادھار قیمت پر دیتے ہیں۔ اور وہ اسے فروخت کر کے نفع کماتے ہیں مگر صرف ساکھ واعتماد کی بنیاد پر اتنا زیادہ مال تجارت نہیں مل سکتا جس سے وہ اپنے کاروبار کو ترقی دے سکیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے شریعت میں "شرکت الوجوہ" کا طریقہ بتایا گیا ہے جسے استعمال کر کے نادار اور غیر ہنر مند لوگ مشترکہ کاروبار کے ذریعے نفع کما سکتے ہیں اور آمدن بڑھا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے "شرکۃ المفالیس" بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی فقیروں کی شرکت۔ شرکت الوجوہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے اور مالکیہ و شافعیہ اسے جائز نہیں سمجھتے۔ لیکن اس کے عدم جواز کی کوئی دلیل قرآن و سنت میں موجود نہیں اور عادات و رسوم میں اصل اباحت ہے۔ الا یہ کہ ممانعت کی کوئی نص موجود ہو۔ شرکت کی اس صورت میں نقد سرمایہ کسی کے پاس نہیں ہوتا بلکہ تمام شرکاء اپنی اپنی ساکھ و وجاہت کی بناء پر ادھار مال خرید کر لاتے ہیں اور سب مل کر اسے فروخت کرتے ہیں اور نفع کماتے ہیں۔ ادھار لیا ہوا مال تجارت ان کا مشترکہ سرمایہ ہوتا ہے اور خرید و فروخت ان کا مشترکہ عمل ہوتا ہے۔ اور اسی اشتراک مال و عمل کی وجہ سے نفع و نقصان میں سب شریک ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ سب شرکاء ایک ہی قسم کا سامان تجارت مساوی مقدار میں خریدیں بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ مختلف قسم کا سامان لا کر شرکت میں شامل کیا جائے۔ اگر معاہدہ اس طرح ہوا تھا کہ شرکاء فلاں قسم کا مال مثلاً کپڑا خرید کر لائیں گے تو اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



صورت میں دوسری قسم کا خریدا ہوا مال مشترکہ نہیں ہوگا بلکہ خریدار کا اپنا ہوگا لیکن اگر معاہدہ میں تعین نہیں ہوا تھا بلکہ ہر ایک نے دوسرے سے کہا تھا تم جیسا مال بھی خریدو گے وہ ہمارے درمیان مشترک ہوگا۔ تو اس صورت میں جس نوعیت کا مال بھی خریدا گیا ہو وہ مشترک ہوگا۔ مثلاً کسی نے کپڑا خریدا' کسی نے جوتے خریدے' کسی نے برتن خریدے' کسی نے چاول خریدا' کسی نے آٹا خریدا اور کسی نے کوئی اور چیز خریدی تو یہ سب شرکت کا مال ہوگا۔ بشرطیکہ اس چیز کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہو۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ سب کا لایا ہوا مال مقدار میں برابر ہو بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ کوئی زیادہ خریداری کرے اور کوئی کم اور نفع باہمی رضامندی سے طے شدہ نسبت سے تقسیم کیا جائے۔ نفع میں شرکت کی نسبت خریدے ہوئے مال کی مقدار کی نسبت کے برابر بھی طے کی جاسکتی ہے۔ اور اس سے کم یا زیادہ بھی طے کی جاسکتی ہے۔ شرکۃ الوجوہ کی شرائط اور شرکاء کے اختیارات وہی ہیں جو شرکۃ العنان میں ہیں جن کی جزئیات اسلامی فقہ میں بیان کی گئی ہیں۔ شرکت الاعمال اور شرکۃ الوجوہ کا دائرہ بھی وسیع کیا جاسکتا ہے اور سودی قرضوں سے نجات کے لئے یہ بھی نعم البدل ثابت ہو سکتی ہیں لیکن سودی بینکاری کے نظام کا اصل متبادل مضاربت اور شرکت العنان کا شرعی نظام ہے۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی اور دوسرے ماہرین نے غیر سودی بینکاری کی تنظیم کا خاکہ مضاربت اور شرکۃ العنان کے اصول و احکام کی روشنی میں مرتب کیا ہے۔(۱) اسلامی ترقیاتی بینک اور دوسرے غیر سودی بینکوں کے نظام میں زیادہ تر مضاربت اور شرکت العنان کے احکام کو بنیاد بنایا گیا ہے یہ حقیقت ہے کہ جدید معیشت میں بینکوں کی ضرورت اور ان کی خدمات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ان کو سودی اداروں کی بجائے غیر سودی تجارتی ادارے بنانا ضروری بھی ہے اور ممکن بھی ہے۔

---

(۱) ملاحظہ کیجئے غیر سودی بینکاری مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# (۵) مرابحہ

بینک اپنے کھاتہ داروں سے جمع کردہ رقوم اور دوسرے جائز ذرائع سے حاصل کردہ رقوم کو مرابحے کے کاروبار میں لگا کر بھی کافی نفع کما سکتا ہے جو حلال ہے۔ مرابحہ کی تعریف یہ ہے کہ "خریدی ہوئی چیز کو اس کی قیمت خرید پر کچھ زائد نفع لگا کر فروخت کیا جائے۔"(۱)

"بیع مرابحہ" میں قیمت خرید کا صحیح بیان کرنا اور اس پر نفع کا تعین ضروری ہوتا ہے اگر قیمت خرید میں غلط بیانی کی گئی ہو تو نفع حرام ہو جاتا ہے اور خریدار کو بیع فسخ کرنے کا اختیار بھی ہوتا ہے۔ مگر بیع مساومہ میں قیمت خرید یا لاگت کا بیان کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ بلکہ جس قیمت پر بھی بائع اور مشتری کے درمیان اتفاق ہوا ہو وہی لینی اور دینی ہوگی۔ خواہ وہ قیمت خرید سے زیادہ ہو یا کم ہو یا برابر۔ البتہ اگر دھوکہ دہی سے اتنی زیادہ قیمت لے لی ہو جس پر کوئی بھی بازار میں خریدنے کے لئے تیار نہ ہو تو اسے "غبن فاحش" کہتے ہیں جس کی بناء پر خریدار کو "بیع مرابحہ" کے فسخ کرنے کا اختیار بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ جو تاجر اور صنعتکار اپنے تجارتی اور صنعتی منصوبوں کی تکمیل کے لئے یا ان کو مزید ترقی دینے کے لئے بینک سے سودی قرضہ لیتے ہیں وہ بینکوں یا اداروں سے قیمت خرید پر نفع دیکر اموال تجارت اور صنعت میں استعمال میں ہونے والی چیزیں خرید بھی سکتے ہیں۔ اور جو بینک یا ادارے سود لیکر قرضہ دیتے ہیں وہ قیمت خرید پر نفع لیکر یہ چیزیں فروخت بھی کر سکتے ہیں۔ جب حلال کمائی کا ذریعہ موجود ہے تو آخر حرام کمائی کی ضرورت کیا ہے؟ بیع مرابحہ کا کاروبار دو افراد کے درمیان چھوٹے پیمانے پر بھی ہو سکتا ہے اور کمپنیوں' اداروں' بینکوں اور حکومتوں کے درمیان بڑے پیمانے پر بھی ہو سکتا ہے

---

(۱) بدائع ص۱۳۵ ج۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور عملاً اسلامی بینکوں میں ہو رہا ہے۔ اس کی عملی صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی تاجر یا صنعتکار کو سامان تجارت یا صنعتی مشینری یا خام مال خریدنے کے لئے قرض کی ضرورت ہے۔ جو سود کے بغیر نہیں مل سکتا تو وہ بینک کے ساتھ یہ معاہدہ کر سکتے ہیں کہ ہماری مطلوبہ چیز یا چیزیں بینک اپنے سرمائے پر خرید لے اور قیمت خرید یعنی لاگت پر اپنا نفع لگا کر ہم پر فروخت کر دے ہم اسے نفع دیکر خرید لیں گے چونکہ یہ نفع ربح یعنی قیمت پر اضافہ ہے اس لئے حلال ہے اور اگر قرض لیکر یہ چیزیں خود خریدی جائیں اور بینک کو نفع دیا جائے۔ تو یہ ربا یعنی قرض پر نفع دینا ہوگا جو حرام ہے بینک اپنے وکیل کے ذریعے مطلوبہ چیزیں خرید کر اور ان کو وکیل کے ذریعے قبضے میں لیکر معاہدہ کرنے والے شخص یا گروپ پر طے شدہ قیمت پر فروخت کریگا۔ جس میں اس کا نفع بھی شامل ہو گا۔ خریدار نقد قیمت تو ظاہر ہے کہ نہیں دے سکے گا ورنہ خود خرید لیتا اس لئے قیمت ادھار ہو گی جو مقررہ وقت پر یکمشت بھی دی جا سکتی ہے اور طے شدہ قسطوں میں بھی ادا کی جا سکتی ہے۔ لیکن مرابحے کے جواز کے لئے یہ ضروری ہے کہ قیمت خرید کی ادائیگی کی شرائط واضح طور پر بغیر کسی ابہام کے بیان کی گئی ہوں۔ بینک کا وکیل وہ شخص یا ادارہ بھی ہو سکتا ہے جس نے مرابحے کے طور پر خریدنے کا وعدہ کیا ہو مگر شرط یہ ہے کہ پہلے وہ بینک کے وکیل کے طور پر مطلوبہ چیزیں خرید کر ان پر قبضہ کریگا اور قبضہ کے بعد بینک سے بیع مرابحہ کے طریقے پر حسب وعدہ خریدے گا۔ قبضہ اس لئے ضروری ہے کہ بیع قبل القبض جائز نہیں ہے احادیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ مگر یاد رہے کہ خریداری کی دستاویزات وصول کرنا قبضہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ خریداری کی رسیدیں ہیں جن کی بنیاد پر وہ خریدی ہوئی چیز پر قبضہ کر سکتا ہے۔ قبضہ یہ ہے کہ انسان اپنے زیر قبضہ چیز میں تصرف کر سکتا ہو اور اسے استعمال کر سکتا ہو البتہ شرعاً یہ ضروری نہیں ہے کہ خریدار خود ہی خریدے اور خود ہی قبضہ میں لے بلکہ یہ دونوں کام وکیل کے ذریعے بھی کئے جا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سکتے ہیں اسی طرح یہ بھی منع نہیں ہے کہ بذریعہ وکیل خریدی ہوئی چیز اسی وکیل پر فروخت کی جائے جس نے اسکے لئے خریدی تھی مرابحے کے مذکورہ طریقے کے جائز اور قابل عمل ہونے میں اور تو کوئی الجھن نہیں ہے مگر ایک اشکال یہ پیش آسکتا ہے کہ جن لوگوں نے بینک سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے یہ چیز خرید لو ہم انہیں نفع دیکر خرید لیں گے وہ اگر اپنا وعدہ پورا نہ کریں تو پھر کیا کیا جائے گا؟ اسلئے کہ حنفیہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک وعدہ پورا کرنا اخلاقاً اور دیانتاً تو لازم ہے لیکن قاضی اور عدالت صرف وعدے کی بنیاد پر بائع کو فروخت کرنے پر اور خریدار کو خریدنے پر مجبور نہیں کر سکتی اس لئے وعدہ کرنے والوں کے انکار کی صورت میں بینک کو نقصان کے خطرے کا سامنا کرنا پڑیگا۔ اس کا ایک اصولی جواب تو یہ ہے کہ اگر خریداری وعدہ کرنے والوں کی طے کردہ شرائط کے مطابق کی گئی ہو اور مال کی کوالٹی بھی ان کی فرمائش کے مطابق ہو تو وعدہ خلافی کا امکان بہت ہی کم ہوتا ہے اور اگر ایسی شاذ و نادر صورت پیش آجائے تو بینک کو نقصان برداشت کر لینا چاہئے۔ تجارت میں کبھی ظاہر ہے کہ خسارہ بھی اٹھانا پڑتا ہے اس کے علاوہ انکار کی صورت میں بھی ضروری نہیں ہے کہ لازماً بینک کو نقصان اٹھانا پڑے ہو سکتا ہے اور اکثر ہوتا رہتا ہے کہ خریدا ہوا مال کسی اور پارٹی کے ہاتھ نفع یا اصلی لاگت پر فروخت کر دیا جائے۔ اس اشکال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ مالکیہ کے نزدیک اگر کسی وعدے کی وجہ سے کوئی شخص وہ کام یا معاملہ کر لے جس کا وعدہ کیا گیا تھا تو اس صورت میں ایفائے عہد قضاءً بھی واجب ہو جاتا ہے اور اگر اس کی وعدہ خلافی کی وجہ سے موعود لہ کو نقصان ہو جائے تو وعدہ کرنے والا اس نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ فقہ مالکی کے مشہور فقیہ علامہ قرافی متوفی ۶۸۴ھ نے اپنی کتاب "الفروق" کے فرق نمبر ۲۱۴ میں ایفائے وعدہ کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "وعدہ پورا کرنے کے قضاءً واجب ہونے اور نہ ہونے کے مذکورہ دلائل کے درمیان جمع و تطبیق کی توجیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یہ کی ہے کہ اگر وعدہ کرنے والے نے موعودلہ کو اپنے وعدے کی وجہ سے کسی کام اور معاملے میں داخل کر دیا ہو یعنی اس نے وعدہ پر اعتماد کر کے وہ کام کر لیا ہو تو اس صورت میں وعدہ پورا کرنا قضاءً بھی واجب اور لازم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ امام مالکؒ اور ابن القاسم اور سحنونؒ نے کہا ہے اور عدم لزوم کے دلائل اور اقوال اس صورت پر محمول ہیں کہ جب تک موعودلہ نے وہ کام کیا نہ ہو جس کے بارے میں وعدہ کیا گیا تھا تو اس وقت تک وعدہ پورا کرنے پر عدالت مجبور نہیں کر سکتی" لیکن ابن الشاط مالکی متوفی ۷۲۳ھ فروق پر اپنے تعلیق میں لکھتے ہیں قلت والصحيح عندي القول بلزوم الوفاء بالوعد مطلقا" میرے نزدیک وعدہ پورا کرنا مطلقاً واجب ہے۔(۱)

اختلافی مسائل میں ملی اور دینی مصلحت کی بنا پر مسلک راجح کی بجائے مسلک مرجوح پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے اس لئے اس وعدے کو قضاءً لازماً قرار دینے کیلئے مالکیہ کے مسلک پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے تاکہ بینک کو نقصان اور خسارے سے بچایا جاسکے۔ اس کے علاوہ متاخرین مشائخ حنفیہ میں سے امام فخر الدین قاضی خان نے لکھا ہے کہ:

"وعدے بعض اوقات لوگوں کی حاجت کی وجہ سے لازم بھی ہو جاتے ہیں یعنی قضاءً۔"(۲)

ابن عابدین شامیؒ نے بھی جامع الفصولين اور فتاوی خیریہ کے حوالے سے اسی طرح لکھا ہے کہ:

"مواعید کبھی واجب بھی ہو جاتے ہیں۔"(۳)

متاخرین کی اس رائے اور مالکیہ کے مسلک کے مطابق مذکورہ صورت میں وعدہ پورا کرنے کو قضاء اور قانوناً لازم کیا جاسکتا ہے اور وعدہ خلافی کے نتیجے میں بینک کو جو

---

(۱) الفروق طبع عالم الكتب بيروت ج ٤ صفحه ٢٤، ٢٥ ملخصا و مشرحا

(۲) قاضی خان برہامش عالمگیری ج ۲ ص ۱٦٥

(۳) رد المحتار ج ٤ / ١٦٧ باب البيع الفاسد مطلب في الشرط الفاسد اذا ذكر بعد العقد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نقصان ہوا ہو اس کی ذمہ داری وعدہ کرنے والے پر ڈالی جاسکتی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں ایک بات نوٹ کرنے کی ہے اور وہ یہ کہ مال خریدنے اور وعدہ کرنے والے پر فروخت کرکے قبضہ دینے کے درمیان اگر مال ضائع ہو جائے یا خراب ہو جائے تو اس کی ذمہ داری وعدہ کرنے والے پر نہیں ڈالی جاسکتی اسلئے کہ اسنے ابھی تک مال خریدا نہیں تھا اور نہ اس پر قبضہ کیا تھا۔ بلکہ اس کا بوجھ بینک کو اٹھانا پڑے گا یا اس کے وکیل سے تاوان لیا جائے گا اگر مال اس کی تعدی یا لاپروائی سے ضائع ہوا ہو۔

## (٦) نقد قیمت سے ادھار قیمت زیادہ مقرر کرنا

قرض پر سود لینے کا ایک نعم البدل نقد قیمت سے ادھار قیمت زیادہ مقرر کرنا بھی ہے بشرطیکہ یہ اضافہ غبن فاحش کی حد تک نہ کیا گیا ہو یعنی اتنا زیادہ نہ ہو کہ جس پر بازار میں کوئی بھی خریدنے کے لئے تیار نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اگر ادھار قیمت یا اس کی قسط وقت مقررہ پر ادانہ کی جاسکے تو مزید اضافہ نہ کیا جائے اس لئے کہ یہ دین کی مقدار میں اضافہ ہے جو صریح سود ہے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ عقد بیع کی مجلس ہی میں بائع اور مشتری کے الگ ہونے سے پہلے نقد اور ادھار قیمتوں میں سے کسی ایک قیمت پر معاملہ طے ہو جائے۔ قیمت کو مبہم اور معلق نہ چھوڑا جائے۔ اس لئے کہ اگر قیمت کو معلق چھوڑ دیا گیا ہو تو یہ بیعتین فی بیعۃٍ یعنی ایک سودے میں دو سودے کرنا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے لیکن اگر الگ ہونے سے پہلے نقد یا ادھار میں سے کسی ایک پر سودا طے ہو جائے تو یہ ایک سودے میں دو سودے کی صورت نہیں ہے اور جائز ہے۔(١)

اس مسئلے میں ائمہ اربعہ اور فقہاء اسلام کی غالب ترین اکثریت کا اجماع ہے۔

(١) ترمذی فی النہی عن بیعتین فی بیعۃٍ مصنف عبدالرزاق ص ١٣٦ ج ٨

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پہلے بھی اس کی وضاحت ہو چکی ہے اور میری کتاب تفہیم المسائل حصہ دوم میں بھی اس کی مدلل اور مفصل بحث موجود ہے۔ اس کو آج کل کے اسلامی بینک بیع مؤجل کہتے ہیں لیکن فقہ میں قیمت کے التواء و تاخیر کی بنیاد پر کیئے گئے بیع کو بیع مؤجل کہا جاتا ہے خواہ قیمت نقد سے زیادہ ہو یا برابر یا کم ہو۔ نقد سے زیادہ قیمت پر کاروبار دو افراد کے درمیان بھی ہو سکتا ہے۔ دو کاروباری پارٹیوں کے درمیان بھی ہو سکتا ہے اور دو حکومتوں کے درمیان بھی ہو سکتا ہے بلا سود بینکاری میں اس کاروبار کو سودی کاروبار کے متبادل کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے اور اسلامی بینک آج کل اس کو استعمال کر رہے ہیں۔

اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی ادارے یا کسی حکومت کو اپنے کسی منصوبے کے لئے سامان کی ضرورت ہے جس پر کافی لاگت آتی ہے اور اس کے لئے بلا سود قرضہ نہیں ملتا اس لئے وہ ادارہ یا حکومت اسلامی بینک کے ساتھ معاہدہ کرتی ہے اور بینک وہ سامان بازار سے خرید کر نقد قیمت سے زیادہ قیمت پر فروخت کر کے نفع بھی کما لیتا ہے اور فرمائش کرنے والوں کا منصوبہ بھی پورا ہو جاتا ہے۔ اس سودے کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے بینک الگ وکیل یا وکلاء بھی مقرر کر سکتا ہے' سامان لانے والی جہاز راں کمپنی کو بھی وکیل بنا سکتا ہے اور جس پارٹی یا فرد یا حکومت نے سامان فراہم کرنے کی فرمائش کی ہو اسے بھی وکیل بنا سکتا ہے۔ بینک کا وکیل جو بھی ہو وہ پہلے خریدے ہوئے سامان پر قبضہ کریگا اور اس کے بعد طے شدہ قیمت پر فروخت کریگا یا اگر خود فرمائش کنندہ ہو تو خریدلیگا۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے اس طریقے کو سودی قرضوں کا متبادل تسلیم کیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ حکومت پاکستان نے کونسل کے تجویز کردہ طریقہ کار کو نظر انداز کر کے نفع نقصان میں شراکت کے نام سے (پی۔ ایل۔ ایس) بینکوں میں جو کھاتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کھولے ہیں وہ شرعی احکام کے مطابق نہیں ہیں بلکہ اسی پرانے سودی طرز پر چل رہے ہیں۔ بیع مرابحہ اور بیع مؤجل کے مذکورہ طریقے کے درمیان کوئی زیادہ فرق نہیں ہے سوائے اسکے کہ مرابحہ میں قیمت خرید کا بتانا ضروری ہوتا ہے اور بیع مؤجل میں قیمت کا خرید کا بتانا ضروری نہیں ہوتا ہے بلکہ جس پر بھی اتفاق ہو جائے وہی قیمت ہوگی اور دوسرا فرق یہ ہے کہ مرابحہ میں قیمت خرید پر طے شدہ نفع لیا جاتا ہے اور بیع مؤجل کی مذکورہ صورت میں نقد قیمت پر اضافہ لیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک چیز ایک ہزار میں خریدی گئی ہو تو ایک سو روپے کے نفع کے ساتھ گیارہ سو روپے میں فروخت کی جائے تو یہ مرابحہ ہے اور اگر نقد قیمت گیارہ سو روپے ہو اور ادھار فروخت کی جائے بارہ سو روپے میں تو یہ بیع مؤجل ہے۔

## (۷) اجارہ

جن لوگوں کے پاس کافی سرمایہ ہو اور وہ چاہتے ہوں کہ ہم اپنے سرمائے سے نفع حاصل کریں ان کے لئے اسلام کے اقتصادی نظام میں اجارہ کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے جو سود کا متبادل ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ٹریکٹر، ٹرک، جہاز، مشینری، عمارات، اور دوسری اشیاء استعمال خرید کر لوگوں کو کرائے پر دی جائیں سرمایہ کاروں کو نفع بھی ملے گا اور عوام کو ان کی ضرورت کی چیزیں بھی کرائے پر فراہم ہوتی رہیں گی۔ بجائے اس کے کہ سرمایہ ویسے ہی بیکار پڑا رہے یا اسے بینکوں میں جمع کر کے حرام نفع یعنی سود کمایا جائے حلال نفع کمانے کے لئے اور قوم کی ضرورت پوری کرنے کے لئے اس سے اشیاء استعمال خرید کر کرائے پر کیوں نہیں دی جاتیں؟ اسی طرح بینکوں میں لوگوں کی جو رقوم جمع ہوتی ہیں ان کو سودی لین دین کی جگہ اس طرح بھی استعمال کیا جاسکتا ہے کہ بینک اشیاء استعمال خرید کر لوگوں کو معلوم اجرت پر مقررہ مد[illegible] لئے فراہم[illegible]

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد کرایہ دار پر فروخت کرے۔ البتہ عقد اجارہ کے وقت فروخت کرنے کو شرط نہیں بنایا جا سکتا اس لیئے کہ ایک ہی چیز میں بیک وقت اجارہ اور بیع کے دو سودے جائز نہیں ہیں اس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔

## (۸) مزارعت و مساقات

رزق حلال کمانے اور آمدن بڑھانے کے حلال طریقوں میں کاشتکاری اور باغبانی بھی شامل ہے۔ احادیث نبویہ میں کاشتکاری اور شجر کاری کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ جن لوگوں کے پاس اپنی زمینیں ہیں وہ اپنا سرمایہ سودی قرضوں کے لین دین میں لگانے کی بجائے زمینوں اور باغوں کی پیداوار بڑھانے پر خرچ کر کے نفع کما سکتے ہیں۔ اور جن کے پاس اپنی زمینیں تو نہیں ہیں مگر ان کے پاس سرمایہ موجود ہے وہ زمینیں ٹھیکے پر لیکر قومی پیداوار کو بھی ترقی دے سکتے ہیں اور اپنی آمدن بھی بڑھا سکتے ہیں۔ اسی طرح زرعی بینک زمینداروں اور کاشتکاروں کو سودی قرضے دینے کی جگہ ان کے ساتھ بیع سلم کا معاہدہ بھی کر سکتے ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ زمینوں یا باغوں کی پیداوار کی متعین مقدار کی متعین قیمت پیشگی ادا کر دی جائے جس سے کاشتکار زراعت کی ضروریات پوری کر لے اور مقررہ وقت اور متعین مقام پر متعین جنس کی طے شدہ مقدار بینک کو پہنچا دے۔ اگر بیع سلم کی شرائط پوری کر دی جائیں تو یہ کاروبار جائز بھی ہے اور دونوں فریقوں کے لئے مفید بھی ہے کاشتکار کا فائدہ یہ ہے کہ وہ پیشگی قیمت سے اپنی پیداوار بڑھا سکے گا۔ اور بینکوں کا فائدہ یہ ہے کہ وہ پیشگی دی ہوئی قیمت کے بدلے میں حاصل کردہ جنس کو زیادہ قیمت پر فروخت کر کے جائز نفع کمائیں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# اسلام کا پورا معاشی نظام

## موجودہ سودی نظام کا متبادل ہے

مذکورہ سطور میں متبادل نظام کے (۸) آٹھ طریقوں کا انتہائی مختصر سا خلاصہ پیش کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ معاشی نظام پر کوئی مفصل کتاب نہیں ہے بلکہ شریعت اپیلیٹ بنچ میں زیر بحث اپیلوں کے تناظر میں ایک مختصر سا مقالہ ہے۔ موجودہ سودی نظام کا اصل متبادل اسلام کا پورا معاشی نظام ہے جس کی تفصیلات تفسیر' حدیث اور فقہ کی کتابوں میں مرتب اور مدون شکل میں دینی مراکز و مدارس میں دستیاب ہیں۔ لیکن چونکہ الناس اعداء لما جھلوا لوگ اس چیز کے دشمن بن جاتے ہیں جسے جانتے نہ ہوں' اس لئے شور مچایا جارہا ہے کہ سودی نظام کا متبادل نہیں ہے موجودہ سودی بینکاری نظام میں چونکہ سود کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور بینکوں کا کام سود پر قرضے لینا اور سود ہی پر لوگوں کو قرضے فراہم کرنا ہے اور بینکاروں کو اسی کام کا تجربہ ہے اس لئے ان کو متبادل نظر ہی نہیں آتا حالانکہ متبادل ہی نہیں بلکہ بہترین متبادل سامنے موجود ہے۔ لیکن انہوں نے آنکھیں بند کرلی ہیں اور شور مچارہے ہیں کہ متبادل بتاؤ متبادل بتاؤ۔ اگر ان کے دلوں' آنکھوں اور کانوں سے پردہ ہٹ جائے تو یہ فوراً متبادل کو دیکھ لینگے اور لپک کر اسے اپنا لینگے۔ اللہ پاک ہم سب کو حق جوئی' حق شناسی' حق گوئی اور حق پرستی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حقیقت یہ ہے کہ جدید دور کے بینکاری نظام کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا درآمدی' برآمدی اور اندرونی تجارت میں ان کا کلیدی کردار ہے۔ وکالت و کفالت ایل سی کی سہولت اور دوسری بہت سی خدمات ہیں جو یہ بینک انجام دیتے ہیں۔ بین الاقوامی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فقہی اداروں اور علمی مراکز نے ان خدمات اور دفتری وانتظامی ذمہ داریوں کی اجرت بالمثل کو جائز قرار دیا ہے۔ اس لئے بینک اس قسم کی اجرتیں لیکر اور کاروبار کے منافع کما کر بلا سود بینکاری نظام کو چلا سکتے ہیں اور فروغ دے سکتے ہیں بشرطیکہ علم اور اخلاص نیت موجود ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے دل کی حالت نہ بدلے۔ پروفیسر ڈاکٹر اوصاف احمد نے اپنے ایک مقالے میں اسلامی بینکاری کی نظریاتی بنیادوں اور عملی تجربات سے متعلق بڑی مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ اور ۶۵ بینکوں اور مالیاتی اداروں کی ایک فہرست مقالے کے آخر میں دی ہے جو غیر سودی طریقے پر کام کر رہے ہیں میں ان اداروں کے ہر کام کی تائید نہیں کرتا اس لئے کہ ان سے غلطیاں اور کوتاہیاں بھی ہوتی ہونگی۔ پرانے نظام کے عادی لوگ جب نیا نظام شروع کرتے ہیں تو ان سے بے احتیاطیوں اور غلطیوں کا صدور بعید از قیاس نہیں ہوتا۔ لیکن بنیادی طور پر ان اداروں نے غیر سودی معیشت کو متعارف کرا لیا ہے۔ ڈاکٹر اوصاف احمد اسلامی ترقیاتی بینک کے اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں سینئر ریسرچ فیلو رہ چکے ہیں ان کا محولہ بالا مقالہ اسلامی بینکاری کے نام سے انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔

## مہنگائی اور افراط زر کے انسدادی احکام

آج کل اشیاء استعمال کی کمر توڑ مہنگائی اور افراط زر کے جن مسائل سے ہم دوچار ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کا معاشی نظام نافذ نہیں ہے بیوع فاسدہ اور غیر شرعی کاروبار کا بازار لگا ہوا ہے مصنوعی گرانی کے قسم قسم کے ہتھکنڈے ہیں کہ استحصالی طبقے آزما رہے ہیں اور حکومتوں کی بدعنوانیاں اور بدانتظامیاں مزید گل کھلا رہی ہیں۔ ورنہ اگر صرف درج ذیل چند انسدادی تدابیر پر بھی سختی کی ساتھ عمل درآمد شروع ہو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جائے تو افراط زر کے اثرات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

## بیع قبل القبض اور سٹہ بازی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "قبضہ کرنے سے پہلے کسی چیز کو فروخت نہ کیا کرو" (نسائی واحمد) اگر اس حکم رسول پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے اور سٹہ بازی کا دھندہ بند کر دیا جائے تو چیزوں کی قیمتیں کافی حد تک گر جائیں گی۔ اسی بیع قبل القبض کی وجہ سے سٹے کو فروغ مل رہا ہے۔ مال بردار بحری جہاز کے ساحل سمندر پر لنگر انداز ہونے سے پہلے اور خریدار کے قبضے میں آنے سے پہلے مال نفع در نفع پر کئی بار بک چکا ہوتا ہے اور مارکیٹ میں صارفین کو دس بیس روپیہ کا مال سو' دو سو روپے میں خریدنا پڑتا ہے اگر اس غیر شرعی کاروبار پر پابندی لگادی جائے تو قیمتوں میں ۵۰ فیصد سے بھی زیادہ کمی آجائیگی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مہنگائی اور عوام کا استحصال کرنے میں سٹے کا بہت بڑا حصہ ہے روزانہ لاکھوں روپیہ کا کاروبار گھروں اور دفتروں میں بیٹھے بیٹھے صرف کاغذ یا ٹیلیفون پر ہوتا ہے اور مال کسی کے پاس نہیں ہوتا۔

## تلقی جلب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "سامان تجارت لانے والوں سے بازار میں پہنچنے سے پہلے آگے جاکر نہ ملو۔ جس نے بھی آگے جاکر ان سے مال خرید لیا تو مال کے مالک کو بازار میں آنے کے بعد اختیار ہے۔ (چاہے تو بیع فسخ کر سکتا ہے اگر اسے دھوکہ دیا گیا ہو۔) (۱)

جو شخص آگے جاکر راستے میں تاجروں سے مال خریدتا ہے تو عموماً ان سے سستا

(۱) صحیح مسلم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



خرید کر بازار میں زیادہ قیمت پر فروخت کرتا ہے اس کی وجہ سے تاجروں اور صارفین دونوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے اس لئے شریعت میں اس سے منع کیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ مارکیٹ میں پہنچنے سے قبل مال نہ خریدو۔ یہ احتکار اور ذخیرہ اندوزی کا بھی ایک ذریعہ بن سکتا ہے کہ بڑے تاجر آگے جاکر بڑے پیمانے پر مال خرید کر گوداموں میں جمع کریں گے اور مصنوعی قلت پیدا کر کے لوگوں کا استحصال کریں گے اگر تلقی جلب پر پابندی لگادی جائے اور اس کے انسداد کے لئے مؤثر تدابیر اختیار کرلی جائیں تو صارفین کو بڑی سہولت مل جائے گی اور مہنگائی میں کافی حد تک کمی آجائیگی۔

## احتکار اور ذخیرہ اندوزی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ذخیرہ اندوزی کرنے والا خطاکار ہے۔(۱)

اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ احتکار اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا لعنتی ہے(۲)

آج کل جو اچانک اشیاء صرف کم یاب بلکہ نایاب ہو جاتی ہیں اور قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہیں تو اس میں بڑا دخل احتکار اور ذخیرہ اندوزی کو حاصل ہے اگر کوئی عادل حکومت ہو اور ذخیرہ اندوزی کے راستے سختی سے بند کردے تو مہنگائی اور افراط زر کے مسائل سے قوم نکل سکتی ہے۔ در مختار کے متن تنویر الابصار میں لکھا ہے کہ "جس شہر میں عوام کو نقصان پہنچ رہا ہو وہاں پر انسانوں اور جانوروں کی خوراک کی ذخیرہ اندوزی مکروہ ہے۔ شہر کا قاضی حکم دیگا کہ جو مال لوگوں کی ضرورت سے زائد ہو اسے باہر لاکر فروخت کردے اگر ذخیرہ اندوزوں نے ایسا نہ کیا تو قاضی انکا ضرورت سے زائد مال از خود نکلوا کر فروخت کریگا اور ان کو ذخیرہ اندوزی کی مناسب سزا بھی دیگا اس مسئلے پر سب کا اتفاق ہے۔(۳)

---

(۱)ابو داؤد (۲)ابن ماجه (۳)مجموعه شامی الحظر والاباحه ص ۳۵۱۔۳۵۲ ج ۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



عام نارمل حالات میں تو حکومت کے لئے نرخ بندی کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ قیمتوں کو طلب و رسد کے عام فطری اور قدرتی حالت پر چھوڑ دینا چاہئے لیکن اگر تاجر قیمتوں میں حد متعارف سے بہت زیادہ تجاوز کرنا شروع کر دیں تو ایسی صورت میں حکومت اہل رائے کے مشورے سے نرخ بندی کر سکتی ہے۔(۱)

## غبن فاحش

غبن فاحش یہ ہے کہ تاجر اشیاء صرف کو متعارف قیمت سے زیادہ قیمت پر فروخت کر کے صارفین کا استحصال کریں۔ یہ جرم ہے جس کی سزا بھی دی جا سکتی ہے اور خریدار کو بیع فسخ کرنے کا اختیار بھی دیا گیا ہے۔(۲)

اسلامی حکومت گراں فروشی یعنی غبن فاحش کے انسداد کے لئے مؤثر اور نتیجہ خیز اقدامات کرنے اور تدابیر اختیار کرنے کی شرعاً پابند ہوتی ہے اور یہ اس کے فرائض میں شامل ایک فریضہ ہوتا ہے۔

## غش اور دھوکہ دہی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جو تاجر دھوکہ دیتا ہے اور چیزوں کے عیب پر پردہ ڈالتا ہے وہ میرا نہیں ہے۔"

غش سے مراد یہ ہے کہ خراب چیز کو اعلیٰ اور اچھی چیز کی قیمت پر فروخت کیا

---

(۱) شامی ص ۳۵۲ ج ۵

(۲) شامی ص ۲۲۰، ۲۲۱ ج ٤

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جائے یہ بھی مصنوعی گرانی کا ایک ذریعہ ہے۔مذکورہ بالا پانچ قسم کے انسدادی احکام تو بطور نمونہ ذکر کیے گئے ہیں۔ورنہ استحصال اور معاشی ظلم کے انسداد کیلئے اور بھی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن جو حکومت خود استحصال و کرپشن اور معاشی ظلم کر رہی ہو وہ معاشی انصاف کس طرح قائم کر سکتی ہے ؟

فالی اللہ المشتکی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# کیا سود کے خاتمے کو صالح

# معاشرے تک ملتوی کیا جاسکتا ہے؟

شریعت اور غیر سودی معیشت کے نفاذ کا جب مطالبہ کیا جاتا ہے تو ایک بہانہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ہمارا موجودہ معاشرہ دیانت 'امانت اور صداقت کے اعتبار سے بگڑا ہوا معاشرہ ہے اور لوگوں کا اخلاقی معیار بہت پست ہو گیا ہے اس لئے پہلے معاشرے کی اصلاح کی جائے اور اس کے بعد شریعت اور غیر سودی معیشت نافذ کی جائے۔ اس بہانے کی مثال ایسی ہے کہ جب مریض کی مرض بڑھ جائے اور وہ اپنے معالج کی تجویز کردہ دوا کو استعمال کرنے کے لئے تیار نہ ہوتا ہو تو کوئی "دانشور" اٹھ کر کہنا شروع کر دے کہ پہلے مریض کی حالت ذرا ٹھیک ہونے دو پھر دوا استعمال کراؤ حالانکہ مریض کی حالت ٹھیک ہو ہی نہیں سکتی جب تک وہ دوا استعمال نہ کرے شریعت پر عمل کرنے کے بغیر تو بگاڑ ختم نہیں ہو سکتا۔ یہ صحیح ہے کہ آج اگر شرکت و مضاربت کا نظام نافذ کر دیا جائے تو کاروبار کرنے والے حقیقی نفع نہیں بتائیںگے اور خسارہ دکھانے کی کوشش کرینگے اور ٹیکس سے بچنے کے لئے تاجر آج کل بالعموم دو کھاتے رکھتے ہیں ایک فرضی حساب کا کھاتہ اور دوسرا حقیقی حساب کا کھاتہ لیکن اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ سود کے خاتمے اور بلا سود بینکاری کے نفاذ کو صالح معاشرے کے قیام تک ملتوی کر دیا جائے۔ بلکہ اسکا علاج یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ اور وسائل نشرواشاعت کے ذریعے معاشرے کی اصلاح بھی کی جائے اور پوری کی پوری شریعت بھی نافذ کر دی جائے۔

شریعت کا نزول تو تدریجا ہوا تھا لیکن تکمیل دین کے بعد اور حاکم حقیقی کی جانب سے تنفیذ شریعت کے بعد تدریج کا فلسفہ پیش کرنا اور اس فلسفے کی بنا پر شریعت پر عمل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



درآمد کرنے کو ملتوی کرتے چلے جانا نہ عقل وخرد کا تقاضی ہے اور نہ شریعت کا تقاضی ہے۔

اللہ تعالی کا حکم تو یہ ہے کہ "اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔" پوری کی پوری شریعت کی پیروی کرو اور لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو حکومت کا فرض ہے کہ سودی معیشت کا خاتمہ کرے شرکت ومضاربت کے اصول پر بلا سود معیشت نافذ کرے۔ اور بد دیانتی کے انسداد کے لئے قانونی اور انتظامی اقدامات کرے۔ سپریم کورٹ کی اس شرعی عدالت کا بھی دینی فریضہ ہے کہ وہ سودی نظام کے مکمل خاتمے اور غیر سودی نظام کے نفاذ کے لئے انقلابی فیصلہ کرے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

گوہر رحمان
صدر ادارہ تفہیم الاسلام مردان
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن مردان
۲۰ اپریل ۱۹۹۹ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# باب چہارم

# بین الاقوامی سودی معاہدے

## نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۹۱ء کی دفعہ ۱۸ کے خلاف عدالتی بیان

نواز شریف کے دور حکومت میں نافذ کردہ نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۹۱ء کی دفعہ ۱۸ کے خلاف وفاقی شرعی عدالت کو بھیجا گیا تحریری بیان جس کا خلاصہ بعد میں عدالت کے سامنے زبانی طور پر بھی پیش کیا گیا تھا۔

اس دفعہ کا تعلق بین الاقوامی سودی معاہدوں سے ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# بین الاقوامی سودی معاہدے

نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۹۱ء کی دفعہ ۱۸ کا عنوان ہے۔ بین الاقوامی مالی ذمہ داریاں اور اس کے متن کا اردو ترجمہ یہ ہے:

"اس ایکٹ میں شامل ہر جزو یا عدالت کے فیصلے کے باوجود جب تک کہ متبادل اقتصادی نظام نافذ نہیں کر دیا جاتا موجودہ مالی ذمہ داریاں اور قومی اداروں اور غیر ملکی اداروں کے درمیان کئے جانے والے معاہدے برقرار' قانونی' واجب العمل اور جاری رہیں گے۔"

تشریح:

"اس شق میں قومی ادارے کی تشریح کے طور پر ایسے تمام وفاقی اور صوبائی ادارے' قانونی کارپوریشن کمپنیاں' ادارے باڈی انٹرپرائز یا پاکستان کا کوئی شخص اور غیر ملکی ایجنسی کی اصطلاح میں بیرونی حکومت' غیر ملکی مالیاتی ادارہ' غیر ملکی کیپٹل مارکیٹ جس میں بنک یا کوئی غیر ملکی قرضہ جاری کرنے والی کمپنی بشمول فرد واحد اور مال مہیا کرنے یا خدمات ادا کرنے والا شخص۔"

اس دفعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ متبادل اقتصادی نظام نافذ ہو جانے تک سودی معاہدے آئندہ بھی ہوتے رہیں گے اور ان کے مطابق سودی لین دین بھی جاری رہے گا اور اب تک کئے گئے معاہدوں کے مطابق عائد شدہ سود بھی ادا کر دیا جائے گا۔ سود کے اس بین الاقوامی لین دین پر نفاذ شریعت ایکٹ کے کسی جز یا کسی بھی عدالت کے فیصلے کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کچھ بھی اثر نہیں پڑے گا۔ یعنی یہ قرآن وسنت کی بالادستی سے آزاد اور مستثنیٰ ہوگا۔ میری رائے میں یہ دفعہ بھی قرآن وسنت کے قطعی اور واضح احکام کے خلاف ہے جس طرح کہ اس ایکٹ کی دفعہ ۳(۲) دفعہ ۱۹، دفعہ ۲۰، دفعہ ۲۱ قرآن وسنت کے احکام کے خلاف ہیں۔ ان میں سے دفعہ ۳(۲) اور دفعہ ۱۹ کو یہ موقر عدالت ۱۲ مئی ۱۹۹۲ء کو خلاف اسلام قرار دے چکی ہے۔ (اس ایکٹ کا مکمل علمی جائزہ میں نے الگ کتابچے میں تحریر کیا ہے اس وقت صرف دفعہ ۱۸ زیر بحث ہے۔)

## بین الاقوامی ربا کے بارے میں تنقیح طلب امور:

(الف) کیا ربا صرف اسلامی ریاست کے شہریوں پر حرام ہے یا اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے درمیان بھی سودی معاملات حرام ہیں؟

(ب) کیا سودی معاہدوں کی کوئی شرعی حیثیت ہے اور کیا اسلام نے ایسے معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے یا نہیں توڑ دینے کا حکم دیا ہے؟

(ج) کیا اندرون ملک یا بیرون ملک سودی معاہدوں کی وجہ سے عاید شدہ سود ادا کرنا شرعاً جائز ہے؟

(د) اگر سود مطلقاً حرام ہے اور سودی معاہدے بھی مطلقاً حرام ہیں تو کیا ان کو قرآن وسنت کی بالادستی سے مستثنیٰ کرنا کسی مسلمان کے لئے جائز ہے جب کہ متبادل اقتصادی نظام چودہ سو سال پہلے حاکم حقیقی اور مقتدر اعلیٰ نے نافذ کر دیا ہے اور قیامت تک نافذ رہے گا؟

میں اپنی گفتگو کو ان چار بنیادی سوالات کے حل کرنے تک محدود رکھوں گا۔

(الف) قرآن وسنت کی نصوص قطعیہ ربا کو مطلقاً حرام قرار دیتی ہیں۔ ان نصوص میں ملکی اور غیر ملکی، مسلم ریاست اور غیر مسلم ریاست، شخصی و انفرادی اور اجتماعی و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ادارتی کا کوئی استثنا موجود نہیں ہے۔ ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کو اس موقر عدالت شرعیہ نے جو تاریخی فیصلہ دیا ہے اس میں ربا کی قطعی اور عمومی حرمت کے دلائل موجود ہیں۔ یہ فیصلہ پاکستان کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا' اگرچہ وہ مادہ پرستوں اور سیکولرسٹوں کو ناگوار گزرے گا۔ دنیا کی حکومت اس فیصلے پر عمل کرتی ہے یا اس کو پس پشت ڈالتی ہے' یہ اس کے ایمان واسلام کا ایک امتحان ہے' لیکن مجھے امید ہے کہ حاکم حقیقی کی عدالت میں اس تاریخی اور انقلابی فیصلہ کرنے والے قاضیوں کو وہی اجر ملے گا جس کا وعدہ مقسطین کے لئے اللہ نے کیا ہے و من اوفی بعهده من الله. "اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟" کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔

اس فیصلے کے ضمیمہ الف میں سوال نمبر ۷ کے جواب میں میں نے اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے درمیان سودی لین دین کی حرمت پر تفصیلی بحث کی تھی مگر اس میں احادیث کا حوالہ مسئلہ کے معروف و مسلمہ ہونے کی وجہ سے نہیں دیا گیا تھا۔ اس عرضداشت میں آیات کا حوالہ اجمالا اور احادیث کا حوالہ تفصیلا پیش کیا جا رہا ہے۔ آیات کا تفصیلی حوالہ اس لئے نہیں دیا جا رہا کہ ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کے فیصلے کے ضمیمہ الف میں سوال نمبر ۱ کے جواب میں یہ تفصیل پہلے سے موجود ہے۔

## حرمت ربا کے بارے میں قرآنی آیات عام ہیں:

قرآن کریم میں ربا کی مذمت اور حرمت کے بارے میں کل دس آیات آئی ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

| | |
|---|---|
| سورة الروم | آیت نمبر ۳۹ |
| سورة النساء | آیت نمبر ۱۶۱ |
| سورة آل عمران | آیت نمبر ۱۳۰ |

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سورۃ البقرہ آیات نمبر ۲۷۵'۲۷۶'۲۷۷'۲۷۸'۲۷۹'۲۸۰'۲۸۱

ان آیات میں بقول ابن عباس آخری آیات جن میں کلی' عمومی اور حتمی طور پر ربا کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیات ہیں۔ ان میں احل اللہ البیع و حرم الربا کا قطعی فیصلہ دے دیا گیا ہے کہ ہر قسم کی تجارت حلال ہے' ہر مسلمان کے لئے حلال ہے اور ہر جگہ حلال ہے اور ہر قسم کا ربا حرام ہے۔ عوام کے لئے بھی حرام ہے اور حکمرانوں کے لئے بھی حرام ہے۔ اپنے ملک میں بھی حرام اور دوسرے ملکوں میں بھی مسلمانوں کے لئے حرام ہے۔ ذاتی کاروبار میں بھی حرام ہے اور قومی و حکومتی کاروبار میں بھی حرام ہے۔ تخصیص و تقیید اور استثنا کا کوئی ادنیٰ اشارہ تک اس حکم قرآنی میں موجود نہیں ہے۔

ان آیات میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ حرمت ربا کا حکم آنے کے بعد بھی جو لوگ سودی معاہدے اور سودی لین دین جاری رکھتے ہیں وہ دوزخ میں جائیں گے۔ ومن عاد فاولئك اصحاب النار هم فيها خالدون۔ و من عاد کا لفظ عام ہے۔ افراد و اشخاص سودی لین دین کرتے ہوں' یا مسلمانوں کی حکومتیں یا ادارے اس جرم کا ارتکاب کرتے ہوں' مسلمانوں کے ساتھ سودی کاروبار کرتے ہوں یا غیر مسلموں کے ساتھ' مسلم ریاست کے ساتھ ایسے معاہدے کرتے ہوں یا غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ سب کے لئے حکم یہ ہے کہ ایسے لوگ دوزخ میں جائیں گے۔ اسی طرح اللہ نے جہاں کہیں بھی مسلمان رہتے ہوں ان سب کو بلا امتیاز حکم دیا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو سود کا بقایا چھوڑ دو يا ايها الذين امنوا اتقوالله و ذروا ما بقى من الربا ان كنتم مؤمنين۔ اسی طرح قرآن کریم نے سود کو ظلم کہا ہے لا تظلمون و لا تظلمون اور ظلم ہر جگہ ظلم ہوتا ہے اور جو بھی ظلم کرے یا ظلم سے تعاون کرے وہ ظالم ہوتا ہے خواہ فرد ہو یا حکومت' اسلامی ریاست کا فرض منصبی سود کو مٹانا اور غیر سودی معیشت کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔ جب یہ خود سودی معاہدے کرتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہوں تو دنیا کے سامنے اسلام کے معاشی نظام کی شہادت کس طرح پیش کر سکیں گی۔ دنیا تو اسے یہی کہے گی کہ لم تقولون ما لا تفعلون وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔

## حرمت ربا کے بارے میں احادیث نبویؐ:

ربا کی حرمت 'مذمت اور اس پر وعید شدید کی احادیث بہت زیادہ ہیں۔ مگر ان میں سے چند منتخب احادیث پیش کی جارہی ہیں۔ جو سند کے اعتبار سے صحیح اور مفہوم کے اعتبار سے عام ہیں۔ جن کے عموم سے بین الاقوامی ربا کی حرمت بھی ثابت ہوتی ہے۔

(۱) عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال اجتنبوا السبع الموبقات قالوا یا رسول الله و ما هن قال الشرك بالله والسحر و قتل النفس التی حرم الله الا بالحق و اكل الربا و اكل مال اليتيم و التولی يوم الزحف و قذف المحصنات المومنات الغافلات۔(۱)

"ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے سات تباہ کن گناہوں سے دور رہو۔ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ یہ تباہ کن گناہ کون سے ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرانا' جادو کرنا' اس نفس کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہو' مگر حق کے ساتھ 'سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' اس دن پیٹھ پھیرنا جب دشمن کے لشکر کا سامنا ہو' اور ان پاکدامن مسلمان عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا جو بدکاری سے بے خبر ہوں۔"

(۱) صحيح بخاری كتاب الوصايا باب قول الله الذين ياكلون اموال اليتامی ظلما۔ صحيح البخاری كتاب الطب باب الشرك والسحر من الموبقات۔ صحيح بخاری كتاب المحاربين باب الرمی والمحصنات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



(۲) عن سمرة بن جندب فی حدیث رؤیا النبی ﷺ الطویل حتی اتینا علی نهر من دم و فی روایةٍ کتاب التعبیر احمر مثل الدم فیه رجل قائم و فی روایة کتاب التعبیر رجل سابح یسبح و علی وسط النهر قال یزید وهب بن جبیر عن جریر بن حازم و علی شط النهر رجل بین یدیه حجارة فاقبل رجل الذی فی النهر فاذا اراد ان یخرج رمی الرجل بحجر فی فیه فرده حیث کان فجعل کلما جاء یخرج رمی فی فیه بحجر فیرجع کما کان فقلت ما هذا؟ قالا انطلق ..... والذی رئیته فی النهر آکلوا الربا۔(۱)

"سمرۃ بن جندب سے رسول اللہ ﷺ کے ایک خواب سے متعلق طویل حدیث میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا" یہاں تک کہ ہم خون کی ایک نہر (دریا) پر پہنچے جس میں ایک شخص کھڑا تھا (دوسری روایت میں آیا ہے کہ تیر رہا تھا) اور نہر کے کنارے پر ایک دوسرا شخص تھا جس کے سامنے پتھر پڑے تھے۔ جو شخص خون کی نہر میں تھا وہ نکلنے کے لئے سامنے سے آتا اور جب نکلنے کا ارادہ کرتا تو کنارے پر موجود شخص ایک پتھر اٹھا کر اس کے منہ میں پھینک دیتا اور اسے واپس اس جگہ پہنچا دیتا جہاں پر وہ پہلے موجود تھا۔ اسی طرح جب بھی وہ نکلنے کے لئے سامنے سے آتا تو کنارے پر موجود یہ شخص ایک پتھر اس کے منہ کے اندر پھینک دیتا اور وہ واپس لوٹ جاتا جیسا کہ پہلے تھا۔ میں نے اپنے ساتھی فرشتوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا چلتے رہو۔ (یعنی بعد میں بتائیں گے فی الحال چلتے رہو اور دیکھتے رہو) آخر میں فرشتوں نے کہا کہ جس شخص کو تم نے خون کے دریا میں دیکھا تھا وہ سود

(۱) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ما قیل اولاد المشرکین رقم الحدیث ۱۳۲۰۔ صحیح بخاری کتاب البیوع باب آکل الربا رقم الحدیث۔ صحیح بخاری کتاب التعبیر باب تعبیر الرویا بعد صلوة الصبح رقم الحدیث ۶۶٤۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



خوروں میں سے تھا۔"

(۳) عن ابی جحیفة قال نهی النبی ﷺ عن ثمن الكلب و ثمن الدم و نهی عن الواشمة والمستوشمة وآکل الربا و موكله و لعن المصور.(۱)

"ابو جحیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کتے کی قیمت لینے اور خون کی قیمت لینے سے منع کر دیا ہے۔ اور خال لگانے اور لگوانے سے اور سود کھانے اور کھلانے سے بھی منع فرمایا ہے اور مصور پر لعنت بھیجی ہے۔"

(٤) عن ابن مسعود قال لعن رسول الله ﷺ آکل الربا و موكله.(۲)

"ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے پر اور کھلانے والے پر لعنت کی ہے۔"

(٥) عن جابر بن عبدالله عن النبی ﷺ لعن رسول الله ﷺ آکل الربا و موكله و كاتبه و شاهديه و قال هم سواء.(۳)

"جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، اس کے لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ سب برابر ہیں۔"

---

(۱) صحیح بخاری کتاب البیوع، باب موکل الربا رقم الحدیث ۱۹۸۰.
صحیح بخاری کتاب البیوع باب ثمن الکلب رقم الحدیث ۲۱۲۳.
صحیح بخاری کتاب الطلاق باب مهر البغی رقم الحدیث ۵۰۳۲.
صحیح بخاری کتاب اللباس باب الواشمة رقم الحدیث ۵۶۰۱.
صحیح بخاری کتاب اللباس باب من لعن المصور رقم الحدیث ۵۶۱۷
(۲) صحیح مسلم کتاب المساقات باب لعن آکل الربا و موکله، رقم الحدیث ۱۵۹۷
(۳) صحیح مسلم فی المساقات باب لعن آکل الربا و موکله رقم الحدیث ۱۵۹۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



(٦) عن علی بن ابی طالب قال لعن رسول الله ﷺ آکل الربا و موکله والواشمة والمستوشمة للحسن و مانع الصدقة والمحلل والمحلل له و کان ینهی عن النوح.(١)

"حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، خال لگانے والی پر اور لگوانے والی پر (مصنوعی) حسن کے لئے، زکوۃ نہ دینے والے پر، حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا ہو اس پر بھی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ماتم کے موقع پر رونے پیٹنے اور منہ نوچنے سے بھی منع کیا ہے۔"

(٧) عن عبدالله بن حنظلة غسیل الملئکة قال قال رسول الله ﷺ درهم ربا یاکله الرجل و هو یعلم اشد من ستة و ثلاثین زنیة.(٢)

"حضرت عبداللہؓ جو غسیل الملائکہ حضرت حنظلہؓ کے بیٹے ہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سود کا ایک روپیہ جسے کوئی شخص حرمت کا علم رکھنے کے باوجود کھاتا ہے تو اس کا گناہ ٣٦ مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ ہے۔"

اس حدیث کے بارے میں حافظ نور الدین الہیثمی (متوفی ٨٠٧ھ) فرماتے ہیں:

رواه احمد والطبرانی فی الکبیر والاوسط و رجال احمد رجال الصحیح.(٣)

"اسے احمد بن حنبل نے اور طبرانی نے معجم کبیر اور معجم اوسط میں نقل کیا ہے اور مسند احمد کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں۔"

---

(١) الفتح الربانی لترتیب مسند احمد الشیبانی ص٦٨ ج١٥

(٢) الفتح الربانی ص٦٩ جلد١٥ والمعجم الاوسط للطبرانی متوفی ٣٦٠ ھ طبع المعارف ریاض ١٩٨٧ء ص ٣٣٠ جلد١٥

(٣) مجمع الزوائد باب الربا طبع بیروت ١٩٦٧ء جلد٤ ص١١٧

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مسند احمد کے مرتب اور شارح شیخ احمد عبدالرحمان البنا لکھتے ہیں:

قلت و صححه ایضا الحافظ السیوطی و وثق رجاله الحافظ العراقی و ذب عنه الحافظ ابن حجر العسقلانی فی کتابه القول المسدد فی الذب عن المسند.(۱)

"حافظ سیوطی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ عراقی نے بھی اس کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کا دفاع اپنی کتاب القول المسدد میں کیا ہے۔"

(۸) عن ابن مسعود عن النبی ﷺ قال الربا ثلاثة و سبعون بابا ایسرها مثل ان ینکح الرجل امه و ان اربی الربا عرض الرجل المسلم.(۲)

"ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ربا کے عذاب کی ۷۳ قسمیں ہیں (یعنی بہت سی قسمیں ہیں) ان میں سب سے ادنی قسم ایسی ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔ اور سب سے بڑا سود یہ ہے (یعنی بڑا گناہ) کہ کسی مسلمان کی عزت لوٹی جائے۔"

(۹) و عن ابن مسعود عن النبی ﷺ قال الربا بضعة سبعون بابا و الشرك مثل ذالك.(۳)

---

(۱) بلوغ الامانی فی ذیل الفتح الربانی ص۶۹ ج۱۵

(۲) المستدرك للحاکم ص۳۷ ج۲ و قال صحیح علی شرط الشیخین و وافقه الذهبی فی تلخیص المستدرك والمصنف لعبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ ص۳۱۴ ج۸. واخرجه ابن ماجه فی ابواب التجارت و لکن سنده ضعیف

(۳) مصنف عبدالرزاق ص۳۱۵ ج۸. و مسند البزار المتوفی ۲۹۲ھ بحواله کشف الاسرار ص۶۴ ج۱. ابواب الشرك رقم الحدیث ۹۱ وقال الهیثمی فی مجمع الزوائد ص۱۱۷ ج۴ رجاله رجال الصحیح و رواه ابن ماجه متوفی ۲۷۳ھ فی ابواب التجارات باب التغلیظ فی الربا رقم الحدیث ۲۲۹۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ سود کے وبال و عذاب کی ۷۰ سے زائد قسمیں ہیں اور شرک کا وبال و عذاب بھی اسی طرح ہے۔"

(۱۰) عن ابی هريرة قال قال رسول اللهﷺ اتيت ليلة اسرى بى على قوم بطونهم البيوت فيها الحيات ترى من خارج بطونهم فقلت من هؤلاء؟ قال هؤلاء آكلة الربا.(۱)

"ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے مجھے معراج کی رات ایسی قوم پر لے جایا گیا جن کے پیٹ گھروں کی طرح تھے (بڑے تھے) ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو پیٹوں کے باہر سے نظر آرہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرشتے نے کہا یہ لوگ سود خور ہیں۔"

(۱۱) عن ابن مسعود عن النبى ﷺ قال ما ظهر فى قوم الزنا والربا الا احلوا بانفسهم عتاب الله.(۲)

"ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کسی قوم میں نہیں پھیلتا زنا اور ربا' مگر جب بھی پھیلتا ہے تو وہ اپنے اوپر اللہ کا عذاب نازل کروالیتی ہے۔"

(۱۲) عن ابن عباس قال النبى ﷺ اذا ظهر الزنا والربا فى قرية فقد احلوا بانفسهم عذاب الله.(۳)

"ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کسی بستی

---

(۱) الفتح الربانى باب الاسرار ص۲۵٦ ج۲۰ و سنن ابن ماجه باب التغليظ فى الربا رقم الحديث۲۲۹۳

(۲) مسند ابى يعلى الموصلى التوفى ۳۰۷ھ طبع بيروت ۱۹۸٤ء ص۳۹٦ ج۸ رقم الحديث ٤۹۸۱. مسند عبدالله بن مسعود و فى سنده جاء شريك و هو متكلم فيه و لكن له شواهد و لذا قال الهيثمى فى مجمع الزوائد ص۱۱۸ ج٤. اسنادة جيد

(۳) المستدرك للحاكم ص۳۷ ج۲ ووافقه الذهبى فى تلخيص المستدرك

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



میں زنا اور ربا پھیل جائے (غالب آجائے) تو اس بستی کے لوگ اپنے اوپر اللہ کا عذاب نازل کروالیتے ہیں۔"

(۱۳) عن عمرو بن عاص قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ما من قوم يظهر فيه الربا الا اخذوا بالسنة و ما من قوم يظهر فيهم الرشا الا اخذوا بالرعب.(۱)

"عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جس قوم میں سود عام ہو جائے تو اس کی گرفت کی جاتی ہے قحط سالی کے ذریعے اور جس قوم میں رشوت عام ہو جائے تو اس کی گرفت کی جاتی ہے رعب اور خوف کے ذریعے (دشمن کے نام سے بھی ڈرتے ہیں)۔"

(۱٤)عن ابی حمزة قال قلت لابن عباس ان رجلا جلابا يجلب الغنم و انه يشارك اليهودى والنصرانى قال لا يشارك يهوديا ولا نصرانيا ولا مجوسيا قال قلت لما؟ قال لانهم يربون والربا لا يحل.(۲)

"ابو حمزہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا ایک شخص بھیڑ بکریاں باہر سے لا کر فروخت کرتا ہے، مگر وہ اس کاروبار میں یہودی اور نصرانی کو بھی شریک بناتا ہے؟ اس پر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہودی یا نصرانی یا مجوسی کے ساتھ شراکت کا کاروبار نہ کرے۔ میں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ یہ لوگ سودی لین دین کرتے ہیں اور سود حلال نہیں ہے۔"

ابن عباسؓ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ وہ غیر مسلم جو سودی کاروبار کرتے ہیں

---

(۱)الفتح الربانی لترتیب مسند احمد الشیبانی ص ۷۰ ج ۱۵

(۲)المصنف لابن ابی شیبه متوفی ۲۳۵ ھ طبع کراچی ۱۹۸٦ء ص۸ج٦

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ان کے ساتھ کاروباری اور تجارتی تعلق جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ سودی لین دین کو چھوڑ نہ دیں۔ ورنہ اصولاً تو غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کرنے کی ممانعت نہیں ہے' بلکہ احادیث میں غیر مسلموں کے ساتھ بیع و شراء کا ثبوت موجود ہے۔

(۱۵) عن سعید بن ابی بردة عن ابیه اتیت المدینة فلقیت عبدالله بن سلام فقال الا تجیئی فاطعمك سویقا و تمرا و تدخل فی بیت ثم قال انك بارض الربا بها فاش اذا کان لك علی رجل حق فاهدی الیك حمل تبن او حمل شعیر او حمل قت فلا تاخذه فانه ربا.(۱)

"سعیدؓ اپنے باپ ابو بردہؓ اشعری سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو عبداللہ بن سلام سے میری ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کیا تم میرے گھر نہیں آتے کہ میں تمہیں ستو اور کھجور کھلاؤں اور تم ایک مبارک گھر میں داخل ہونے کا شرف بھی حاصل کر لو گے۔ (عبداللہ بن سلام کے گھر میں رسول اللہ ﷺ نے قیام بھی فرمایا تھا اور نماز بھی پڑھی تھی) پھر کہنے لگے تم ایسے علاقے میں رہتے ہو جس میں سود عام ہے۔ جب تمہارا کسی شخص پر کوئی حق (قرض) ہو اور وہ تمہیں گھاس کا یا جو کا یا چارے کا گھٹا تحفے کے طور پر دینا چاہے اسے قبول نہ کرو' کیونکہ یہ سود ہے۔"

ابو بردہؓ اشعری' ابو موسیٰ اشعریؓ کے بھائی تھے۔ اصل میں یمن کے اشعر قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ ۷ ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر یہ پچاس پچپن افراد کے ایک وفد میں مدینہ آئے تھے' مگر بعد میں انہوں نے کوفہ (عراق) میں سکونت اختیار کر لی

(۱)صحیح بخاری ابواب المناقب باب مناقب عبدالله بن سلام رقم الحدیث۳۶۰۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تھی۔ عراق وایران میں غیر مسلم بھی ابھی کافی تعداد میں موجود تھے جو سودی کاروبار کے عادی تھے' اگر چہ اسلامی حکومت میں رہنے والے غیر مسلموں کو بھی سود لینے دینے کی اجازت نہیں ہوتی' مگر پھر بھی اس بری عادت کے لوگ چوری چھپے یا حیلوں کے ذریعے یہ دھندا کرتے رہتے تھے۔ اس صورت حال کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے ابوبردہؓ کو نصیحت کی کہ تم جس سرزمین کے باشندے ہو وہاں پر سود عام ہے۔ اس لئے تمہارا مقروض تمہیں کوئی تحفہ بھی دے تو اسے قبول نہ کرو کیونکہ یہ بھی ربا ہے۔ ربا کا لفظ انہوں نے زجرا و مبالغتہ کہہ دیا تھا ورنہ یہ ربا نہیں ہے' بلکہ شبہ ربا ہے۔ معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کے ساتھ وہ کاروبار جائز نہیں ہے جس میں سود کی مشابہت پائی جاتی ہو تو پھر حقیقی سود ان کے ساتھ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

(١٦) عن ابی قیس مولی عمرو بن العاص قال کتب ابوبکر الصدیق الی امراء الاجنادین قدموا الشام اما بعد فانکم قد ھبطتم ارض الربا فلا تتبایعون الذھب بالذھب الا وزنا بوزن ولا الورق بالورق الا وزنا بوزن ولا الطعام بالطعام الا کیلا بکیل قال ابوقیس قرأت کتابہ.(١)

"ابو قیس جو عمرو بن عاصؓ کے آزاد کردہ غلام تھے روایت کرتے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے فوجی امراء کے نام ایک خط لکھا تھا جب وہ امراء شام گئے ہوئے تھے۔ تم سود کی سرزمین پر اترے ہو' لہذا سونا سونے کے بدلے میں نہ بیچو' مگر برابر تول کر بیچو' چاندی چاندی کے بدلے میں فروخت نہ کرو مگر برابر تول کر اور غلہ (گندم) غلے کے بدلے میں فروخت نہ کرو مگر برابر تول کر۔ اور ابو قیس کہتے ہیں کہ میں نے یہ خط خود پڑھا تھا۔"

(۱) شرح معانی الآثار کتاب الصرف باب الربا طبع بیروت ١٩٨٧ء ص ٧٠ ج ٤

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جس طرح کہ عراق میں غیر مسلم بھی موجود تھے اور اس سرزمین پر سود عام تھا تو عبداللہ بن سلام نے ابوبردہ کو نصیحت کی تھی جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اسی طرح شام کی سرزمین پر عیسائی کافی تعداد میں موجود تھے جو سودی کاروبار کے عادی تھے تو خلیفۃ الرسول ابوبکر صدیقؓ نے اپنے فوجی امراء کے نام خط میں سود سے بچنے کے لئے خصوصی ہدایات ارسال کی تھیں تاکہ سود کی اس سرزمین پر مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ کہیں غیر شرعی کاروبار شروع نہ کر دیں۔ اس مکتوب صدیقی سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو کسی بھی علاقے میں غیر مسلموں کے ساتھ سودی معاہدے کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۱۷) عن انس قال اتانا کتاب عمر ونحن بارض فارس ان لا تبیعوا السیوف فیها حلقة فضة بالدراهم.(۱)

"انس فرماتے ہیں کہ ہم فارس کی سرزمین پر تھے (جہاد کے لئے) کہ ہمارے پاس امیر المومنین حضرت عمرؓ کا خط آیا کہ ایسی تلواروں کو روپوں کے بدلے فروخت نہ کرو جن میں چاندی کے حلقے ہوں۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک چاندی تلوار سے الگ کر کے اس کا وزن معلوم نہ کیا جائے اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتا کہ روپوں کے بدلے میں جو تلوار خریدی گئی ہے اس کی چاندی کی مقدار روپوں سے زیادہ ہے یا کم ہے۔ اس میں چونکہ سود کا شبہ پایا جاتا ہے' اس لئے حضرت عمرؓ نے فارس میں مصروف جہاد مسلمانوں کے نام درج بالا خط لکھا تھا۔

اس مکتوب فاروقی سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بھی سودی لین دین جائز نہیں ہے۔ فارس کی سرزمین پر بھی غیر مسلم آباد تھے جو سود کے

---

(۱) المصنف لابن ابی شیبه ص٥٤ ج٦

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



عادی تھے اور کسری کی سرزمین میں تلواروں کی ٹھیاں اکثر چاندی کی ہوتی تھیں جو مجاہدین کو مال غنیمت میں کافی تعداد میں ملی ہوں گی' اس لئے مذکورہ ہدایت نامہ ارسال کیا گیا کہ کہیں مسلمان فارس کے مجوسیوں کے ساتھ سودی معاملات میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

(۱۸) عن عمارة الهمدانی قال سمعت علی بن ابی طالب یقول قال رسول الله ﷺ کل قرض جرفهو ربا۔(۱)

"حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر وہ قرض جو نفع کھینچتا ہو تو اس کا یہ نفع سود ہے۔"

(۱۹ تا ۲۴) امام بیہقی نے کل قرض جر منفعة کے عنوان سے مستقل باب قائم کیا ہے جس کے تحت حضرت فضالہ بن عبیدؓ حضرت عمرؓ ابن مسعودؓ ابی بن کعبؓ عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہؓ بن سلام کے اقوال نقل کئے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ ہر قسم کے قرض پر نفع لینا سود ہے۔

سود کے خاتمے کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے تاریخی فیصلے کے ضمیمہ الف میں سوال نمبر ا کے جواب میں میں نے کل قرض جر نفعا فهو ربا کی حدیث کی اسنادی حیثیت پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ شواہد کثیرہ کی وجہ سے یہ حدیث صحیح ہے یا کم از کم حسن ہے اور قابل قبول ہے۔

---

(۱) المطالب العالیه از ابن حجر طبع بیروت ص۴۱۱ رقم الحدیث ۱۳۷۳ جامع صغیر از سیوطی ص۹۴ ج۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# قرآن و سنت کے عام حکم میں شرعی دلیل کے بغیر تخصیص جائز نہیں ہے

مذکورہ ۱۰ آیات قرآنیہ' ۱۵ احادیث نبویہ اور ۹ آثار صحابہ میں ہر قسم کے قرض پر سود کو حرام قرار دیا گیا ہے خواہ افراد کے درمیان ہو یا اداروں کے درمیان۔ حکومت اور عوام کے درمیان ہو یا دو حکومتوں کے درمیان' اسلامی حکومت اور غیر اسلامی حکومت کے درمیان ہو یا مسلمان اداروں اور غیر مسلم اداروں کے درمیان۔ آخر وہ کون سی دلیل ہے جس کی بنیاد پر غیر ملکی اداروں اور حکومتوں کے ساتھ سودی معاہدے کرنا اور سودی لین دین کو سود کی قطعی اور عمومی حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا جائے اور کہا جائے کہ متبادل کے آنے تک یہ سب کچھ حسب سابق جاری رہے گا؟ حالانکہ متبادل تو پہلے تیار موجود ہے جس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

دنیا کی تمام عدالتوں اور ماہرین قانون کا مسلمہ قاعدہ یہی ہے کہ جب قانون کے الفاظ عام ہوں اور کوئی استثنائی فقرہ سیاق و سباق میں موجود نہ ہو اور مجموعہ قوانین میں بھی موجود نہ ہو تو عدالتیں اس قانون کو عام ہی قرار دیتی ہیں اور جس پر بھی قانون منطبق ہوتا ہو اس پر نافذ کرتی ہیں۔

## عام کی فنی تعریف:

عموم کے معنے ہیں شمول اور لفظ عام کی فقہی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

هو اللفظ الذي يستغرق جميع ما يصلح له من الافراد.(۱)

(۱)اصول سرخسی ص ۱۲۵ ج ۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"عام وہ لفظ ہے جو ان تمام افراد و اقسام کو شامل ہو جو اس کے مفہوم میں شامل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

عربی زبان کے قواعد کے اعتبار سے لفظ عام کی تقریباً سات قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم ان الفاظ کی ہے جن کے حقیقی معنے میں عموم و شمول موجود ہو' مثلاً کل' جمیع' عامۃ' کافۃ اور قاطبۃ وغیرہ۔ اور دوسری قسم وہ لفظ مفرد ہے جس پر الف لام استغراقی داخل ہوا ہو۔ (۱)

عام کی اس تعریف کی روشنی میں حرمت ربا کی نصوص (متن قانون) پر غور کرنا چاہیے تاکہ قانون نافذ کرنے والے کی مراد متعین ہو سکے۔ مذکورہ آیات واحادیث میں لفظ الربا آیا ہے جو معرف باللام ہے۔ اور اس کے معنے یہ ہیں کہ ہر قسم کا ربا حرام ہے اور سود کھانے اور کھلانے والا ملعون ہے۔ خواہ مسلم فرد سے سود لیتا ہو یا اسے دیتا ہو' غیر مسلم ادارے اور غیر اسلامی حکومت کے ساتھ یہ سودی لین دین کرتا ہو یا کسی مسلم ادارے اور اسلامی حکومت کے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہو۔ اسی طرح کل قرض جر نفعا فھو ربا میں لفظ کل آیا ہے جس کے معنے موضوع لہ میں عموم و شمول موجود ہے' یعنی ہر قسم کے قرض پر مشروط نفع سود ہے خواہ ملکی قرضے ہوں یا غیر ملکی قرضے ہوں۔ غیر اسلامی حکومتوں سے لئے گئے ہوں یا قومی اور ملکی ضروریات اور ترقیاتی منصوبوں کے لئے حاصل کئے گئے ہوں۔ سب پر نفع دینا سود کھلانا ہے جو موجب لعنت ہے۔ اس سے صرف اضطرار کی صورت حال نصوص میں مستثنیٰ کی گئی ہے' لیکن شخصی یا قومی زندگی کا معیار بلند کرنا اور سہولتیں مہیا کرنا مطلوب تو ہے مگر اضطرار نہیں ہے۔ اضطرار ناقابل برداشت صورت حال کا نام ہے جس میں مر جانے کا خطرہ درپیش ہو۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے اور عقل و خرد کا تقاضا بھی یہی ہے کہ شخصی اور قومی زندگی کا معیار اپنے وسائل کی

(۱) اصول سرخسی ص ۱۵۱ ج ۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حدود کے اندر رہ کر کوشش کرنی چاہئے۔ سودی قرضوں کے ذریعے مصنوعی ترقی تو کوئی چیز نہیں ہے۔

جس طرح مسلمانوں پر چوری' رہزنی' رشوت' دھوکہ دہی اور خیانت حرام ہے تو ہر جگہ حرام ہے اور ہر مسلمان کے لئے حرام ہے خواہ وہ حکمران ہو' کسی ادارے کا سربراہ ہو یا عام فرد ہو۔ جس طرح افراد کے لئے یہ چیزیں حرام ہیں اسی طرح اسلامی حکومت کے لئے بھی حرام ہیں۔ جس طرح افراد کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ غیر مسلموں اور غیر ملکیوں سے چوری' رہزنی' رشوت اور خیانت کے ذریعے دولت کمائیں' اسی طرح اسلامی حکومت کو جو مسلمانوں کی نمائندگی اور وکالت کرنے والا ادارہ ہوتا ہے یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ غیر اسلامی حکومتوں کے ساتھ چوری' رہزنی' رشوت اور خیانت کے معاہدے کرے' تو رہا کے معاہدوں کی اجازت آخر کس اصول و دلیل کی بنیاد پر دی جاسکتی ہے؟ اس لئے کہ ربا کی حرمت بھی قطعی' ابدی اور عام ہے۔ یہ بات تو کسی طرح سمجھ میں آنے والی نہیں ہے کہ مسلمان عوام کے لئے تو سود حرام ہو' مگر مسلمانوں کی نمائندگی اور وکالت کرنے والی اسلامی حکومت کے لئے غیر اسلامی حکومتوں کے ساتھ سودی کاروبار جائز ہو!!

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# اسلامی حکومت قومی اور بین الاقوامی اداروں میں اسلامی احکام کی نمائندگی کرے

اسلامی حکومت کوئی سیکولر حکومت نہیں ہوتی کہ عوام کو تو اسلام پر عمل کرنے کی اجازت دیتی ہو، مگر ریاستی' سیاسی اور اقتصادی امور میں دین و مذہب کو دخل دینے کی اجازت نہ دیتی ہو۔ اسلامی حکومت کا فرض منصبی اقامت دین ہے اور دنیا بھر میں دین کی دعوت و تبلیغ کرنا اور اسلامی فکر کی نمائندگی کرنا اس کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ ایک نظریاتی ریاست اپنے تمام وسائل اور تدابیر و اقدامات ریاست کے نظریئے کے فروغ کے لئے کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ جب یہ نظریاتی سیاست خود اپنے قومی نظریئے کے خلاف معاہدے کرتی ہو اور بین الاقوامی طور پر اپنے نظریئے کے بجائے دوسروں کے نظریات و افکار کی پابندی کرتی ہو تو اس کے معنے تو یہی ہوں گے کہ یہ حکومت اپنے نظریئے کو دوسروں کے سامنے مشکوک بناتی ہے' حالانکہ اس کا فرض تو یہ تھا کہ وہ اپنے نظریئے کی سچائی ثابت کرتی اور اس کی نمائندگی کرتی۔ کسی مسلمان فرد کی غلطی کو تو نظر انداز کیا جاسکتا ہے مگر کروڑوں مسلمانوں کی وکالت و نمائندگی کرنے والی حکومت اسلام کا نمونہ پیش کرنے کی بجائے جب کفر کا نمونہ پیش کرے۔ غیر اسلامی معاہدے کرے۔ سودی کاروبار میں ملوث ہو اور بین الاقوامی ساہوکاروں کی شریک کار ہو تو پھر یہ اسلامی احکام اور اسلامی فکر کی نمائندگی کا فرض کس طرح انجام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دے سکے گی اور دنیا میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام کس طرح کرے گی؟ کیا یہ دنیا کو یہ سبق پڑھائے گی کہ اسلامی نظام میں ملک کے اندر تو سود حرام ہے مگر بین الاقوامی طور پر سودی کاروبار حلال ہے؟ ایسی صورت میں دنیا اسلام سے متاثر ہونے کے بجائے مزید متنفر ہوگی۔ آخر اس بات کو لوگ کس طرح تسلیم کرسکتے ہیں کہ ملک کے اندر تو ظلم حرام ہے مگر بین الاقوامی طور پر ظلم حلال ہے؟

## غیر مسلموں کے ساتھ غیر شرعی کاروبار:

سورۃ النساء کی آیت ۱۶۱ میں ارشاد ربانی ہے کہ یہودی بھی سود سے منع کر دیئے گئے تھے۔

و اخذهم الربا و قد نهوا عنه و اكلهم اموال الناس بالباطل و اعتدنا للكافرين منهم عذابا اليما.

"یہ سزا اس وجہ سے بھی دی گئی تھی کہ یہ لوگ (یہود) سود لیتے تھے حالانکہ انہیں تو اس سے منع کر دیا گیا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ یہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

یہودی تو آج عالمی ساہوکاری کے اجارہ دار بنے ہوئے ہیں، لیکن ان کی مقدس کتاب بائبل (عہد نامہ قدیم) میں آج بھی سود کی حرمت کا حکم موجود ہے۔ دو اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو کچھ قرض دے تو اس سے بیاجیوں کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ ان سے سود لینا۔"(۱)

"تو اس سے سود اور نفع مت لے، اپنے خدا سے ڈر، تاکہ تیرا بھائی تیرے ساتھ

---

(۱) خروج باب ۲۲۔ ۲۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



زندگانی بسر کرے۔ تو اسے سود پر روپیہ قرض مت دے' نہ اسے نفع کے لئے کھانا کھلا۔"

(احبار باب ۲۵ صفحہ ۳۶۔۳۷)

بائبل (عہد نامہ قدیم) کے اس واضح حکم کے باوجود ان کا طرز عمل قرآن کریم نے اس طرح نقل کیا ہے:

و منهم من ان تامنه بدينار لا يؤده اليك الا ما دمت عليه قائما ذالك بانهم قالوا ليس علينا فى الاميين سبيل و يقولون على الله الكذب و هم يعلمون۔(۱)

"اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس ایک اشرفی بھی امانت رکھے تو یہ اسے واپس نہیں دیں گے' مگر جب تک کہ تو ان کے سروں پر ہمیشہ کے لئے کھڑا رہے۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر ان پڑھ لوگوں کے اموال کے بارے میں کوئی حجت نہیں ہے۔ یہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں' حالانکہ ان کو علم ہے کہ یہ بات جھوٹ ہے۔"

قاضی بیضاوی اور دوسرے مفسرین نے لکھا ہے کہ امیین سے ان کی مراد عرب اور دوسرے وہ تمام لوگ تھے جو ان کے مذہب کو نہیں مانتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ یہودی پر غیر یہودی کا مال مباح ہے اور اس کے مباح نہ ہونے کی کوئی حجت ہمارے خلاف موجود نہیں ہے۔ ہم ان کا مال جس طریقے سے بھی حاصل کر لیں وہ ہمارے لئے حلال ہوگا۔ اگر مسلمان بھی یہی طریقہ اختیار کر لیں کہ آپس میں تو سودی کاروبار نہ کریں مگر غیر مسلموں اور غیر مسلم حکومتوں اور اداروں کے ساتھ سودی اور دوسرے غیر اسلامی معاہدے کرتے رہیں اور اس طرز عمل کو جائز قرار دیں تو یہ یہودی سنت کی

(۱)آل عمران ۳ آیت ۷۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پیروی نہیں ہو گی تو اور کیا ہو گی؟ اعاذنا اللہ منھا

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سود کی حرمت ان احکام میں شامل ہے جو تمام انبیاء کی شریعتوں میں بالخصوص تورات کی شریعت میں بھی موجود تھے۔

عن صفوان بن عسال قال قال یهودی لصاحبه اذهب بنا الی هذا النبی فقال له صاحبه لا تقل نبی انه لو سمعك كان له اربع اعین فاتیا رسول الله ﷺ فسألاه عن تسع آیات بینات فقال لهما رسول الله ﷺ لا تشركوا بالله شیئا ولا تسرقوا و لا تزنوا ولا تقتلوا النفس التی حرم الله الا بالحق ولا تمشوا ببریء الی ذی سلطان لیقتله ولا تسحروا ولا تأكلوا الربا ولا تقذفوا محصنة ولا تولو الفرار یوم الزحف وعلیكم خاصة الیهود ان لا تعدوا فی السبت قال فقبلا یدیه و رجلیه و قالا نشهد انك نبی قال فما یمنعكم ان تتبعونی قالا ان داؤد دعاربه ان لا یزال من ذریته نبی و انا نخاف ان اتبعناك ان تقتلنا الیهود۔(۱)

"صفوان بن عسالؓ کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا میرے ساتھ اس نبی کے پاس جاؤ اس کے ساتھی نے کہا نبی نہ کہو اگر اس نے سن لیا تو اس کی باچھیں کھل جائیں گی (خوش ہو جائے گا) جب یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو نو کھلی نشانیوں کے بارے میں پوچھا (جو حضرت موسیٰ کو دی گئی تھیں) رسول اللہ ﷺ نے (نشانیاں یعنی موسیٰ کے نو معجزات کا ذکر کرنے کے بعد جن کا راوی نے اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وہ مشہور ہیں اور قرآن کریم میں مذکور ہیں) فرمایا اللہ کے ساتھ

---

(۱)سنن ترمذی کتاب الادب والاستیذان باب قبلة الیدوالرجل و فی التفسیر باب عن سورة بنی اسرائیل۔ سنن نسائی کتاب تحریم الدم باب السحر و مسند احمد ص۲۳۹،۲۴۰ ج٤ مسند صفوان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ' چوری نہ کرو' زنانہ کرو' کسی نفس کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ نے حرام کر دیا ہو مگر حق کے ساتھ' کسی پاک اور بے گناہ شخص کو (جھوٹی تہمت لگا کر) حکمران کے پاس لے کر نہ جاؤ تا کہ وہ اسے (ناحق) قتل کر دے' جادو نہ کرو' سود نہ کھاؤ' کسی پاکدامن عورت پر جھوٹی تہمت نہ لگاؤ' بھاگنے کی نیت سے دشمن کے لشکر کا سامنا کرتے وقت منہ نہ پھیرو (بھاگو مت) اور اے یہودیو تم پر خاص طور پر (دسواں) حکم یہ تھا کہ ہفتے کے دن کے بارے میں حکم سے تجاوز نہ کرو۔ صفوان کہتے ہیں کہ اس پر ان دونوں یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں اور پاؤں کا بوسہ لیا اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو اللہ کا نبی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر تم میری پیروی کیوں نہیں کرتے (جاننے کے باوجود مانتے کیوں نہیں ہو؟) انہوں نے کہا کہ داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ آئندہ کے لئے نبی میری نسل میں بھیجا جائے' اس لئے ہم ڈرتے ہیں کہ اگر آپ کی پیروی کریں تو یہود ہمیں مار ڈالیں گے۔"

حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا کے بارے میں یہودیوں کی یہ بات جھوٹی تھی' لیکن ان میں مشہور تھی' اس لئے یہ ڈر گئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذکورہ ۹ چیزیں جن میں سود بھی شامل ہے تمام انبیاء کی شریعتوں میں حرام تھیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# مسلمان اور حربی کافر کے درمیان دار الحرب میں سودی کاروبار کا مسئلہ

نفاذ شریعت ایکٹ کی دفعہ ۱۸ میں جن سودی معاہدوں اور سود کی ادائیگیوں کو جاری رکھنے کا ذکر ہوا ہے اور جن کو اس ایکٹ کی دفعات سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ وہ تو غیر اسلامی حکومتوں اور اداروں کے ساتھ سودی کاروبار ہے جو پاکستان کی حکومت یا ادارے ملک میں بیٹھے ہوئے کرتے ہیں' یعنی حکومت اور ادارے اپنے ملک میں سکونت پذیر ہوتے ہوئے یہ معاہدے کرتے ہیں۔ اس صورت حال میں تو تمام فقہاء اسلام بمعہ حنفیہ کے سودی کاروبار کو حرام کہتے ہیں۔ کسی امام' فقیہ' محدث اور عالم دین کا کوئی شاذ قول بھی مجھے باوجود تلاش کرنے کے نہیں مل سکا جس میں یہ کہا گیا ہو کہ اسلامی حکومت کسی غیر اسلامی حکومت کے ساتھ سودی معاہدے یا دوسرے غیر شرعی عقود کر سکتی ہے یا اسلامی ریاست میں کام کرنے والا کوئی سرکاری' نیم سرکاری یا نجی ادارہ غیر اسلامی ریاست میں کام کرنے والے اداروں کے ساتھ عقود فاسدہ یا سودی معاہدے کر سکتا ہے۔ موجودہ صورت حال یہ نہیں ہے کہ غیر اسلامی حکومتوں کی حدود میں مستقل طور پر یا وقتی طور پر رہائش رکھنے والے مسلمان غیر مسلموں سے سودی لین دین کرتے ہیں اور اس کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں شرعی فیصلہ درکار ہے۔ یہ صورت حال اس وقت عدالت کے زیر غور نہیں ہے اور نہ کسی نے عدالت سے اس صورت حال کے بارے میں فیصلہ دینے کی درخواست کی ہے' بلکہ صحیح اور حقیقی صورت حال یہ ہے کہ غیر مسلم حکومتوں اور اداروں سے قرضے پاکستان میں معاہدے کی بنیاد پر لئے جاتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہیں اور ان پر سود پاکستان کی حکومت یا ادارے ادا کرتے ہیں۔ معاہدے جہاں بھی ہوئے ہوں ادائیگیاں پاکستان سے کی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ آیات واحادیث کے قطعی عموم وشمول کی روشنی میں یہ لین دین حرام ہے اور سودی کاروبار ہے جس کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور دار الحرب کی حدود کے اندر حربی کافر سے سود لینے یا دینے کے مسئلے کا اس صورت حال سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے' لیکن چونکہ آج کل مٹھی بھر متجددین اور نام نہاد متنورین سود کو جائز ہی نہیں' بلکہ مفید ترین قرار دینے کے لئے یورپین طرز کے اجتہاد کا شوق رکھتے ہیں اور خدا کی دی ہوئی عقل کو خدا کے احکام کو بدلنے کے لئے استعمال کرتے ہیں' اس لئے ہو سکتا ہے کہ ان کی عقل دار الحرب میں سود کے مسئلے سے سہارا لینے کی کوشش کرے جس کے جواز یا عدم جواز میں تھوڑا سا اختلاف اور ابہام واشتباہ موجود ہے۔ اس سہارے کو توڑنے کے لئے موضوع سے غیر متعلق ہونے کے باوجود نفس مسئلہ کی حیثیت سے تنقیح وتشریح مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کے سود کے خاتمہ سے متعلق انقلابی فیصلے کے ضمیمہ الف میں سوال نمبر ۷ کے جواب میں میں نے اس مسئلے کی بقدر ضرورت تشریح کر دی ہے۔ اس وقت اس جواب کی تلخیص اور کچھ نئے نکات پیش خدمت ہیں:

## دار الحرب میں سودی کاروبار کے بارے میں فقہاء اسلام کی آراء:

صحیح ترتیب یہ نظر آتی ہے کہ پہلے اس مسئلے میں چاروں فقہی مکاتب فکر کی آراء نقل کی جائیں۔ اس کے بعد دلائل بیان کئے جائیں اور پھر دلائل کا حقیقی جائزہ لے کر مسلک راجح کا تعین کیا جائے۔ میں نے اپنے ذوق تحقیق کے مطابق ہر فقہی مسلک اس کی معتمد کتابوں سے براہ راست نقل کیا ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



(۱) امام مالک بن انس (المتوفی ۱۷۹ھ):

قلت هل سمعت مالكا يقول بين المسلم اذا دخل بلاد الحرب و بين الحربي ربا قال لم اسمع من مالك فيه شيئا ولا اری للمسلم ان يعمد لذالك.(۱)

"سحنون بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمان بن قاسم سے پوچھا کہ آپ نے امام مالک سے اس بارے میں کچھ سنا تھا کہ کوئی مسلمان جب دارالحرب میں داخل ہو کر کسی حربی کے ساتھ سود کا معاملہ کرے تو حکم کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ امام مالک سے تو میں نے اس بارے میں کچھ بھی نہیں سنا مگر میں کسی مسلمان کے لئے اس کا ارادہ کرنا بھی جائز نہیں سمجھتا۔"

(۲) امام ابو حنیفہ کے شاگرد اور جانشین قاضی ابو یوسف (المتوفی ۱۸۲ھ):

و عند ابی یوسف والشافعی لا یجوز.(۲)

"قاضی ابو یوسف اور شافعی کے نزدیک دارالحرب میں بھی سود جائز نہیں ہے۔"

(۳) امام محمد بن ادریس الشافعی (۲۰۴ھ):

قال ابوحنيفة لو ان مسلما دخل ارض الحرب بامان فباعهم الدرهم بالدرهمين لم يكن بذالك بأس لان احكام المسلمين لا يجرى عليهم فبأى وجه اخذ اموالهم برضامنهم فهو جائز قال الاوزاعى الربا عليهم حرام فى ارض الحرب و غيرها. و قال ابويوسف القول ما قال الاوزاعى لا يحل هذا و لا يجوز. قال الشافعى القول ما قال الاوزاعى و ابويوسف.(۳)

---

(۱) المدونة الكبرى كتاب التجارة بارض العدد ص ۲۷۱ ج ٤

(۲) المبسوط للسرخسى طبع بيروت ۱۹۸۷ء ص ۵٦ ج ۱٤ وبدايه مع فتح القديرص ۳۸، ۳۹ ج ۷

(۳) كتاب الام للامام الشافعى طبع بيروت ۱۹۷۳ء ص ۳۵۸، ۳۵۹ ج ۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



”ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی مسلمان دارالحرب (غیر اسلامی حکومت کی سرزمین میں امن لے کر داخل ہو جائے اور کفار پر دار الحرب میں ایک درہم دو درہموں کے بدلے میں فروخت کرے تو اس میں کچھ باک نہیں ہے' اس لئے کہ حربی کافروں پر مسلمانوں کے احکام جاری نہیں ہوتے' تو ان کے مال ان کی رضا سے جس طرح اور جس طریقے پر بھی کوئی مسلمان لے لے تو جائز ہے' مگر امام اوزاعیؒ (شام کے فقیہ اور محدث اور امام ابو حنیفہ کے ہم عصر تھے) نے کہا ہے کہ سود مسلمانوں پر دارالحرب اور غیر دارالحرب دونوں میں حرام ہے۔ ابو یوسف نے کہا ہے کہ صحیح قول اوزاعی کا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں صحیح قول وہی ہے جو اوزاعی اور ابو یوسف کا ہے۔“

(۴) امام احمد بن حنبل الشیبانی (۲۴۱ھ):

و یحرم الربا فی دارالحرب کتحریمه فی دار الاسلام و به قال مالك وا لاوزاعی و ابویوسف والشافعی و اسحاق۔(۱)

”سود دار الحرب میں اسی طرح حرام ہے جس طرح کہ دار الاسلام میں حرام ہے۔ امام مالکؒ' امام اوزاعیؒ' امام ابو یوسفؒ' امام شافعیؒ اور امام اسحاق بن راہویہؒ (شیخ البخاری) کا قول بھی یہی ہے۔“

ان ائمہ کی تائید میں متعدد تابعین اور فقہاء و محدثین کے اور بھی اقوال پیش کئے جا سکتے ہیں' لیکن یہ چار ائمہ' یعنی امام مالکؒ' امام ابو یوسفؒ' امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس رائے کی نمائندگی کے لئے کافی ہیں۔ ان سب کی دلیل حرمت ربا کے بارے میں وہ آیات و احادیث صحیحہ ہیں جن میں عمومی اور واضح الفاظ میں ربا کو ممنوع قرار دیا گیا ہے خواہ دارالحرب میں حربی کافر سے لیا جائے یا اسے دیا جائے یا دارالاسلام میں مسلمانوں اور ذمی کافروں کے ساتھ سودی لین دین کا معاملہ کیا جائے۔ قرآن و سنت میں

---

(۱) المغنی لابن قدامه حنبلی طبع ۱۹۶۹ء، ص۳۲ ج ٤

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دارالحرب اور حربی کافر کا استثناء موجود نہیں ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حربی کفار کے اموال میدان جنگ میں تو مسلمانوں کے لئے حلال ہیں جن میں سے خمس سرکاری خزانے میں داخل ہوگا اور باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جائیں گے' لیکن امن کی حالت میں سودی معاہدوں یا دوسرے عقود فاسدہ کے ذریعے کفار کا مال حلال اور مباح نہیں ہو سکتا۔ غیر شرعی طریقے سے حاصل کردہ مال حرام ہوتا ہے خواہ مسلمان اور ذمی سے لیا گیا ہو یا حربی کافر سے لیا گیا ہو۔

(۵۔۶) امام اعظم ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) اور امام محمدؒ (۱۸۹ھ):

قال (ای محمد) ذکر عن مکحول عن رسول الله ﷺ قال لا ربا بین المسلمین و بین اهل دارالحرب فی دار الحرب و هذا الحدیث و ان کان مرسلا فمکحول فقیه ثقة والمرسل من مثله مقبول و هو دلیل لابی حنیفه و محمد فی جواز بیع المسلم الدرهم بالدرهمین من الحربی فی دارالحرب۔(۱)

"امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ مکحولؒ سے نقل ہوا ہے کہ مسلمانوں اور حربی کافروں کے درمیان دارالحرب میں سود حرام نہیں ہے۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے مگر مکحولؒ ایک ثقہ فقیہ تھے اور ایسے شخص کی مرسل حدیث بھی مقبول ہوتی ہے۔ یہ حدیث ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے اس قول کی دلیل ہے کہ دارالحرب میں مسلمان اگر ایک درہم دو درہموں کے بدلے میں حربی کافر پر فروخت کرے تو یہ بیع جائز ہے۔"

واذا دخل المسلم دارالحرب بامان فلا بأس بان یأخذ منهم اموالهم بطیب انفسهم بأی وجه کان۔(۲)

"مسلمان امان لے کر جب دارالحرب میں جائے تو حربی کافروں کا مال ان کی

(۱) المبسوط للسرخسی ص۵٦ ج۱٤ باب الصرف فی دارالحرب

(۲) شرح السیر الکبیر ص۱٤۱۰ ج٤

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



رضامندی سے جس طریقے پر بھی حاصل کر لے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔"

## دار الحرب میں جوازِ ربا کے مبینہ دلائل

### پہلی دلیل:

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے مسلک کا خلاصہ یہ ہے کہ دار الاسلام (اسلامی حکومت) سے امان لے کر جو مسلمان دار الحرب میں جاکر سکونت اختیار کر لے یا پہلے سے وہاں پر رہتا ہو وہ دار الحرب (غیر اسلامی حکومت) میں حربی کافر سے سود لے سکتا ہے۔ اس مسلک کے جو دلائل امام محمدؒ نے السیر الکبیر میں اور امام سرخسیؒ نے مبسوط میں بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

ذكر عن مكحول عن رسول الله ﷺ قال لا ربا بين المسلمين و بين اهل دارحرب فى دارالحرب و هذا لحديث و ان كان مرسلا فمكحول فقيه ثقة والمرسل من مثله مقبول و هو دليل لابى حنيفة و محمد۔(۱)

"مکحولؒ سے نقل ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے مسلمانوں اور دار الحرب میں رہنے والوں کے درمیان دار الحرب میں ربا نہیں ہے۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے مگر مکحولؒ فقیہ ہے اور ثقہ ہے اور ایسے راوی کی مرسل حدیث مقبول ہوتی ہے۔ یہ حدیث امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کی دلیل ہے۔"

امام سرخسیؒ نے یہ روایت لفظ ذکر کے ساتھ بغیر اسناد کے نقل کی ہے۔ یہ بات

---

(۱) المبسوط ص٥٦ ج١٤ از سرخسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



صحیح ہے کہ مکحولؒ الشامی الدمشقی (۱۱۶ھ) ثقہ تابعی تھے اور فقیہ بھی تھے۔(۱) مگر ثقہ تابعی کی حدیث مرسل کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔ اتفاقی رائے نہیں ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک ثقہ تابعی کی مرسل مقبول ہوتی ہے لیکن یہ اس صورت میں مقبول ہوتی ہے جب سند میں دوسری کوئی علت موجود نہ ہو۔ جب تک اس کی پوری سند سامنے نہ ہو تو اس کے قبول یا رد کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی سند امام شافعیؒ نے اس طرح نقل کی ہے:

قال ابویوسف انما احل ابوحنیفة لان بعض المشیخة حدثنا عن مکحول عن رسول الله ﷺ انه قال لا ربا بین اهل الحرب و اهل الاسلام. قال الشافعی و هذا لیس بثابت فلا حجة فیه.(۲)

"امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ ابو حنیفہؒ نے دار الحرب میں سود کو اس لئے حلال قرار دیا ہے کہ بعض اساتذہ نے ہمیں یہ حدیث بتائی ہے کہ مکحولؒ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ اہل حرب اور اہل اسلام کے درمیان ربا نہیں ہے، مگر امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔"

علامہ جمال الدین زیلعیؒ حنفی (متوفی ۷۶۲ھ) نے بھی امام بیہقیؒ کی کتاب "المعرفۃ فی السنن والآثار" کے حوالے سے امام شافعیؒ کا درج بالا قول نقل کیا ہے کہ حدیث ثابت نہیں ہے اور حجت نہیں بن سکتی اور اس قول کی تردید نہیں کی۔(۳)

"کتاب الام للشافعی اور المعرفۃ فی السنن والآثار" للبیہقیؒ کے مذکورہ حوالوں

---

(۱) تاریخ الثقات للعجلی متوفی ۲۶۱ھ طبع ۱۹۸۴ء، ص۴۳۹ کتاب الثقات لابن حبان متوفی ۳۵۴ھ ص۴۴۶ ج۵۔ التهذیب لابن حجر ص۲۸۹ تا ۲۹۲ ج۱۰

(۲) کتاب الام للامام الشافعی طبع بیروت ۱۹۷۳ء، ص۳۵۸، ۳۵۹ ج۷

(۳) نصب الرایه للزیلعی طبع ۱۹۳۸ء، ص۴۴ ج۴ و مثله فی الدرایه لابن حجرؒ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سے اس حدیث کی سند یہ معلوم ہوئی کہ امام شافعیؒ امام ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ بعض مجہول الاسم اور مجہول الحال اساتذہ سے نقل کرتے ہیں اور یہ نامعلوم استاد امام مکحولؒ سے نقل کرتے ہیں اور مکحول رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب ابو یوسفؒ کو یہ حدیث معلوم تھی اور وہ خود اس کے راوی تھے تو پھر انہوں نے دارالحرب میں جواز ربا کا فتویٰ کیوں نہیں دیا اور حدیث کے خلاف رائے کیوں قائم کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے بعض المشیخۃ کا لفظ استعمال کر کے خود اس کے ضعف کی طرف اشارہ فرمادیا ہے۔ اس لئے کہ مکحولؒ تو یقیناً ثقہ تابعی تھے، مگر اس سے نقل کرنے والا راوی مجہول ہے اور مجہول راوی کی روایت حجت نہیں ہوتی۔ اگر یہ حدیث مرسل نہ ہوتی بلکہ متصل ہوتی پھر بھی حجت نہ بن سکتی اس لئے کہ اس کی سند کے ایک راوی مجہول ہیں۔ امام نوویؒ نے "التقریب" میں اور سیوطی نے تقریب کی شرح "تدریب" میں لکھا ہے کہ اگر کوئی حدیث حدثنی ثقة "میرے سامنے ایک ثقہ راوی نے بیان کیا تھا۔" کے الفاظ کے ساتھ نقل ہوئی ہو تو صحیح تحقیق یہی ہے کہ وہ بھی حجت نہیں بن سکتی اور یہاں تو ثقہ کا لفظ بھی نہیں آیا، بلکہ حدثنا بعض المشیخۃ کا لفظ آیا ہے۔ اگر یہ مجہول الاسم شیخ ابو یوسف کے نزدیک ثقہ ہوتے تو اس کا نام لیتے اور حدیث پر عمل بھی کرتے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ دونوں اس حدیث کو حجت تسلیم نہیں کرتے۔ اگر زیلعیؒ حنفی اس سے متفق نہ ہوتے تو اس کا جواب دیتے۔

ابن قدامہؒ حنبلی (متوفی ۶۲۰ھ) دارالحرب میں بھی حرمت ربا کے اثبات میں لکھتے ہیں:

ولنا قول الله تعالى و حرم الربا و قوله الذين يأكلون الربا لا يقومون الا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس و قال تعالى يا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ایھاالذین امنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربا و عموم الاخبار یقتضی تحریم التفاضل و قولہ من زاد او ازداد فقد اربی عام و کذالک سائر الاحادیث ولان ما کان محرما فی دارالاسلام کان محرما فی دارالحرب کالربا بین المسلمین و خبرھم مرسل لا یعرف صحتہ و لا یجوز ترک ما ورد بتحریمہ القرآن و تظاھرت بہ السنۃ وانعقد الاجماع بتحریمہ بخبر مجھول لم یرد فی صحیح ولا مسند ولا کتاب موثوق بہ۔(۱)

"ہماری دلیل اللہ کا یہ ارشاد ہے کہ اس نے سود حرام کیا ہے اور یہ قول کہ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جس طرح کہ وہ شخص اٹھتا ہے جسے خبطی بنا دیا ہو شیطان نے جنون کی وجہ سے۔ اور یہ قول کہ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو بقایا ہو سود میں سے' اور ہماری دلیل ان احادیث رسولؐ کا عموم بھی ہے جو سود کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً یہ قول رسولؐ کہ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا' تو اس نے سود لیا اور دیا' اسی مضمون کی دوسری احادیث بھی ہماری دلیل ہیں۔ اور جائز کہنے والوں نے جو حدیث پیش کی ہے وہ ایک مرسل حدیث ہے جس کی صحت ہمیں معلوم نہیں ہے۔ سود کی حرمت پر دلالت کرنے والی آیات اور احادیث کثیرہ کو اور حرمت ربا پر منعقد ہونے والے اجماع کو ایسی مجہول حدیث کی بنا پر ترک کرنا جائز نہیں ہے جو کسی صحیح اور متصل سند کے ساتھ نقل بھی نہیں ہوئی اور کسی معتمد کتاب میں اس کا ذکر بھی نہیں ہوا۔"

ابن قدامہؒ مشہور محدث اور فقیہ ہیں۔ اس حدیث پر ان کے نقد کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل بھی ہے' مجہول بھی ہے اور کسی صحیح سند اور معتمد کتاب میں نقل

(۱) المغنی شرح الخرقی ص ۳۳-۳۲ ج ۴ مسئلہ نمبر ۲۸۴۰ طبع مکتبہ القاہرہ ۱۹۶۹ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بھی نہیں ہوئی' لہذا اس کی بنا پر آیات قرآنیہ' احادیث کثیرہ اور اجماع امت سے ثابت شدہ حرمت ربا میں تخصیص نہیں کی جا سکتی اور نہ نصوص کے عموم کو ترک کیا جا سکتا ہے۔"

دوسرے مشہور محدث اور فقیہ امام نوویؒ (متوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

ولا فرق في تحريمه بين دارالاسلام ودار الحرب فما كان حراما في دارالاسلام كان حراما في دارالحرب سواء جرى بين مسلمين او مسلم و حربي سواء دخل المسلم بامان ام بغيره هذا مذهبنا و به قال مالك و احمد و ابويوسف والجمهور و قال ابوحنيفه لا يحرم الربا في دارالحرب بما روى عن مكحول عن النبي ﷺ قال لا ربا بين مسلم و حربي في دارالحرب والجواب انه مرسل ضعيف.(۱)

"سود کے حرام ہونے میں دارالاسلام اور دارالحرب کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ جو چیز دارالاسلام میں حرام ہو وہ دارالحرب میں بھی حرام ہوتی ہے۔ خواہ مسلمانوں کے درمیان ہو یا مسلمان اور حربی کے درمیان ہو۔ خواہ مسلمان دارالحرب میں امان لے کر داخل ہوا ہو یا بغیر امان کے داخل ہوا ہو۔ یہ ہمارا مسلک ہے (شافعیہ کا) اور امام مالکؒ' امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ اور جمہور کا قول بھی یہی ہے' مگر ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں سود حرام نہیں ہے اور ان دو مسلمانوں کے درمیان بھی حرام نہیں ہے جنہوں نے ہجرت نہ کی ہو۔ انہوں نے اس روایت کو حجت بنایا ہے کہ مکحولؒ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں' مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں سود حرام نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل

(۱) المجموع شرح المهذب للامام النوويؒ بتحقيق محمد نجيب المطيعي طبع جده ص۴۸۸' ۴۸۹ ج۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بھی ہے اور ضعیف بھی ہے۔"

مشہور حنفی فقیہ ابن الہمامؒ نے جواز کے مسلک کی کھل کر تو تردید نہیں کی' مگر اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

و هذا لا يفيد لمعارضة اطلاق النصوص الا بعد ثبوت حجية حديث مكحول و قد يقال لو سلم حجيته فالزيادة بخبر الواحد لا تجوز و اثبات قيد على المطلق من نحو لاتأكلوا الربا و نحوه الزيادة.(۱)

"دارالحرب میں جواز ربا کی یہ وجہ مفید ثابت نہیں ہو سکتی' اس لئے کہ حرمت ربا کی مطلق اور عام نصوص سے یہ دلیل ٹکراتی ہے اور یہ حدیث یعنی لاربا بین المسلم والحربی' نصوص مطلقہ کے مقابلے میں اسی وقت پیش کی جا سکتی ہے جب کہ یہ صحیح اور قوی ہو' بلکہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ حدیث قابل قبول ہے پھر بھی چونکہ یہ خبر واحد ہے جس کے ذریعے مطلق پر زائد قید لگانا جائز نہیں ہے اور لا تاکلوا الربا اور اس مفہوم کی دوسری آیات مطلق ہیں جن پر کوئی قید لگانا جائز نہیں۔" (مثلاً یہ قید کہ صرف دارالاسلام میں سود نہ کھاؤ۔)

ابن الہمامؒ حنفی کی اس عبارت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس حدیث کی صحت مشکوک ہے' اور اگر صحیح بھی ہو پھر بھی یہ خبر واحد ہے اور اس کی بنا پر سود کی حرمت کو دارالاسلام کی قید کے ساتھ مقید کرنا خود حنفی اصول کی رو سے جائز نہیں ہے۔

مذکورہ اسنادی بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث حرمت ربا کے بارے میں قطعی اور عام و مطلق نصوص کے مقابلے میں سرے سے قابل استدلال ہی نہیں ہے۔

---

(۱) فتح القدير شرح الهدايه ص۳۹ ج۷ باب الربا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



چونکہ شافعیؒ' مالکؒ' احمدؒ اور جمہور کی رائے سے امام ابو یوسفؒ بھی اتفاق کرتے ہیں جو حنفی امام تھے' بلکہ امام ابو حنیفہؒ کے جانشین تھے' اس لئے ان کی رائے پر فتوی اور فیصلہ دینا حنفی مسلک سے خروج بھی نہیں ہے۔ علامہ شامیؒ نے "حاوی للقدسی" کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کے درمیان جب اختلاف رائے ہو تو اہل نظر کے لئے جائز ہے کہ اسی رائے کو اختیار کریں جس کی دلیل مضبوط ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ۷ امسائل میں امام زفرؒ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔(۱)

لیکن بالفرض اگر یہ حدیث قابل استدلال تسلیم کر بھی لی جائے پھر بھی اس کے الفاظ دارالحرب میں جواز ربا پر صراحتاً دلالت نہیں کرتے' بلکہ ان میں تاویل کی گنجائش موجود ہے اور نصوص مطلقہ کے ساتھ تعارض و تناقض کو رفع کرنے کے لئے احتمالی تاویلات کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ ان تاویلات میں سے ایک تاویل کا ذکر ابن قدامہؒ حنبلی اور امام نوویؒ نے بھی کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ لاربا میں حرف لا نفی حرمت کے لئے نہیں ہے بلکہ نفی جواز کے لئے ہے۔ یعنی سود حربی اور مسلمان کے درمیان بھی جائز نہیں ہے جس طرح کہ مسلمان اور مسلمان کے درمیان جائز نہیں ہے اور دارالحرب میں بھی جائز نہیں ہے جس طرح کہ دارالاسلام میں جائز نہیں ہے۔ اور اس نہی کا مقصد اس وہم اور شبہے کا ازالہ ہے کہ شاید حربی کے ساتھ دارالحرب میں سودی کاروبار جائز ہوگا' اس لئے کہ ان کے ساتھ جنگ کرنا اور ان کے اموال پر میدان جنگ میں قبضہ کرنا اور پھر مجاہدین میں حسب قاعدہ تقسیم کرنا جائز ہے تو اس وہم وشبہے کے ازالے کے لئے فرمایا کہ لا ربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب۔ یعنی سودی معاہدے کو مال غنیمت یا مال فیئی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ مال عقد ربا کے ذریعے حاصل کیا گیا ہے۔ اور عقد ربا دارالحرب میں بھی جائز نہیں ہے۔

---

(۱) درمختار مع رد المحتار ص ٦٦٦٥ ج ۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس کے برعکس مال غنیمت اور مال فیئی جنگ یا صلح کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے جو جائز ہے۔ لا ربا کی اس تاویل کی مثال یہ آیت ہے کہ فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج اس آیت میں فلا رفث میں حرف نفی نہی اور منع کے معنوں میں آیا ہے۔(۱)

مگر امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ حدیث کی اس تاویل کے قائل نہیں ہیں' اس لئے کہ السیر الکبیر اور مبسوط سرخسی میں تصریح ہے کہ دار الحرب میں ربا حلال اور طیب ہے۔

اس حدیث کی دوسری تاویل یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ دار الحرب میں سود کے جواز کا مطلب عند اللہ جائز اور حلال ہونا نہیں ہے' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دار الاسلام کے قاضی کے اختیارات چونکہ دار الحرب میں نافذ نہیں ہیں' اس لئے اگر کسی مسلمان نے دار الحرب میں جاکر کسی حربی کے ساتھ سودی معاملہ یا کوئی دوسرا غیر شرعی معاملہ کیا ہو تو قاضی اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گا' اگرچہ عند اللہ وہ گنہگار ہوگا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے شیخ مولانا محمد یعقوبؒ سے یہ تاویل نقل کی ہے:

معناه انه لو اخذ مسلم درهمين بدرهم من الحربي في دارالحرب لم يتعرض له الامام كما لا يحده اذا زنى في دارالحرب هذا هو معنى جواز هذه المعاملة عنده۔(۲)

"اس کے معنے یہ ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے حربی سے ایک درہم کے بدلے میں دو درہم لے لئے تو مسلمانوں کا حکمران اس سے تعرض نہیں کرے گا' جیسا کہ اگر اس نے دار الحرب میں زنا کیا ہو تو اس پر حد زنا جاری نہیں کرے گا۔ امام ابو حنیفہؒ کے

(۱) المغنی لابن قدامہ ص۳۳ ج۴ شرح المہذب للنووی ص۴۸۸ ج۹

(۲) اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ص۳۴۴ ج۱۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نزدیک اس معاملے کے جواز کے معنی یہی ہیں۔"

مولانا مودودیؒ نے بھی امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی یہی توجیہ کی ہے۔(۱)

لیکن یہ تاویل حدیث کے الفاظ میں تو بتکلف کی جاسکتی ہے اگرچہ لاربا کے ظاہری معنے یہ نہیں بن سکتے' مگر امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے مسلک کی یہ توجیہ و تاویل تو بالکل نہیں کی جاسکتی' اس لئے کہ السیر الکبیر اور مبسوط میں امام محمدؒ نے بغیر کسی ابہام کے تصریح کی ہے کہ دارالحرب میں حربی کافر کا مال جس ذریعے سے بھی حاصل کیا گیا ہو حلال وطیب ہے بشر طیکہ عہد شکنی اور دھوکہ دہی نہ ہوئی ہو۔

تیسری توجیہ یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ حربی سے مراد ہر غیر ذمی کافر نہیں ہے اور دارالحرب سے مراد ہر دارالکفر نہیں ہے' بلکہ اس سے مراد بر سر جنگ قوم کا فرد ہے۔ ظاہر ہے کہ حالت جنگ میں تو دشمن کے اموال و نفس حرام نہیں ہوتے' بلکہ حلال ہوتے ہیں لیکن جن ممالک کے ساتھ اسلامی حکومت کے معاہدے ہوں اور حالت جنگ نہ ہو بلکہ دونوں کے درمیان امن و امان کی حالت ہو تو ایسی صورت میں ان کے اموال و نفس حرام ہوتے ہیں' مباح اور حلال نہیں ہوتے لہذا ان کے اموال پر عقود فاسدہ کے ذریعے قبضہ کرنا بھی مباح اور حلال نہیں ہو سکتا۔ آج مسلمان ممالک اور غیر مسلم ممالک کے درمیان اقوام متحدہ کے منشور پر دستخط کرنے کی وجہ سے معاہدے ہیں اس لئے یہ غیر اسلامی حکومتیں تو ہیں مگر دارالحرب نہیں ہیں اور حدیث مذکور میں حربی اور دارالحرب کے الفاظ آئے ہیں مطلق کافر اور دارالکفر کے الفاظ نہیں آئے۔

## دوسری دلیل:

دوسری دلیل امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے مسلک کے ثبوت میں یہ پیش کی گئی ہے بلکہ اسی کو اصل دلیل قرار دیا گیا ہے کہ حربی کافر کا مال مسلمان کے لئے مباح ہے۔

---

(۱) مسئلہ سود ضمیمہ نمبر ۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لیکن اس کی کوئی دلیل قرآن و سنت میں نہیں ہے کہ حربی کافر کا مال مسلمان کے لئے مطلقاً حلال ہے خواہ شرعی طریقے سے حاصل کیا گیا ہو یا غیر شرعی طریقے سے حاصل کیا گیا ہو۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ دار الحرب کے کفار کی ملکیت معتبر ہے تو جب وہ اپنے اموال کے مالک ہیں اور شریعت نے ان کی ملکیت تسلیم بھی کی ہے تو ان کی یہ ملکیت مسلمان کی طرف اسی وقت منتقل ہو سکتی ہے جب کہ انتقال جائز طریقے پر ہوا ہو۔ کافر کے مذہب میں اگر کوئی معاملہ جائز بھی ہو مگر جب دین اسلام میں وہ جائز نہ ہو تو کوئی مسلمان اس ناجائز ذریعے سے حربی کے اموال کو حاصل نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ عقد ربا اسلام میں حرام ہے تو اس عقد کے ذریعے حاصل کردہ مال بھی حرام ہے۔

حربی کا جو مال مسلمانوں کے لئے قرآن و سنت میں مباح اور حلال کیا گیا ہے وہ مال غنیمت اور مال فیئی ہے جو اسلامی حکومت کے اختیار میں دیا گیا ہے جسے وہ شرعی طریقے پر تقسیم کرے گی اور مصارف فیئی پر خرچ کرے گی۔ مال غنیمت جنگ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے جو جائز شرعی طریقہ ہے اور مال فیئی صلح کے ذریعے حاصل ہوتا ہے یا کفار کے چلے جانے سے مسلمانوں کے قبضے میں آتا ہے۔ اور یہ بھی جائز شرعی طریقہ ہے۔ اموال غنیمت کے بارے میں سورہ انفال میں احکام اور ہدایات دی گئی ہیں اور تفصیلات احادیث رسول ﷺ اور سنت خلفائے راشدین میں بیان ہوئی ہیں اور اموال فیئی کے لئے سورہ حشر میں مصارف بیان ہوئے ہیں۔ ربا اور قمار یا دوسرے غیر اسلامی معاہدوں کے ذریعے حربی کا جو مال مسلمانوں کے قبضے میں آئے خواہ وہ مستأمن ہو یا دار الحرب کا شہری ہو اس کے مباح ہونے کی آخر دلیل کیا ہے؟ یہ نہ مال غنیمت ہے نہ مال فیئی ہے' نہ جنگل کی گھاس اور دریا کے پانی کی طرح ہے کہ کسی کی ملکیت نہ ہو اور نہ کافر نے اسے تحفے اور ہدیے میں دیا ہے بلکہ سودی معاہدے کے ذریعے حاصل ہوا ہے۔ سود چونکہ کافر کے نزدیک جائز ہے اس لئے وہ اس معاہدے پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



راضی بھی ہے لیکن مسلمان کے عقیدے اور مذہب میں تو حلال نہیں ہے' تو اس کے لئے آخر کس بنیاد پر مباح ہو سکتا ہے؟ ہاں! اگر عین حالت جنگ میں یہ سودی معاملہ دارالحرب کی حدود کے اندر ہوا ہو تو اسے مال غنیمت یا مال فیئی پر قیاس کرنے کی کوئی وجہ تلاش کی جاسکتی ہے مگر حالت امن میں دارالحرب کے زندر جاکر حربی سے سودی معاہدے کرنا اور اس غیر شرعی معاہدے کے ذریعے اس کا مال لینا تو کسی طرح بھی مال غنیمت یا مال فیئی سے مشابہت نہیں رکھتا تاکہ اسے مباح قرار دیا جائے۔ پھر سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر حربی کا مال فی نفسہ مباح ہے اور اس کی علت اس کا حربی ہونا ہے تو پھر مبسوط اور دوسری کتابوں میں یہ شرط کیوں لگائی گئی ہے کہ مال غدر' عہد شکنی' چوری' غصب اور رہزنی کے ذریعے حاصل نہ کیا گیا ہو ورنہ حرام ہو گا؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ غدر اور عہد شکنی اسلام میں حرام ہے تو جس طرح غدر حرام ہے اسی طرح ربا بھی حرام ہے۔ ایک فعل حرام کے ذریعے لئے گئے مال کو حرام کہنا اور دوسرے فعل حرام کے ذریعے حاصل کردہ مال' یعنی سود کو حلال طیب کہنا تو کھلا تضاد ہے۔ یا تو یہ کہنا چاہئے کہ حربی کا مال فی نفسہ حلال ہے جس ذریعے سے بھی لیا جائے حلال ہو گا خواہ وہ ذریعہ اسلام میں جائز ہو مثلاً جہاد اور صلح۔ یا ناجائز ہو مثلاً غدر اور رہزنی' لیکن ایسا تو کسی نے نہیں کہا یا پھر یہ کہا جائے کہ حربی کا مال اگر شرعی طریقے پر حاصل کیا گیا ہو جیسے مال غنیمت اور مال فیئی تو وہ حلال ہو گا۔ اور جب غیر شرعی طریقے پر حاصل کیا گیا ہو جیسے غدر رہزنی اور سودی معاملہ تو پھر حرام ہو گا۔ جیسا کہ جمہور کا مسلک یہی ہے۔

## ابو بصیرؓ اور اس کے ساتھیوں کا عمل

صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حضرت ابو بصیرؓ اور اس کے ساتھی مدینہ کی اسلامی ریاست کی حدود سے باہر دریا کے کنارے پر رہتے تھے اور قریش مکہ کے قافلوں کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لوٹتے تھے۔(۱)

اس روایات کو اگر کوئی حربی مال کے مباح ہونے کی دلیل بناتا ہے تو پھر اسے یہ بھی کہنا چاہیئے کہ حربی کا مال غصب کرنا اور لوٹنا بھی جائز ہے اور مستأمن کے لئے دارالحرب میں حربی کفار کو قتل کرنا بھی جائز ہے' اس لئے کہ بخاری کی اس روایت میں آیا ہے کہ فقتلوهم و اخذوا اموالهم "انہیں قتل بھی کر دیتے تھے اور ان کے اموال بھی لے لیتے تھے۔" حالانکہ فقہاء میں سے دارالحرب میں امان لے کر جانے والے مسلمان کے لئے حربی کے قتل کرنے کو اور اس کا مال لوٹنے کو کوئی بھی جائز نہیں کہتا۔ نہ امام ابو حنیفہؒ اور نہ دوسرے ائمہ۔ اصل میں اس معاملے کا تعلق زیر بحث مسئلے سے نہیں ہے بلکہ یہ جنگ سے متعلق ہے۔ صلح حدیبیہ کی شرط کی بنا پر رسول اللہ ﷺ تو اس کے پابند تھے کہ مکہ سے آنے والوں کو واپس بھیج دیں مگر مکہ کے مستضعفین و مظلومین اس معاہدے کے پابند نہیں تھے۔ قریش مکہ ان پر ظلم کرتے تھے اس لئے ان مظلومین میں سے جو مکے سے نکل سکتے تھے وہ نکل کر دریا کے کنارے قریش مکہ کے تجارتی راستے پر جا کر بیٹھ جاتے اور ان کے قافلوں پر حملہ کرتے۔ حقیقت میں ان کے درمیان اور کفار مکہ کے درمیان جنگ تھی اور جنگ کی حالت میں دشمن کو معاشی طور پر نقصان پہنچانا جنگ کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ مسلمان معاہدے کی وجہ سے ان کی کوئی مدد بھی نہیں کر سکتے تھے اور ان کو مدینہ آنے کی اجازت بھی نہیں دے سکتے تھے' یہاں تک کہ قریش مکہ نے خود تنگ آکر یہ شرط ختم کر دی اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ابو بصیرؓ اور اس کے ساتھیوں کو اپنے پاس بلا لیجئے' چنانچہ فتح الباری میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا خط حضرت ابو بصیر کو پہنچا تو خط ان کے ہاتھ میں تھا کہ فوت ہو گئے۔ ابو جندلؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور وہ وہیں دفن کر دیئے گئے اور باقی ساتھی مدینہ

---

(۱) صحيح بخاری كتاب الشروط باب الشروط فى الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب رقم الحديث ۲۵۸۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تشریف لے آئے۔ اس کے بعد جو بھی مسلمان ہو جاتا تو مدینہ آجاتا' کیونکہ واپس بھیجنے کی شرط قریش نے خود ختم کر دی تھی۔

## مغیرہ بن شعبہؓ کا عمل

صحیح بخاری کی اس مذکورہ حدیث میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کے بارے میں آیا ہے کہ:

وكان المغيرة صحب قوما في الجاهلية فقتلهم واخذ اموالهم ثم جاء فاسلم فقال النبي ﷺ اما الاسلام فاقبل و اما المال فلست منه في شيئ.(۱)

''مغیرہ بن شعبہؓ جاہلیت کے دور میں ایک گروہ کے ساتھ راستے میں جا رہا تھا تو اس نے ان کو قتل کر دیا اور ان کا مال لے کر مدینہ آیا اور مسلمان ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیرا اسلام تو قبول ہے لیکن اس مال سے میرا کچھ تعلق نہیں ہے۔''

فتح الباری میں ابن حجرؒ نے تفصیل دی ہے کہ یہ ساتھی تیرہ افراد تھے جو شاہ مقوقس سے ملنے گئے تھے۔ شاہ مصر نے باقی ساتھیوں کو تو بڑے بڑے تحفے دیئے تھے' مگر مغیرہؓ بن شعبہ کو کچھ زیادہ قیمتی تحفے نہیں دیئے تھے' چنانچہ مصر سے واپس آتے وقت راستے میں ایک جگہ اس کے ساتھیوں نے بہت زیادہ شراب پی لی تھی اور مدہوش پڑے تھے۔ اس حالت سے فائدہ اٹھا کر مغیرہ نے ان سب کو قتل کر دیا اور مال لے کر مدینہ آئے اور مسلمان ہو گئے۔ یہ فعل چونکہ اس نے کفر کی حالت میں کیا تھا اور اسے اسلام کا حکم معلوم نہیں تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اسے سزا بھی نہیں دی اور مال بھی دار الحرب کو واپس نہیں کیا' لیکن اس پر اپنی ناراضگی کا اظہار کر دیا۔ اس واقعے سے

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد رقم الحدیث ۲۵۸۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بھی معلوم ہوتا ہے کہ حربی کا مال مطلقاً مباح نہیں ہے بلکہ حالت جنگ میں مباح ہے۔

اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حربی کفار کا مال دار الحرب میں مسلمانوں کے لئے جائز ہے تو ابن الہمامؒ حنفی اور ابن عابدین شامیؒ نے لکھا ہے کہ اس کا تقاضا تو پھر یہ ہے کہ حربی کو سود دینا جائز نہ ہو صرف ان سے لینا جائز ہو۔ اس لئے کہ ان کا مال (سودی) اگر ہمارے لئے جائز بھی ہو اپنا مال (سود) تو ان کو دینا جائز نہیں ہے۔ ہمارے اساتذہ درسوں میں تو یہی کہتے ہیں کہ سود اور جوئے کا مال حربی کفار سے لینا جائز ہے' مگر ان کو دینا جائز نہیں ہے' لیکن امام ابو حنیفہؒ کا مسلک تو مطلقاً نقل ہوا ہے کہ لینا اور دینا دونوں جائز ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (۱)

## تیسری' چوتھی اور پانچویں دلیل:

ایرانیوں کے مقابلے میں رومیوں کے غالب آجانے کی پیش گوئی کے موقع پر حضرت ابو بکرؓ نے ابی بن خلف کے ساتھ سو اونٹوں کی جو شرط لگائی تھی یعنی جوئے کا معاملہ کیا تھا اس کو بھی دار الحرب میں عقود فاسدہ کے جواز کی دلیل بنایا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت عباسؓ مکہ میں جو سودی کاروبار کرتے تھے اسے بھی دلیل قرار دیا گیا ہے اور بنو نضیر کی جلاوطنی کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا جو یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ اپنے قرضوں کی مقدار میں کمی کر دو اور وقت سے پہلے لے لو۔ اس کو بھی جواز ربانی دار الحرب کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے۔ (۲)

لیکن ان تینوں دلائل پر میرا تبصرہ عدالت کے سود کے خاتمے کے بارے میں فیصلے کے ضمیمہ الف میں سوال نمبر ۷ کے جواب میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور

---

(۱) فتح القدير ص۳۹ ج۷ باب الربا' رد المحتار ص۲۶۰'۲۶۱ ج۴

(۲) السير الكبير للامام محمد مع شرحه للسرخسي ص ۱۴۱۱'۱۴۱۲ و ۱۴۱۸ ج۴ والمبسوط للسرخسي ص۵۷ ج۱۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس کتاب کے باب اول میں بھی شامل ہے۔ اس لئے یہاں ان دلائل پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

## چھٹی دلیل:

چھٹی دلیل امام محمدؒ اور سرخسیؒ نے اس طرح پیش فرمائی ہے کہ:

واستدل بمصارعة رسول اللهﷺ ابن رکانه کان بمکة ثلاث مرات فی کل مرة بثلث غنمه ولو کان مکروها ما فعله رسول الهﷺ ثم لما صرعه فی المرة الثالثة قال ما وضع احد جنبی قط و ما انت صرعتنی فرد رسول اللهﷺ الغنم علیه۔(۱)

"دارالحرب میں عقود فاسدہ اور حربی کے مال کے مباح ہونے کے لئے یہ واقعہ بھی دلیل بن سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں رکانہ کے بیٹے (۲) کو تین مرتبہ کشتی میں شکست دی تھی اور ہر مرتبہ ابن رکانہ نے بھیڑ بکریوں کے ایک تہائی حصے کی شرط لگائی گئی تھی۔ اگر یہ شرط لگانا (جو جوا ہے) مکروہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ یہ کام نہ کرتے پھر جب تیسری مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اسے پچھاڑا تو اس نے کہا مجھے اب تک کسی نے نہیں گرایا اور دراصل آپ نے مجھے نہیں گرایا (بلکہ آپ کی مدد کی گئی ہے) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کی بھیڑ بکریاں اسے واپس لوٹا دیں۔"

اس واقعے پر استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ مقابلے میں شرط لگانا اور بازی لگانا جوا

---

(۱) السیر الکبیر مع الشرح ص ۱۴۱۱ '۱۴۱۲ ج ٤' والمبسوط للسرخسی ص۵۷ ج ۱٤ باب الصرف فی دار الحرب

(۲) رسول اللہ ﷺ نے رکانہ کے بیٹے کو نہیں' بلکہ رکانہ کو دوبار شکست دی رکانہ کا نام اس طرح ہے' رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب بن عبد مناف' نیز یہ کہ ابن ہشام نے شرط لگانے کا ذکر نہیں کیا۔ سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۲۹۵۔ ترجمہ طبع لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



(قمار) ہے لیکن باوجود اس کے رسول اللہ ﷺ نے اس مقابلے میں شرکت کی اس لئے کہ ابن رکانہ حربی کافر تھا ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا اور حربی کا مال عقود فاسدہ کے ذریعے جائز ہے اور یہ مقابلہ مکہ مکرمہ میں ہوا تھا جو دار الحرب تھا۔ یہ ہے وہ استدلال جسے میں مذکورہ بالا عبارت سے سمجھ سکا ہوں۔ مگر اس واقعے پر کئی وجوہ سے استدلال درست نہیں ہے۔

(الف) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ مقابلہ میں جب ایک جانب سے مال کی شرط لگائی گئی ہو اور دوسری جانب سے کوئی چیز داؤ پر نہ لگائی گئی ہو تو یہ صورت قمار اور جوئے کی نہیں ہے' بلکہ جائز ہے تو اسے دار الحرب میں جوا کھیلنے کے جواز کے لئے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

(ب) دوسری وجہ یہ ہے کہ سیر کبیر اور مبسوط میں تصریح ہے کہ یہ مقابلہ مکہ مکرمہ میں ہوا تھا اور کوئی تفصیل نہیں دی گئی کہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے یا فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ اگر قبل از ہجرت کا واقعہ ہے تو اس وقت جوئے' شراب اور سود کی حرمت کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا۔ اس لئے اگر اس کو جوا سمجھ بھی لیا جائے پھر بھی یہ واقعہ جواز کی دلیل نہیں بن سکتا۔ لیکن اگر یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے تو اس وقت مکہ دار الاسلام بن چکا تھا۔ اور دار الاسلام میں تو کافر کے ساتھ جوا کھیلنا بالاتفاق حرام ہے۔

تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ مقابلہ مکہ میں فتح مکہ سے قبل اور ہجرت کے بعد اس درمیانی دور میں ہوا ہو جب کہ جوئے کی حرمت کی آیت نازل ہو چکی تھی مگر اس درمیانی مدت میں تو رسول اللہ ﷺ صرف دو مرتبہ مکہ تشریف لائے تھے۔ ایک مرتبہ عمرۃ الحدیبیہ کے سال ۶ ھ میں اور دوسری مرتبہ عمرۃ القضا کے لئے ۷ ھ میں۔ ان دونوں اسفار کی مکمل روداد بخاری و مسلم اور سیرت و حدیث کی دوسری کتابوں میں نقل ہوئی ہے۔ اور کسی ایک روایت میں بھی اس مقابلے کا ذکر نہیں ہوا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



(ج) تیسری وجہ یہ ہے کہ اس روایت میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ بھیڑ بکریاں تو رسول اللہ ﷺ نے واپس کر دی تھیں، یعنی اس کے پاس ہی رہنے دی تھیں۔ شرط رسول اللہ ﷺ نے نہیں لگائی تھی بلکہ ابن رکانہ نے از خود لگائی تھی مگر بکریاں پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے وصول نہیں کی تھیں۔ آخر اس مقابلے کو دارالحرب میں حربی کافر کے ساتھ جوا کھیلنے کی دلیل کس طرح بنایا جا سکتا ہے؟ میں اسے سمجھ نہیں سکا۔

(د) چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں شدید اضطراب ہے جسے رفع کرنا بہت مشکل ہے۔

السیر الکبیر کی مذکورہ روایت میں اور ابن حجر نے خطیب بغدادی کی "المؤتلف" کے حوالے سے ابن عباسؓ کی جو روایت نقل کی ہے اس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کشتی لڑنے کی دعوت رکانہ کے بیٹے یزید نے دی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ اسے پچھاڑ دیا تھا۔ اس نے ہر مرتبہ سو سو بکریوں کی شرط لگائی تھی مگر رسول اللہؐ نے بکریاں اسے واپس لوٹا دی تھیں۔ مقابلہ ہارنے کے وقت ہی وہ مسلمان ہو گئے تھے اور صحابی تھے۔(۱)

امام بخاریؒ نے التاریخ الکبیر میں، امام ابو داؤدؒ نے سنن میں، امام ترمذیؒ اور امام حاکم نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

ان رکانة صارع النبیؐ فصرع النبی ﷺ۔(۲)

---

(۱) الاصابہ لابن حجر ص٦٥٥ ج٣ ترجمہ نمبر٩٢٥٩

(۲) التاریخ الکبیر للامام البخاری طبع بیروت القسم الاول ص٣٣٧، ٣٣٨ج٣ ترجمہ نمبر ١١٤٦۔ سنن ابوداؤد کتاب اللباس باب العمائم رقم الحدیث٤٠٧٨۔ سنن ترمذی کتاب اللباس باب العمائم علی القلانس باب نمبر ٤١ حدیث نمبر ١٨٤٤۔ تحفة الاحوذی ص٤٨٢ ج٥۔ المستدرک للحاکم ص٤٥٢ ج٣

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"رکانہ نے نبی کریم ﷺ کو کشتی لڑنے کی دعوت دی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اسے پچھاڑ دیا تھا۔"

اس روایت میں نہ بکریوں کی شرط لگانے کا ذکر ہوا ہے اور نہ مقابلے کی جگہ کا ذکر ہوا ہے۔ البتہ ابن حجرؒ نے البلاذری کے حوالے سے جو روایت نقل کی ہے اس میں آیا ہے کہ:

قدم رکانه من سفر فاخبر خبر النبیﷺ فلقیه فی بعض جبال مکه فقال یا ابن اخی بلغنی عنك شیئی فان صرعتنی علمت انك صادق فصارعه فصرعه النبی و اسلم رکانه فی الفتح و قیل انه اسلم عقبل مصارعته۔(۱)

"رکانہ سفر سے واپس آئے تو انہیں نبیؐ کی خبر دی گئی۔ یہ آپ سے مکہ کے ایک پہاڑ میں ملے اور کہا اے بھتیجے مجھے تیرے بارے میں ایک خبر ملی ہے۔ پس اگر تو نے مجھے کشتی میں پچھاڑ دیا تو میں سمجھ لوں گا کہ تو نبی ہے چنانچہ اس نے نبی کو کشتی لڑنے کی دعوت دی اور نبی نے اسے گرا دیا۔ رکانہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ کشتی لڑنے کے بعد موقع پر ہی مسلمان ہو گئے تھے۔"

ابن حجرؒ کی اس روایت میں یہ تو آیا ہے کہ مقابلہ مکہ کے کسی پہاڑ میں ہوا تھا، مگر شرط لگانے کا ذکر اس میں بھی نہیں ہے۔ زیادہ مشہور روایت یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رکانہ سے کشتی لڑی تھی اور اسے شکست دی تھی مگر بکریوں کی شرط لگانے کا ذکر ان روایات میں نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ راوی نے اختصار سے کام لے کر بکریوں کی بازی لگانے والا حصہ حدیث سے حذف کر دیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شرط لگانے کا واقعہ یزید بن رکانہ سے متعلق ہو رکانہ سے متعلق نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ نے دونوں

(۱) الاصابه فی تمیز الصحابه ص۰ ۵۲ ج۱ ترجمه نمبر۲۶۸۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سے کشتی لڑی ہو۔

لیکن امام ابو نعیمؒ اصفہانی (متوفی ۴۳۰ھ) نے رکانہؓ کے ساتھ کشتی لڑنے کی جو طویل روایت ابو امامہؓ سے نقل فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقابلہ مدینہ کی وادی اضم میں ہوا تھا۔ اس روایت کا خلاصہ یہ ہے:

ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ رکانہ سب سے زیادہ طاقت ور اور پہلوان شخص تھا۔ یہ ایک وادی میں بھیڑ بکریاں چراتا تھا جس کا نام اضم تھا۔ نبی کریمؐ ایک روز عائشہؓ کے گھر سے نکل کر اس وادی میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا۔ رکانہ آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہا اے محمد (ﷺ) تم ہو وہ شخص جو ہمارے خداؤں لات و عزیٰ کو گالی دیتے ہو؟ اگر میرا تمہارے ساتھ رشتہ نہ ہوتا تو میں تمہیں بات کرنے سے پہلے ہی قتل کر دیتا۔ تم اب اپنے خدا کو پکارو جو تم کو مجھ سے چھڑا دے۔ میں تمہیں کشتی لڑنے کا چیلنج دیتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ کشتی کا مقابلہ کرو اور اپنے خدا کو پکارو جو تمہاری مدد کرے اور میں لات و عزیٰ کو پکاروں گا' اگر تم نے مجھے گرا دیا تو اپنی بھیڑ بکریوں میں سے دس بکریاں تمہیں دے دوں گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر تو یہی چاہتا ہے تو ٹھیک ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اللہ سے مدد مانگی اور کشتی لڑنا شروع کر دی۔ رکانہ نے لات و عزیٰ کو پکارا مگر رسول اللہ ﷺ نے اسے گرا دیا اور اس کے سینے پر بیٹھ گئے۔ رکانہ نے کہا کہ یہ مقابلہ تم نے نہیں جیتا بلکہ تمہارے خدا نے یہ کام کیا ہے اور لات و عزیٰ میری مدد کو نہیں پہنچ سکے۔ دوبارہ مقابلہ کرو' اگر جیت گئے تو دس بکریاں اور دے دوں گا۔ دوبارہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے گرا دیا۔ اس نے کہا تیسری بار مقابلہ کرو دس بکریاں اور دے دوں گا۔ مگر تیسری بار بھی وہ شکست کھا گیا۔ رکانہ نے کہا لے جاؤ یہ تیس بکریاں۔ میرے خدا لات و عزیٰ نے میری مدد نہیں کی اور تمہارے خدا نے مدد کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے بکریوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تو اسلام قبول کر لے۔ اسلام لے آ تا کہ اللہ کے عذاب سے بچ جائے۔ رکانہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نے کہا نہیں جب تک تم مجھے کوئی نشانی نہیں دکھاؤ گے میں اسلام قبول نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک درخت کو اشارہ کیا تو وہ دو ٹکڑے ہو کر آپ کے پاس آ گیا۔ رکانہ نے کہا کہ تم نے بہت بڑی نشانی دکھائی ہے۔ اب اس درخت سے کہو کہ واپس اپنی جگہ پر چلا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے حکم دیا تو وہ واپس چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا اسلم تسلم مسلمان ہو جاؤ اور اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو جاؤ۔ رکانہ نے کہا میں نے واقعی آپ کے صدق کی بڑی نشانی دیکھی ہے، لیکن میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ مدینہ کی عورتیں اور بچے ایک دوسرے سے یہ کہیں کہ رکانہ نے تجھ سے (رسول اللہؐ سے) مرعوب ہو کر اسلام قبول کیا ہے۔ حالانکہ مدینہ کی عورتیں اور بچے جانتے ہیں کہ مجھے آج تک کسی نے کشتی میں نہیں گرایا اور نہ میرے دل میں ایک لمحے کے لئے کسی کا رعب پڑا ہے۔ بس تم اپنی یہ تیس بکریاں لے کر چلے جاؤ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے تیری بکریوں کی ضرورت نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ سامنے سے ابو بکرؓ اور عمرؓ آپ کو تلاش کرتے ہوئے نظر آئے۔ ان دونوں نے حضرت عائشہؓ کے گھر آ کر پوچھا تھا کہ حضور ﷺ کہاں تشریف لے گئے ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا کہ وادی اضم کی طرف نکل گئے ہیں۔ یہ دونوں جانتے تھے کہ یہ تو رکانہ کی وادی ہے۔ آپ کو دیکھتے ہی انہوں نے کہا آپ اکیلے ادھر کیسے تشریف لے گئے تھے؟ آپ تو جانتے ہیں کہ ادھر رکانہ رہتا ہے جو بہت زیادہ طاقت ور اور پہلوان ہے اور آپ کی مخالفت میں بھی سخت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کیا اللہ نے نہیں فرمایا کہ واللہ یعصمك من الناس۔ اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائے گا۔ اس لئے کہ اللہ میرے ساتھ ہے۔

اس کے بعد آپ نے ان کو سارا قصہ سنایا۔ انہوں نے حیران ہو کر پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے رکانہ کو کشتی میں گرا دیا ہے؟ اس کو تو آج تک کسی نے نہیں گرایا؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے اللہ کو پکارا اور اس نے میری مدد فرمائی۔"(۱)

اس روایت میں جس وادی اضم کا ذکر آیا ہے اس کے بارے میں یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ مدینہ کے قریب مدینہ ہی کی حدود میں ایک وادی کا نام ہے۔(۲)

اضم مختلف جگہوں کے نام تھے' مگر اس روایت میں صریحی طور پر عائشہ کے گھر اور مدینہ کا نام آیا ہے' اس لئے یہاں مدینہ ہی کی وادی مراد ہے۔ اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ کشتی کا یہ مقابلہ مدینہ میں ہوا تھا اور مدینہ تو دار الاسلام بن گیا تھا جس میں قمار اور ربا بالاتفاق حرام ہیں' اگرچہ یہ قمار کی صورت بھی نہیں تھی۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں شدید اضطراب ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ مقابلہ مکہ مکرمہ میں ہوا تھا اور بعض میں آیا ہے کہ مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ مقابلہ رکانہ سے ہوا تھا اور بعض میں آیا ہے کہ مقابلہ رکانہ کے بیٹے یزید کے ساتھ ہوا تھا۔ بعض روایات میں بکریوں کی شرط لگانے کا ذکر آیا ہے اور بعض میں اس کا ذکر ہی نہیں ہوا۔ آخر ایسی مضطرب المتن حدیث کو نصوص صریحہ کے مقابلے میں کس طرح دلیل بنایا جاسکتا ہے' جب کہ اس میں ذکر کردہ صورت جوئے اور قمار کی تعریف میں آتی بھی نہیں ہے۔

یہ ہیں وہ چھ دلائل جن کو دار الحرب میں سود کے جواز میں پیش کیا گیا ہے اور مذکورہ تحقیق سے ثابت ہو گیا ہے کہ ان چھ دلائل میں سے ایک بھی دلیل نہیں بن سکتی اور صحیح مسلک ائمہ ثلاثہ اور ابو یوسف کا یہی ہے کہ سود دار الحرب میں بھی حرام ہے اور دار الاسلام میں بھی حرام ہے۔

---

(۱) دلائل النبوۃ از ابونعیمؒ اصفہانی ص۳۹۵تا ۳۹۷ ج۲ فصل تاسع طبع بیروت ۱۹۸٦ء

(۲) معجم البلدان للحموی ٦۲٦ھ ص۲۱٤ ج۱ مادہ اضم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# علمائے دیوبند کا فتویٰ

ابن الہمام حنفیؒ اور ابن عابدین شامی حنفیؒ کا حوالہ دیا جاچکا ہے کہ ان کو دارالحرب میں جواز ربا پر پورا اطمینان حاصل نہیں ہے 'بالخصوص حربی کافر کو سود دینے کے جواز پر تو ابن الہمام بالکل مطمئن نہیں ہیں۔

علماء دیوبند کے بعض ممتاز علمائے نے جو حنفی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں امام ابو یوسفؒ کی رائے کو ترجیح دی ہے اور دارالحرب میں بھی سودی لین دین کو ناجائز کہا ہے جو شافعیؒ ' مالکؒ 'اور احمدؒ کا مسلک بھی ہے۔ چند حوالے ملاحظہ کیجئے:

۱۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے تھے اور ان سے سوال بھی دارالحرب میں سود کے بارے میں ہوا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا:

"کفار سے بھی سود لینا درست نہیں ہے۔" (۱)

۲۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ:

حنفی ہونے کے باوجود حضرت تھانویؒ نے امام ابو یوسفؒ کی رائے کو ترجیح دی ہے اور دارالحرب میں ہر قسم کے سودی لین دین کو ناجائز قرار دیا ہے۔ (۲)

۳۔ مفتی عزیز الرحمان:

دارالعلوم دیوبند کے مفتی عزیز الرحمان کا فتوی بھی عدم جواز کا ہے اور اس رائے

---

(۱) فتاوی رشیدیہ طبع لاہور ص ۴۱۰ و ۴۱۳

(۲) امداد الفتاویٰ طبع کراچی ۱۳۹۷ھ ص ۱۵۵ تا ۱۶۰ ج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کو انہوں نے بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی سے نقل کیا ہے۔(۱)

۴۔ مفتی کفایت اللہؒ:

مفتی کفایت اللہؒ اگرچہ دارالحرب کی حدود کے اندر غیر مسلم حربی سے سود لینے کی اجازت دیتے ہیں مگر حربی کفار کو سود دینا انہوں نے بھی ناجائز قرار دیا ہے۔(۲)

۵۔ مولانا مودودیؒ نے بھی دارالحرب میں سودی لین دین کو ناجائز قرار دیا ہے۔(۳)

## (ب) سودی معاہدوں کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے:

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ سود صرف اسلامی ریاست کے شہریوں پر حرام نہیں ہے بلکہ اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے درمیان بھی حرام ہے تو اب ہمیں تنقیح طلب امور میں سے اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ کیا سودی معاہدوں کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟ اور کیا شریعت ایسے معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیتی ہے؟ خواہ یہ معاہدے مسلمان حکومتوں کے درمیان ہوئے ہوں یا غیر مسلم حکومتوں کے درمیان ہوئے ہوں۔ افراد کے درمیان ہوئے ہوں یا اداروں کے درمیان ہوئے ہوں۔ ملک کے اندر ہوئے ہوں یا بین الاقوامی معاہدے ہوں۔ جب ہم اس سوال کا جواب قرآن کریم اور سنت رسولؐ کی روشنی میں معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر روز روشن کی طرح ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ قرآن و سنت کے احکام کی خلاف ورزی کر کے اور اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا عہد توڑ کر معاہدے کرنا حرام ہے اور ایسے معاہدوں کا پورا کرنا بھی حرام ہے۔ یہ درست ہے کہ قرآن و سنت

---

(۱) فتاوی دارالعلوم دیوبند عزیز الفتاوی طبع کراچی باب السلم والربا ص ۶۶۵، ۶۶۶ ج ۶

(۲) کفایت المفتی طبع ملتان ص ۶۹۔۷۱ ج ۸

(۳) سود از مولانا مودودیؒ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



میں ایفائے عہد کی بڑی تاکید کی گئی ہے اور وعدہ خلافی و عہد شکنی منافق کی نشانی ہے اور مباحات و عرفیات میں معاہدوں پر فیصلوں کا دارو مدار بھی ہوتا ہے لیکن سب سے بڑا عہد ہر مومن نے اپنے خدا اور اپنے رسول کے ساتھ کیا ہے بلکہ ایمان تو نام ہی عہد اطاعت کا ہے۔ خالق و مالک کے ساتھ جو عہد اطاعت کیا گیا ہے اسے توڑ کر مخلوق کے ساتھ کئے گئے عہد کو پورا کرنا آخر کس عقل اور کونسے شرعی اصول کی بنا پر جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ جبر و اکراہ کی صورت یا اضطرار کی صورت کا حکم تو الگ ہے لیکن بغیر جبر و اکراہ کے اور بغیر کسی اضطراری حالت کے اللہ اور رسول کے احکام کی مخالفت کر کے معصیت کے معاہدے کرنا اور پھر ان کو پورا کرنا تقاضائے ایمان نہیں ہے۔ اس بارے میں قرآن کریم کی چند آیات بطور نمونہ پیش خدمت ہیں ان پر غور فرمایئے۔

و اوفوا بعهدی اوف بعهدكم و ایای فارهبون۔ (البقرہ:٤٠)

"اور تم میری اطاعت کا عہد پورا کرو میں تمہیں اجر دینے کا عہد پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرو۔"

الذین ینقضون عهدالله من بعد میثاقه۔ (البقرہ:٢٧)

"فاسق وہ لوگ ہیں جو اللہ سے کیا ہوا عہد توڑتے ہیں اس کو مضبوط باندھنے کے بعد۔"

و اوفوا بعهدالله اذا عاهدتم۔ (النحل:٩١)

"اور اللہ کی اطاعت کا عہد پورا کرو جب کہ تم یہ عہد کر چکے ہو۔"

الذین یوفون بعهدالله ولا ینقضون المیثاق۔ (الرعد:٢٠)

"دانشمند وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت کا عہد پورا کرتے ہیں اور اس مضبوط عہد کو توڑتے نہیں ہیں۔"

والذین ینقضون عهدالله من بعد میثاقه۔ (الرعد:٢٥)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



"اور لعنت ہے ان پر اللہ کی جو اطاعت کا عہد توڑتے ہیں اس کے مضبوط باندھنے کے باوجود۔"

ولا تشتروا بعهدالله ثمنا قليلا۔ (النحل:٩٥)

"اور اللہ کی اطاعت کا عہد توڑنے کے بدلے تھوڑا بدلہ نہ لو۔" (ساری دنیا قلیل ہے)

کسی بات پر اگر عام عہد ہی نہ کیا گیا ہو' بلکہ اس پر قسم بھی اٹھائی گئی ہو پھر بھی اگر وہ کام بر و تقویٰ کے خلاف ہو تو اس قسم کو پورا کرنا جائز نہیں ہے' بلکہ اسے توڑنا واجب ہے۔ جاہلیت میں ایک جاہلانہ رواج یہ تھا کہ اللہ کی قسم کھا کر کہہ دیتے کہ ہم فلاں اور فلاں کام نیکی کا اور تقویٰ کا نہیں کریں گے اور پھر اگر کوئی کہتا کہ نیکی کا یہ کام کرو تو کہہ دیتے کہ ہم تو اس کے نہ کرنے کی قسم کھا چکے ہیں۔ اسی طرح کسی گناہ کے کرنے کی قسم کھا لیتے۔ اگر کوئی کہتا کہ گناہ کا یہ کام نہ کرو تو کہہ دیتے کہ ہم قسم کھا چکے ہیں کہ یہ کام کریں گے۔ جاہلیت کے اس دستور کی تردید میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے:

ولا تجعلوا الله عرضة لايمانكم ان تبروا و تتقوا و تصلحوا بين الناس والله سميع عليم۔ (بقره:٢٢٤)

"اور نہ بناؤ اللہ کے نام کو رکاوٹ اپنی قسموں کے ذریعے نیکی کرنے سے۔ تقویٰ و پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے سے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

قسمیں پورا کرنے کی تاکید عام عہد کے ایفاء سے زیادہ ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے:

واحفظوا ايمانكم (المائده:٨٩)

"اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

یعنی انہیں نہ توڑو' بلکہ پورا کرو۔ باوجود اس کے مذکورہ بالا آیت میں اللہ کا حکم یہ ہے کہ بر و تقویٰ کے کام کرنے کے راستے میں اللہ کے نام پر کھائی گئی قسم کو رکاوٹ نہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بناؤ، یعنی اس قسم کو توڑ ڈالو اور بر و تقویٰ کے کام کرو۔

ظاہر ہے کہ سود کھانا اور کھلانا گناہ ہے اور موجب لعنت ہے تو اس کی ادائیگی کا عہد اگر قسم کے ساتھ بھی کیا گیا ہو پھر بھی اسے توڑنا نیکی اور تقویٰ ہے۔ پورا کرنا تو تقویٰ نہیں ہے۔

عن عبدالرحمان بن سمرة قال لی النبیؐ یا عبدالرحمان بن سمرة .... و اذا حلفت علی یمین فرأیت غیرها خیرا منها فکفر عن یمینك ولیأت الذی هو خیر۔(۱)

"نبی کریم ﷺ نے عبدالرحمان بن سمرةؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا جب تم کسی کام کی قسم اٹھالو اور اس کے خلاف کام کرنا تمہیں بہتر نظر آئے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کر و اور وہی کام کرو جو بہتر ہو۔"

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال رسول اللهﷺ و من حلف علی یمین فریٰ غیرها خیرا منها فلیدعها والیأت الذی هو خیر فان ترکها کفارتها۔(۲)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے کسی کام کی قسم کھائی ہو لیکن اس کے خلاف کام کرنا اسے بہتر نظر آئے تو اس کام کو چھوڑ دے اور وہ کام کرے جو بہتر ہے اس لئے کہ ایسے کام (جو بہتر نہ ہو) کو نہ کرنا اس کا کفارہ ہے۔"

سود دینے کا معاہدہ ظاہر ہے کہ تقویٰ کے خلاف ہے جسے پورا کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اسے توڑنا واجب ہے۔ اس سلسلے میں حدیث بریرہؓ قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ بریرہؓ سے اس کے موالی نے کہا تھا کہ اگر عائشہؓ تمہیں قیمتاً خرید کر آزاد کرنا چاہتی ہیں تو کر لیں مگر ولا (میراث) کا حق ہمیں حاصل ہو گا۔ یہ شرط رسول اللہ ﷺ کے اس

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الاحکام باب من لم یسأل الامارة اعانه الله علیها. و فی الایمان ایضا

(۲) سنن ابوداؤد کتاب الایمان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ارشاد کے خلاف تھی کہ انما الولاء لمن اعتق "میراث اس کا حق ہے جس نے آزاد کیا ہو" اس غیر شرعی شرط کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ:

فصعد رسول اللہ ﷺ علی المنبر فقال ما ابال اقوام یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ من اشترط شرطا لیس فی کتاب اللہ فلیس لہ و ان اشترط مأۃ مرۃ۔(۱)

"رسول اللہ ﷺ نے منبر پر رونق افروز ہو کر فرمایا کیا بری حالت ہے ان لوگوں کی جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب (شریعت) میں جائز نہیں ہیں۔ جس نے بھی کوئی ایسی شرط لگائی جو اللہ کی کتاب (شریعت) میں جائز نہ ہو تو اس کی یہ شرط پوری نہیں کی جائے گی' اگرچہ اس نے سو مرتبہ لگائی ہو۔"

قرض پر سود ادا کرنے کی شرط ظاہر ہے کہ اللہ کی شریعت کے خلاف ہے۔ اس لئے سودی شرائط کے ساتھ جو معاہدے بھی کئے گئے ہوں یا کئے جائیں تو ان کو پورا کرنا جائز نہیں ہے' البتہ اصل راس المال واپس کرنا لازم ہوگا اور سود کی شرط کالعدم ہوگی۔ اس لئے کہ اللہ کی کتاب میں یہ جائز نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ نے فرمایا ہے:

کل شرط خالف کتاب اللہ فھو باطل و ان اشترط مأۃ شرط۔(۲)

"جو شرط اللہ کی کتاب کے خلاف ہو وہ باطل ہوگی' اگرچہ سو مرتبہ لگائی گئی ہو۔"

اس قول سے حضرت عمرؓ کے دوسرے قول کی تشریح ہو جاتی ہے جس میں

---

(۱) یہ حدیث صحیح بخاری میں ۲۰ مقامات پر نقل کی گئی ہے۔ ابواب المساجد باب ذکر البیع والشراء علی المنبر فی المسجد۔ رقم الحدیث ٤٤٤۔ دوسری ارقام یہ ہیں۔ ١٤٢٢، ٢٠٤٧، ٢٣٩٩، ٢٤٢١، ٢٤٢٢، ٢٤٢٤، ٢٤٢٦، ٢٤٣٩، ٢٥٦٨، ٢٥٧٦، ٢٥٧٩، ٢٥٨٤، ٤٩٨٠، ٦٣٣٩، ٦٣٧٠، ٦٣٧٣، ٦٣٧٧، ٦٣٧٩

(۲) بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی المہر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



انہوں نے فرمایا ہے:

مقاطع الحقوق عند الشروط ولك ما شرطت۔(۱)

”حقوق کا فیصلہ شرطیں پوری کرنے پر ہو گا اور جو شرط تو نے لگائی ہے وہ تیرا حق ہے۔“

اس سے مراد وہ شرطیں ہیں جو شریعت کے خلاف نہ ہوں۔

مذکورہ شرعی نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ جو سودی معاہدے پہلے سے کئے گئے ہیں وہ ازروئے شریعت سود کی ادائیگی یا وصولی کی حد تک کالعدم ہیں اور ان پر عمل درآمد کرنا خلاف اسلام ہے اور آئندہ کے لئے سود یا دوسری غیر اسلامی شرائط پر معاہدے کرنا ممنوع ہے۔ عدالت کو شرعاً یہ حق حاصل ہے بلکہ اس کا فرض ہے کہ قرآن و سنت کے خلاف معاہدے کرنے سے حکومت، اداروں اور افراد سب کو روک دے۔

وفاقی شرعی عدالت بھی قانون معاہدہ ۱۸۷۲ء کی دفعہ ۲۳ کے بارے میں ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو فیصلہ دے چکی ہے کہ دفعہ ۲۳ میں اس معاہدے کو بھی کالعدم قرار دیا جائے جو قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی رو سے ممنوع ہو۔ اور سپریم کورٹ کی شریعت بنچ نے بھی دفعہ ۲۳ کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے حکم کی توثیق کی ہے۔ یہ فیصلہ زیر بحث مسئلے میں بھی نظیر بن سکتا ہے اس لئے کہ سود دینے یا لینے کا معاہدہ بھی قرآن و سنت کے خلاف ہے لہذا کالعدم ہونا چاہئے۔

صحیح بخاری کتاب الصلح میں ایک باب قائم کیا گیا ہے جس کا عنوان یہ ہے:

---

(۱) بخاری کتاب الشروط ما یجوز من الاشتراط۔ امام ترمذی نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ المسلمون علی شروطھم الا شرطا حرم حلالا او احل حراما ص ۲۵۱ طبع کراچی) یعنی مسلمان اپنی شرطوں پر قائم رہتے ہیں سوائے ایسی شرط کے جو کسی حرام چیز کو حلال اور حلال چیز کو حرام ٹھہراتی ہو۔“

(گوہر رحمان)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



باب اذا اصطلحوا علی جور فهو مردود۔

"یعنی باب ہے اس بارے میں کہ جب فریقین خلاف شریعت شرائط پر صلح کر لیں تو یہ معاہدہ کالعدم ہو گا۔"

امام بخاریؒ نے اس مصالحت و معاہدے کے کالعدم ہونے کے ثبوت میں یہ حدیث پیش فرمائی ہے:

"ایک شخص کے ملازم نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا تھا۔ زانی کے والد نے سو بکریوں اور ایک لونڈی کے بدلے میں صلح کروالی۔ رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو آپ نے اس مصالحت کو کالعدم قرار دے دیا۔ بکریاں اور لونڈی زانی کے والد کو واپس دلوادی۔ زانی کو سو کوڑے لگوائے اور ایک سال تک جلاوطن کر دیا اور مزنیہ کو (جو شادی شدہ تھی) رجم کروادیا۔" (۱)

مصالحت بھی معاہدہ ہوتا ہے زنا چونکہ قابل راضی نامہ نہیں ہے اس لئے یہ صلح اور معاہدہ شریعت کے حکم یعنی حد زنا کے خلاف تھا' اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اسے کالعدم قرار دے دیا۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو غیر شرعی معاہدے کے مردود ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ سودی معاہدوں کے خلاف شریعت ہونا روز روشن کی طرح عیاں ہے اور محتاج بیان نہیں ہے۔ درج بالا حدیث میں بیان کردہ صلح جور اس کی نظیر بن سکتی ہے۔ یہ ایک واضح مسئلہ ہے لیکن چونکہ کچھ لوگ یہ مغالطہ انگیزی کرتے ہیں کہ ہم معاہدے کر چکے ہیں' اس لئے سود ادا کرنا ایفائے عہد کی وجہ سے ہم پر شرعاً لازم ہے' تو اس وجہ سے میں نے تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ اس نکتے کی وضاحت ضروری سمجھی کہ غیر اسلامی معاہدے کالعدم متصور ہوتے ہیں اور ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الصلح باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود رقم الحدیث ۲۱۹۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# کیا بین الاقوامی سودی معاہدے

## نظریہ ضرورت کے تحت جائز ہو سکتے ہیں؟

جب شرعی اور قطعی دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سودی معاہدے کالعدم ہیں' ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے اور ان کی بنیاد پر سود کی ادائیگی بھی شرعاً جائز نہیں ہے تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا "الضرورات تبیح المحظورات" اور "الضرورۃ تجلب التیسیر" کے شرعی قواعد کے تحت مجبوری کی وجہ سے بین الاقوامی سودی معاہدوں اور ان کی بنیاد پر سود کی ادائیگی کی اجازت دی جا سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے پہلے نظریہ ضرورت کے ان قواعد کی تشریح ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کیا سودی معاہدوں پر ان قواعد کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں؟

مذکورہ دو قاعدوں کا مفہوم ایک ہی ہے جو یہ ہے کہ ضرورتیں ممنوع چیزوں کو حلال کر دیتی ہیں اور ضرورت پوری کرنے کے لئے شریعت کے احکام میں آسانی پیدا کی جا سکتی ہے۔ اس شرعی قاعدے کا مأخذ درج ذیل آیات اور کچھ احادیث ہیں:

انما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ فمن اضطر غیرباغ ولا عاد فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم۔ (البقرہ:۱۷۳)

"بے شک اللہ نے تو تم پر حرام کیا ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جو غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو۔ پس جو شخص ان کے کھانے پر مجبور ہو جائے اس حال میں کہ نافرمانی کرنے والا بھی نہ ہو اور حد ضرورت سے تجاوز کرنے والا بھی نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بے شک اللہ بخشنے والا ہے اور مہربان ہے۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فمن اضطر فی مخمصة غیر متجانف لاثم فان الله غفور رحیم۔
(المائدہ:۳)

"پس جو کوئی بھوک کی شدت کی حالت میں حرام کھانے پر مجبور ہو جائے بشر طیکہ گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو (واقعی مجبور ہو) تو اللہ اسے بخشنے والا ہے اور مہربان ہے۔"

اسی مضمون کی تین آیتیں اور بھی ہیں۔ (الانعام ۱۱۹'۵ ۱۴۵ النحل ۱۵)

ان پانچ آیات میں اضطرار کی حالت میں حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔ لفظ اضطرار کا مادہ ضرر ہے اور اس کے معنی ہیں کسی چیز کے استعمال پر یا کسی کام کے کرنے پر اس طرح مجبور ہو جانا کہ کوئی دوسرا راستہ اور طریقہ اس سے بچنے کا نظر نہ آتا ہو۔ یہ مفہوم قرآن کریم کی دوسری آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً:

و من کفر فامتعه قليلا ثم اضطره الى عذاب النار (الحج ۲۲'۱۳)

"اور جس نے انکار کیا ہو اسے تھوڑی مدت تک فائدہ پہنچا دیں گے (دنیا کی زندگی میں) اور پھر ہم اسے مجبور کر دیں گے دوزخ میں جانے پر۔"

نمتعهم قليلا ثم نضطره الى عذاب غليظ۔ (لقمان ۳۱'۲٤)

"فائدہ پہنچا دیں گے ہم ان کو تھوری مدت تک اور پھر مجبور کر دیں گے ان کو شدید عذاب میں چلے جانے پر۔"

ان دونوں آیتوں میں لفظ اضطرار شدید مجبوری کے معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ دوزخ میں چلے جانے سے ان کو کوئی تدبیر نہیں بچا سکے گی اور کوئی راستہ اور طریقہ اس سے بچنے کا ان کو نظر نہیں آئے گا۔ اس نوع کی مجبوری اور بے بسی کا نام اضطرار ہے۔

عربی لغت کے ماہرین نے لکھا ہے کہ قد اضطر الى الشيئى کے معنے ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الجئی الیه ۔(۱)

"یعنی فلاں شخص اس چیز پر مجبور کر دیا گیا ہے یا مجبور ہو گیا ہے۔"

غیر باغ کے معنے یہ ہیں کہ اس کا ارادہ نافرمانی اور حکم الٰہی سے بغاوت کا نہ ہو' بلکہ ضرورت واقعی اور حقیقی ہو' یہ نہیں کہ کسی کے دل میں شریعت کے احکام کا احترام ہی نہ ہو اور وہ حرام چیزوں سے لذت حاصل کرنا چاہتا ہو اور ولا عاد کے معنے یہ ہیں کہ حد ضرورت سے تجاوز نہ کرتا ہو یعنی شدید مجبوری اور واقعی ضرورت کے بغیر حرام کا ارتکاب کرنا بغاوت ہے اور ضرورت کی مقدار سے زیادہ استعمال کرنا عدوان ہے۔(۲)

سورہ مائدہ کی آیت ۳ میں فی مخمصة کا لفظ آیا ہے جس کے معنے ہیں:

الجوع و خلاء البطن من الطعام۔(۳)

"شدید بھوک اور پیٹ کا خوراک سے خالی ہو جانا۔"

اردو زبان میں تو لفظ ضرورت اور حاجت دونوں ایک ہی معنے میں استعمال ہوتے ہیں' لیکن عربی زبان میں ضرورت مطلق حاجت کے معنی میں نہیں آتا' بلکہ اضطرار کے معنے میں آتا ہے۔ فقہاء کرام نے درج بالا وجوہات کی روشنی میں ضرورت کی قانونی تعریف اس طرح کی ہے۔

فالضرورة بلوغه حدا ان لم یتناول الممنوع هلك او قارب و هذا یبیح تناول الحرام۔(٤)

"ضرورت کسی کا ایسی حد کو پہنچ جانا ہے کہ اگر وہ ممنوع چیز کا استعمال نہ کرے تو مر جائے گا یا موت کے قریب ہو جائے گا۔ ایسی ضرورت کے وقت حرام کا ارتکاب

---

(۱)لسان العرب از ابن منظور افریقی ص۴۸۳ ج٤ ماده ضررو قاموس ص۵۵۰ ماده ضرر

(۲)تفسیر قرطبی سوره بقره آیت۱۷۳

(۳)تفسیر قرطبی و تفسیر کبیر سورة بقره ۱۷۳

(٤)شرح الاشباه والنظائر للحموی متوفی ۱۰۹۸ھ طبع کراچی ص۱۱۹ ج۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مباح ہو جاتا ہے۔"

والحاجة كالجائع الذى لو لم يجد ما يأكله لم يهلك غير انه يكون في جهد و مشقة و هذا لا يبيح الحرام۔(۱)

"اور حاجت یہ ہے کہ جیسے وہ بھوکا شخص جسے اگر کھانے کو کچھ نہ مل سکے تو مرے گا نہیں البتہ سخت تکلیف و مشقت میں مبتلا ہو جائے گا اس حالت میں حرام چیز اس کے لئے مباح نہیں ہو گی۔ (لیکن روزہ توڑنا جائز ہو گا)"

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ ضرورت اس حالت کا نام ہے کہ اگر حرام کا ارتکاب بقدر سد رمق نہ کرے تو مرنے کا شدید خطرہ ہو یا کسی عضو کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو یا قریب الموت حالت سے دوچار ہونے کا خطرہ ہو۔ یہ حالت بقدر ضرورت حرام کو حلال بنا دیتی ہے۔ اور حاجت صرف تکلیف و مشقت کا نام ہے جو قابل برداشت ہو یہ حرام کو حلال نہیں ٹھہرا سکتی۔

انسان کی احتیاج کا ایک تیسرا مرتبہ بھی ہے جس کو فقہاء نے منفعت کا نام دیا ہے:

والمنفعة كالذى يشتهى البر ولحم الغنم والطعام الدسم۔(۲)

"منفعت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو گندم کی روٹی بکرے کے گوشت اور مرغن کھانے کا شوق ہے۔"

یعنی اگر کوئی شخص حرام کا ارتکاب نہ کرے تو نہ اس کے مرنے کا خطرہ ہے اور نہ اسے کسی شدید تکلیف و مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے' البتہ وہ مزید فائدہ اور قوۃ حاصل نہیں ہوتی جو حرام کھانے سے حاصل ہوتی ہے' مثلاً اسے پیٹ بھر کر کھانے کے لئے

(۱) شرح الاشباہ ص۱۱۹ ج۱

(۲) الاشباہ والنظائر مع شرح للحموی ص۱۱۹ ج۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جو کی روٹی اور عام قسم کا سالن میسر ہے' مگر اسے گندم کی روٹی اور بکرے کے گوشت کا سالن کھانے کا شوق ہے تا کہ اس کی قوت میں اضافہ ہو اگرچہ ایک جائز خواہش ہے جسے جائز ذرائع سے پورا کیا جاسکتا ہے مگر اس خواہش کی تکمیل کے لئے حرام ذریعہ استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس حالت میں شرعی احکام میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔

چوتھا مرتبہ ہے "زینت" کا یعنی ظاہری سجاوٹ و آرائش کا کہ اس سے کوئی حقیقی فائدہ اور منفعت بھی حاصل نہیں ہوتی' ظاہر ہے کہ اس کے لئے تو حرام کے حلال ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔(۱)

اور پانچواں مرتبہ ہے "فضول" کا۔ یعنی سامان تعیش جس میں ممنوع چیزوں کا استعمال بھی شامل ہے اور اسراف و تبذیر کی تمام صورتیں بھی فضول میں شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ فضول خرچی اور اسراف و تبذیر بجائے خود ممنوع ہیں ان کے لئے تو حلال مال کا استعمال بھی جائز نہیں ہے۔(۲)

ان پانچ مراتب میں سے ضرورت و اضطرار کی صورت حال تو الحمد للہ پاکستان میں موجود نہیں ہے ہمارا ملک اگرچہ غریب ہے ترقی یافتہ اور آسودہ حال نہیں ہے لیکن ہم پر قومی بھوک کی وہ حالت نہیں آئی کہ اگر ہم مسلم ممالک یا غیر مسلم ممالک سے یا اداروں سے سودی قرضے حاصل نہ کریں تو لوگ بھوک سے مر جائیں گے یا موت کے قریب ہو جائیں گے۔ ہمارے اپنے وسائل اتنے ہیں کہ اگر انہیں اسراف و تبذیر کے بغیر استعمال کیا جائے تو ہم میں سے ہر ایک کو اس کی ضروریات اصلیہ یعنی بنیادی ضروریات مل سکتی ہیں۔ اگر صحیح منصوبہ بندی کی جائے خود انحصاری کی تدابیر اختیار کی جائیں اور مترفین کی فضول خرچیوں اور عیاشیوں کا سدباب کیا جائے تو ہمارے عوام کو بنیادی ضرورت کے علاوہ مزید آرام و آسائش بھی بہم پہنچائی جاسکتی ہے۔ اس لئے نظریہ

---

(۱)ایضا (۲)ایضا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ضرورت کا اطلاق سودی قرضوں اور سودی معاہدوں پر نہیں ہو سکتا اور بین الاقوامی ربا ضرورت واضطرار کی دلیل پر جائز نہیں قرار دیا جا سکتا' اس لئے کہ ضرورت واضطرار کی صورت حال سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

اضطرار اور ضرورت کی ایک اور صورت جبر و اکراہ بھی ہے جس میں حرام کا ارتکاب قابل مواخذہ نہیں ہوتا:

من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ و لھم عذاب عظیم۔

(النحل ۱۰۶)

"جو کوئی اپنے ایمان لانے کے بعد اللہ سے انکار کرے بجز اس صورت کے کہ اس پر زبردستی کی گئی ہو درانحالیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن (تو وہ مستثنیٰ ہے) لیکن جس کا سینہ کفر کے لئے کھل گیا ہو تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا اور ان کے لئے درد ناک عذاب ہوگا۔"

اس آیت میں زبان سے کلمہ کفر کہنے یا کوئی کفر کا عمل کرنے کی اس صورت میں اجازت دی گئی ہے جب کوئی ظالم و جابر اس پر جبر کر رہا ہو اور اس کی جان کو شدید خطرہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی عورت کو زنا پر مجبور کر دیا جائے اور زبردستی کر کے اس کے ساتھ بدکاری کی گئی ہو تو وہ عورت گناہ گار بھی نہیں ہے اور اس پر حد بھی نافذ نہیں ہو گی۔ ارشاد خداوندی ہے:

ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیوۃ الدنیا و من یکرھھن فان اللہ من بعد اکراھھن غفور رحیم۔

(النور ۳۳)

"اور اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں (یہ محض اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لئے) کہ چاہتے ہو تم دنیوی زندگی کا کچھ سامان (مال) جو کوئی انہیں مجبور کرے گا تو اللہ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد ان کو بخشنے والا اور مہربان ہے۔"

لیکن اکراہ سے مراد صرف مار پیٹ اور ڈرانا دھمکانا نہیں ہے بلکہ اس کی فقہی اور قانونی صورت امام جصاصؒ نے اس طرح بیان فرمائی ہے:

الاكراه المبيح لذالك هو ان يخاف علي نفسه او بعض اعضاء ه التلف ان لم يفعل ما امره به فابيح له في هذه الحال ان يظهر كلمة الكفر۔(۱)

"جو اکراہ کلمہ کفر کہنے کو مباح بناتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی جان یا کسی عضو کے تلف ہونے سے ڈرتا ہو۔ اگر وہ جابر کے حکم کی تعمیل نہ کرے تو اس حال میں اس کے لئے کفر کی بات زبان سے کہہ دینا جائز ہے۔"

اضطرار کی اس صورت حال سے بھی ہم دوچار نہیں ہیں' اس لئے کہ سودی معاہدے کرنے پر ہم کو کسی نے مجبور نہیں کیا اور مجبوری کے معاہدے نافذ بھی نہیں ہوسکتے جب بھی مجبوری کی صورت حال ختم ہوئی تو معاہدہ ختم کیا جاسکتا ہے۔ اگر سابقہ معاہدوں کی بنا پر عائد شدہ سود کی ادائیگی کے لئے جبر واکراہ کی کوئی صورت حال پیش آگئی تو حکومت اپنی مجبوری کی وجوہات شرعی عدالت کے سامنے پیش کرے گی۔ اگر عدالت مطمئن ہوگئی کہ جبر واکراہ کی صورت پیش آگئی ہے تو ادائیگی کی اجازت دے دے گی۔ مگر یہ ادائیگی ان سرمایہ داروں کے ذریعے کرائی جائے گی جنہوں نے سودی قرضوں سے فائدہ حاصل کیا ہے۔

(۱) احکام القرآن للجصاص سورۃ النحل ۱۰۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## بین الاقوامی سودی قرضوں سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے:

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ دنیا کے سامنے اسلامی نظام کا عملی نمونہ پیش کرے تاکہ دنیا اسلام کے مبنی بر عدل نظام کی برکات و ثمرات کو دیکھ کر اسلام کی صداقت و حقانیت کی قائل ہو جائے۔ مگر جس صورت حال سے ہم دوچار ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارا دستور بھی اسلامی ہے سیاسی لیڈر بھی مسلمان ہیں اور حکمران بھی مسلمان ہیں لیکن عملاً ہم غیر اسلامی نظام معیشت کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ سود کا متبادل موجود ہے لیکن ہم اسے اپنے ملک کے اندر بھی ۵۴ سال سے نافذ نہیں کر سکے ہیں۔ اگر عدل وانصاف کے قیام اور ظلم واستحصال کے خاتمے کا حقیقی ارادہ ہے تو فوری طور پر غیر سودی نظام نافذ کر دیا جائے اور غیر اسلامی ممالک کے ساتھ بھی مضاربت و مشارکت اور دوسرے شرعی طریقوں کے مطابق تجارت اور لین دین کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ عزم وہمت اور جرات کے ساتھ بین الاقوامی مالی اداروں اور حکومتوں کو صاف صاف بتا دیا جائے کہ ہمارا عقیدہ و نظریہ اور ہمارا آئین ہم کو سودی لین دین کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے ہم اپنے دین اور اپنے دستور کی رو سے مجبور ہیں کہ آپ کے ساتھ کوئی سودی معاہدہ نہیں کریں گے اور پہلے سے کئے گئے سودی معاہدے فلاں تاریخ سے ختم کر رہے ہیں۔ آپ کا اصل قرضہ ہم پورا ادا کریں گے لیکن سود ادا نہیں کریں گے مگر جب ہمارے حکمران اپنے گھر کو سود کی لعنت اور نجاست سے پاک کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں تو بین الاقوامی ربا سے ملک کی معیشت کو آزاد کرانے کے لئے جرات مندانہ اقدامات کس طرح کریں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## مولانا مودودیؒ کی رائے:

(الف) "میں یہاں مختصراً بتادینا چاہتا ہوں کہ ایک اسلامی حکومت اس مسئلے کو کیسے حل کر سکتی ہے؟ میرے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ملک کے اندر سود کو بند کر دیا جائے۔ اس کے بعد دوسرے قدم کے طور پر بیرونی تجارت میں سود ختم کرنے کے لئے جدوجہد کی جائے۔ ملک کے اندر حکومت سودی لین دین کو ناجائز قرار دے اور خود بھی سود کا لینا اور دینا ترک کر دے۔ کوئی عدالت سود کی ڈگری نہ دے۔ کوئی شخص اگر سودی کاروبار کرے تو اسے فوجداری جرم کا مجرم گردانا جائے۔ جب تک آغاز ہی میں ایسے فیصلہ کن اقدامات نہیں کئے جائیں گے اس امر کا سرے سے کوئی امکان ہی پیدا نہیں ہو سکے گا کہ کوئی ایسا مالیاتی نظام قائم ہو جو سود سے خالی ہو.... داخلی طور پر سود کی بندش کے بعد خارجی لین دین میں بھی اس سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے۔" (۱)

(ب) اگر حکومت مختلف ممالک سے غیر سودی بنیادوں پر معاہدے کرنے کی کوشش کرے۔ اپنے ملک کے اندر بھی غیر سودی مالی نظام قائم کرے اور بیرونی ممالک میں اپنے تاجروں کی ادائیگی میں بھی مدد دے تو تمام مشکلات کا حل بآسانی نکالا جاسکتا ہے۔ (۲)

(ج) اسلامی حکومت میں کسی مسلم یا غیر مسلم، کسی ملکی یا غیر ملکی سرمایہ دار کو سودی کاروبار کی قطعاً اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اگر ملک میں سود بند کر دیا جائے تو غیر ملکی سرمایہ خود بخود بھاگنا شروع کر دے گا۔ یہ چیز انشاء اللہ ہمارے حق میں مفید ہی ہوگی۔ ہمیں تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی ملک نے غیر ملکی سرمائے کے بل پر

---

(۱) رسائل و مسائل حصہ چہارم ص ۱۴۸ طبع ۱۹۸۲ء

(۲) رسائل و مسائل ص ۱۵۴ ج ۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ترقی کرنے کی کوشش کی ہو اور وہ الٹا مزید پھندوں میں مدت ہائے دراز تک پھنس نہ گیا ہو۔ ہمیں اپنے ملک کے سرمائے سے تجارتی اور صنعتی نشوونما کی جدوجہد کرنی چاہئے۔(۱)

(د) اب رہے بین الاقوامی قرضے تو اس معاملے میں تو بالکل ظاہر ہی ہے کہ موجودہ سود خوار دنیا میں ہم قومی ضرورت کے لئے کہیں سے ایک پیسہ بلا سود قرض پانے کی توقع نہیں کر سکتے۔ اس پہلو میں تو ہم کو تمام تر کوشش یہی کرنی ہوگی کہ ہم بیرونی قوموں سے کوئی قرض نہ لیں۔ کم از کم اس وقت تک ہرگز نہ لیں جب تک کہ ہم خود دوسروں کو اس امر کا نمونہ نہ دکھا دیں کہ ایک قوم اپنے ہمسایوں کو کس طرح بلا سود قرض دے سکتی ہے۔(۲)

(ھ) اسلامی حکومت نے کسی دور میں بھی غیر مسلم ممالک سے قطع تعلق کی پالیسی اختیار نہیں کی اور نہ آج کرے گی' لیکن قرض کے معنی قرض مانگتے پھرنے کے نہیں ہیں اور وہ بھی ان کی شرائط پر۔ یہ تعلق اس زمانے کے کم ہمت لوگوں نے ہی پیدا کیا ہے۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ اسلامی حکومت قائم ہو تو وہ مادی ترقی سے پہلے اپنی قوم کی اخلاقی حالت سدھارنے 'انتظامی مشینری کی اصلاح کرنے اور اپنی قوم کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرے گی اور ٹیکسوں اور دوسرے ذرائع سے ملک کے اندر سے وسائل فراہم ہوتے رہیں گے۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ:

میرا اندازہ ہے کہ پاکستان میں اگر اسلامی اصولوں کا تجربہ کیا جائے تو شاید بہت جلد پاکستان دوسروں سے قرض لینے کے بجائے دوسروں کو قرض دینے کے لئے تیار

---

(۱) رسائل و مسائل ص۱۵۵ ج۴

(۲) سود ۲۲۶ طبع مئی ۱۹۹۰ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہو جائے۔بالفرض اگر ہمیں بیرونی قوموں سے سود پر قرض لینے کی ناگزیر صورت پیش آہی جائے یعنی ہمیں اپنی ضرورت کو پورا کرنا بھی لازم ہو اور اس کے لئے ملک میں سرمایہ بھی نہ مل سکے تو دوسروں سے سود پر قرض لیا جاسکتا ہے۔(۱)

مولانا مودودیؒ کے مذکورہ پانچ اقتباسات جس ترتیب سے میں نے نقل کئے ہیں اسی ترتیب سے ان کا خلاصہ یوں نکالا جاسکتا ہے۔

سب سے پہلے قدم پر ملک سے سود کو ختم کیا جائے اور غیر سودی نظام قائم کیا جائے۔ مختلف ممالک سے غیر سودی معاہدے کرنے کی کوشش کی جائے۔

ملک کے اندر غیر ملکی سرمایہ داروں کو سودی کاروبار کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔

جب تک ہم خود غیر سودی قرضے دینے کا نمونہ پیش نہ کر سکیں اس وقت تک ہم بیرونی قوموں سے کوئی سودی قرضہ نہ لیں۔ غیر مسلم ممالک سے ان کی شرائط پر قرضے لینا کم ہمتی ہے۔پاکستان میں اگر اسلامی اصولوں کا تجربہ کیا جائے تو بہت جلدی ہم دوسروں کو قرض دینے کے قابل ہو جائیں گے اور ملک کے وسائل کو اگر صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو ہمیں بیرونی قرضوں کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی' لیکن ایک مفروضے کے طور پر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ملک میں سرمایہ میسر نہیں ہے اور ضرورت ناگزیر ہے اور غیر سودی قرضہ نہیں مل سکتا تو یہ پھر اضطرار کی حالت ہو گی اور ایسی مفروضہ صورت حال میں بقدر ضرورت سود پر قرضہ لیا جاسکتا ہے۔ مولانا مرحوم نے یہ نہیں فرمایا کہ غیر مسلم ممالک سے سودی قرضوں کے معاہدے جاری رکھے جائیں' بلکہ وضاحت کے ساتھ صریح الفاظ میں فرمایا ہے کہ کوئی سودی قرضہ نہ لیا جائے البتہ کہ اگر اضطرار کی ناگزیر صورت حال پیش آجائے تو رخصت دی جاسکتی ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ہم چونکہ اضطراری حالت میں ہیں اس لئے سودی قرضے لینا جائز ہے' بلکہ ایک

(۱)رسائل و مسائل ص۱۷۳'۱۷٤ ج٤

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مفروضہ صورت حال کا شرعی حکم بیان فرمایا ہے‘لیکن پاکستانی قوم غریب ہونے کے باوجود اضطرار اور ضرورت کی اس صورت حال سے دوچار نہیں ہے جس میں حرام حلال ہو جاتا ہے۔

## جماعت اسلامی کی اقتصادی کمیٹی کی سفارشات

جماعت اسلامی پاکستان نے ۱۹۶۷ء میں ۸ افراد پر مشتمل ایک اقتصادی پروگرام کمیٹی بنائی تھی جس کا میں بھی رکن تھا۔ اس کمیٹی کی سفارشات و آراء کی روشنی میں جناب نعیم صدیقی صاحب نے ایک کتابچہ مرتب کیا تھا جو ۱۹۶۹ء میں جماعت کے شعبہ نشر واشاعت نے شائع کیا تھا۔ اسمیں کہا گیا ہے کہ:

”بیرونی قرضوں کے سلسلے میں شروع ہی سے یہ کوشش ہونی چاہئے کہ ہم قرضوں کے بغیر کام چلا سکیں اور سرمایہ کی ضرورت کو قومی پیمانے پر سادہ زندگی اور ایثار کی روش اختیار کر کے پورا کر سکیں۔ پھر بھی اگر ترقیاتی منصوبوں یا بڑے بڑے کارخانوں کے قیام کے لئے قرضے لینے پڑیں تو ان کے بارے میں یہ کوشش مسلسل جاری رہنی چاہئے کہ ایک طرف علمی لٹریچر کے ذریعے اور دوسری طرف عملی حالات ونتائج اور اعداد و شمار کے ذریعے ہم قرض دہندگان کو یہ یقین دلائیں کہ سود کے بجائے ہمارے اصول پر معاملہ کرنا ان کے لئے بھی زیادہ نفع بخش ہے اور وہ ترقیاتی اسکیموں کی نفع آوری میں سے معقول حصہ پا سکتے ہیں‘لیکن جب تک اس میں کامیابی نہ ہو تو ناگزیر حد تک جو قرضے لئے جائیں ان پر سود ادا کرنا ایک طرح کا اجتماعی اضطرار ہو گا۔“

مجھے یاد نہیں کہ اس وقت میں نے اس مسئلے میں اپنی رائے کن الفاظ میں نوٹ کروائی تھی۔ میری اصل رائے وہ ہے جو اس وقت پیش کر رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہم اضطراری صورت حال سے دوچار نہیں ہیں لہذا سودی قرضے لینا جائز نہیں ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دوسری بات یہ ہے کہ اس کتابچے میں ناگزیر اور اضطرار کی حالت کا ذکر ہوا ہے جس میں حرام بقدر ضرورت حلال ہو جاتا ہے مگر یہ صورت حال پیش نہیں آئی۔

## سودی معاہدوں اور ادائیگیوں کو شریعت کے اطلاق سے مستثنیٰ کرنا قرآن و سنت کے خلاف ہے

اب ہمیں آغاز میں ذکر کردہ چار تنقیح طلب امور میں سے اس سوال کا جواب معلوم کرنا ہے کہ کیا غیر ملکی اداروں اور حکومتوں کے ساتھ کئے جانے والے سودی قرضوں کے معاہدوں اور سودی رقوم کی ادائیگیوں کو شریعت کے اطلاق سے مستثنیٰ قرار دینا جائز ہے؟

جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں! قرآن و سنت کے احکام کی پابندی سے کسی چیز کو مستثنیٰ کرنا اللہ کی حاکمیت مطلقہ اور قرآن و سنت کی بالادستی اور برتری کے خلاف ہے اور ایمان کے مقتضیات کی ضد ہے جس کا حق کسی مسلمان حکومت یا مسلمان ادارے یا مسلمان فرد کو حاصل نہیں ہے۔ نفاذ شریعت ایکٹ کی دفعہ ۳ (۲) کے خلاف اسلام ہونے کے ثبوت میں میں نے جو آیات اس موقر عدالت کی خدمت میں پیش کی تھیں وہ اس دفعہ ۱۸ کے خلاف اسلام ہونے کے ثبوت میں بھی پیش کی جاسکتی ہیں' چونکہ اس نکتے پر میں اپنی تفصیلی معروضات دفعہ ۳ (۲) پر بحث کے دوران ۱۲ مئی ۱۹۹۲ء کو پیش کر چکا ہوں' اس لئے اس وقت صرف آیات کے حوالوں پر اکتفا کرتا ہوں جو درج ذیل ہیں:

| | | | |
|---|---|---|---|
| البقرہ | ۸۵'۲۰۸'۲۰۹ | النساء | ۵۹'۶۰'۶۱'۶۵ |
| المائدہ | ۵۰ | الانعام | ۵۷ |

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



| | | | |
|---|---|---|---|
| یوسف | ۴۰ | الحجر | ۸۹ تا ۹۳ |
| النور | ۴۸ تا ۵۱ | الاحزاب | ۳۶ |
| الشوری | ۱۰ | الجاثیہ ۱۸ | المجادلہ ۵، ۲۰ |

ان آیات کے علاوہ گزشتہ صفحات میں ربا کی حرمت کے بارے میں جو آیات اور احادیث پیش کی گئی ہیں ان میں ربا کو مطلقاً حرام قرار دیا گیا ہے' لہٰذا اسلامی حکومت اور اداروں کے سودی معاہدے اور سودی ادائیگیاں بھی حرام ہیں۔ خواہ غیر مسلم ممالک اور اداروں کے ساتھ یہ لین دین کیا جائے یا مسلم ممالک اور مسلم اداروں کے ساتھ کیا جائے' تو یہ استثنائی دفعہ حرمت ربا کی آیات واحادیث کے بھی خلاف ہے۔

مذکورہ شرعی دلائل کی بنا پر میرا مشورہ اور رائے یہ ہے کہ عدالت اس دفعہ ۱۸ کو بھی خلاف اسلام قرار دے دے' البتہ اگر عائد شدہ سودی رقوم کی ادئیگی پر حکومت اپنے آپ کو مجبور پاتی ہو تو اپنی مجبوری کی وجوہ عدالت کے سامنے پیش کرے اور عدالت ان پر غور کر کے مناسب فیصلہ دے' مگر قانون میں سودی معاہدوں کو باقی رکھنے اور آئندہ کے لئے بھی سودی معاہدے کرنے کی شق رکھنا اسلام کے خلاف ہے۔

آخر میں یہ گزارش کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام نے قرض لے کر کام چلانے کی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ حوصلہ شکنی کی ہے' البتہ قرض دینے کی فضیلت میں احادیث موجود ہیں۔ اسلام نے اپنے ہاتھ کی کمائی کھانے اور اپنے دستیاب وسائل سے کام لینے کی ترغیب دلائی ہے۔ خود انحصاری اور اپنے پاؤں چادر کے مطابق پھیلانے کی روش اختیار کی جائے۔ یہی شریعت کا تقاضا ہے اور یہی عقل و خرد کا تقاضا ہے۔ غیر ملکی سودی قرضوں نے صرف ہماری معیشت ہی کو غیر متوازن نہیں بنایا' بلکہ ہماری سیاست کو بھی ان قرضوں کے پھندوں میں پھنسا دیا ہے۔ میری درخواست ہے کہ شرعی عدالت ان پھندوں کو توڑنے میں اپنا کردار ادا کرے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## باب پنجم

# کاغذی کرنسی کی قیمت میں اتار چڑھاؤ کے مسئلے پر ایک سوال کا جواب

اور

# مولانا محمد طاسین مرحوم کی رائے پر تبصرہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## (سوال)

محترم مولانا گوہر رحمان صاحب السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم میں مزید وسعت اور عمر و صحت میں درازی وعافیت عطا فرمائے۔ آمین

ماہنامہ ترجمان القرآن کی اشاعت بابت جون ۱۹۹۹ء میں آنجناب کا ایک مضمون بعنوان سود کے جواز کے لئے حیلے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ مضمون بحیثیت مجموعی انتہائی بصیرت افروز اور چشم کشا ہونے کے باوجود چند اشکالات ذہن میں اٹھا گیا جس کے لئے آنجناب ہی کو زحمت دے رہا ہوں۔ اگرچہ آپ کی بے پناہ مصروفیت و مشغولیت بھی پیش نظر ہے لیکن امید ہے کہ آپ ان طالب علمانہ گزارشات پر بھی نظر کریں گے۔

آپ نے اپنے اس مضمون میں حیلوں کی جن مروجہ صورتوں کی نشاندہی کی ہے میری گزارشات ان میں سے اولین دو صورتوں یعنی سونے کی قیمت کو معیار بنانا' اور اشیائے صرف کی قیمتوں کو معیار بنانے کے متعلق محدود رہیں گی۔ اس میں سے پہلی صورت کے متعلق جناب فرماتے ہیں "درحقیقت نقود ورقیہ یعنی کاغذی نوٹوں کے ساتھ اب سونے کا کوئی قانونی تعلق باقی نہیں رہا بلکہ یہ مستقل طور پر مال مثلی اور ثمن عرفی کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور سونے چاندے کے قائم مقام بن چکے ہیں' اس لئے اس حیلے کے ذریعے پانچ ہزار دے کر چھ ہزار لینا اسی طرح کا سود ہوگا جس طرح کہ ایک تولہ سونا قرض دے کر سوا تولہ واپس لینا.... باقی رہی یہ بات کہ نوٹوں کی قیمت میں کمی ہوگئی ہے تو ہم فقہاء کا یہ قاعدہ بیان کر چکے ہیں کہ قرض کی واپسی میں جنس اور مقدار میں برابری ضروری ہے یعنی جتنا لیا تھا اور جیسا لیا تھا اتنا ہی اور ایسا ہی واپس کرنا ہوگا.... اس حیلے سے سود کا دروازہ کھل جائے گا۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



میرا یہ مقام ہرگز نہیں ہے کہ میں آنجناب سے فقہی معاملات میں تعرض کروں مگر یہاں اتنا عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ جناب سے اس مقام پر "تسامح" ہوا ہے کیونکہ میری حقیر رائے میں اس معاملے میں ربا کی تعریف اپنی شرائط کے ساتھ صادق نہیں آتی۔ ربا کی تعریف جس کو اگر میں متفقہ تعریف کہوں تو شاید غلط نہ ہوگا یہی ہے کہ "قرض میں دیئے ہوئے راس المال پر جو زائد رقم مدت واپسی کے مقابلہ میں شرط اور تعیین کے ساتھ لی جائے وہ سود ہے یا ربا ہے۔"

مولانا مودودی اپنی معرکتہ الآراء کتاب "مسئلہ سود" میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "(۱)راس المال پر اضافہ (۲) اضافہ کی تعیین مدت کے لحاظ سے کئے جانا (۳)اور معاملہ میں اس کا مشروط ہونا۔ یہ تین اجزائے ترکیبی ہیں جن سے سود بنتا ہے اور ہر وہ معاملہ جس میں یہ تینوں اجزاء پائے جاتے ہوں ایک سودی معاملہ ہے، قطع نظر اس کے کہ قرض کسی بار آور کام میں لگانے کے لئے لیا گیا ہو یا کسی شخصی ضرورت پوری کرنے کے لئے اور اس قرض کا لینے والا آدمی غریب ہو یا امیر۔"(۱)

ظاہر ہے کہ مندرجہ ذیل معاملہ یعنی قرض کی واپسی کے سلسلے میں سونے کی قیمت کو معیار بنانے میں یہ شرائط ربا مفقود ہیں کیونکہ اس معاملے میں دائن اپنے راس المال پر کسی مخصوص شرح یا تعیین مدت کے لحاظ سے بڑھوتری کا طالب نہیں ہوتا بلکہ اس بات کے امکان کو بھی کلیتا مسترد نہیں کیا جا سکتا کہ طے شدہ اجل اور مدت گزر جانے کے بعد سونے کی قیمت اس قیمت سے گر جائے جو معاہدہ قرض طے کرتے ہوئی تھی اور اس صورت میں کسی اضافہ کا سوال ہی باقی نہ رہے۔ اگرچہ یہ بات حقیقت ہے کہ دائن اپنے راس المال کی واپسی کو سونے کی قیمت کے ساتھ مشروط بہر حال راس المال میں ممکنہ خسارے سے بچنے کے لئے ہی کرتا ہے لیکن اگر فی الحقیقت اس پورے معاملے کی روح کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایک طرف دائن اپنے

(۱) سود از مولانا مودودیؒ بیع اور ربا میں اصولی فرق کے عنوان سے حث کا ذیلی اقتباس ص ۱۵۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



راس المال کو ممکنہ خسارے سے بچانا چاہتا ہے تو دوسری طرف وہ ربا کی صورت سے بچنے کے لئے سونے کی قیمت گر جانے کا خطرہ Risk کا تحمل کرنے کے لئے بھی تیار ہے اور کم مدت کے لئے ہوئے قرضوں میں تو سونے کی قیمت میں ایسا اتار چڑھاؤ بھی واقع نہیں ہوتا۔ چنانچہ دائن کو اپنا راس المال اسی صورت میں بغیر ربا کے ہی وصول ہو جاتا نیز یہ مسلمہ فقہی قاعدہ ہے کہ الضرر یزال "یعنی نقصان کا ازالہ کیا جائے گا۔" اور یہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث لا ضرر ولا ضرار "نہ نقصان اٹھایا جائے اور نہ پہنچایا جائے" پر مبنی ہے۔ قرآن حکیم میں حرمت ربا کی آیات میں اس اصول کا ذکر ہے ارشاد خداوندی ہے لا تظلمون و لا تظلمون "نہ ظلم کرو نہ تم پر کیا جائے" اور اصل راس المال کی واپسی کو دائن کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ فلکم رؤس اموالکم۔

آپ کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے کہ در حقیقت نقود ورقیہ یعنی کاغذی نوٹوں کے ساتھ اب سونے کا کوئی قانونی تعلق باقی نہیں رہا بلکہ یہ مستقل طور پر مال مثلی اور ثمن عرفی کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور سونے چاندی کے قائم مقام بن چکے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مثلی اشیاء میں فقہاء نے اس شے کی ظاہری صورت ہی کو ملحوظ رکھا ہے یا اس کی معنوی قدر و قیمت اور افادی صلاحیت کو بھی سامنے رکھا ہے۔ ابن ماجہ کی جس حدیث میں جن چھ اجناس مثلی کی برابری اور ہاتھ کے ہاتھ تبادلہ کا ذکر ہوا اس کے تحت فقہاء کرام نے عموماً مثلی معاملات میں ظاہری صورت ہی مراد لی ہے مگر تاہم بعض مواقع پر فقہاء نے تقاضا عدل کی تکمیل یا کسی اور سبب سے مثلی اشیاء میں بھی قیمت اور منفعت کو ملحوظ رکھا ہے چند مثالیں آپ کے علم میں لانا چاہوں گا۔

ا۔ غصب کی ہوئی مثلی چیز اگر ایسی ہو کہ بازار سے ناپید ہو گئی ہو تو اس کی قیمت ہی ادا کی جائے گی' امام ابو حنیفہ کے یہاں عدالت میں جس دن یہ قضیہ گیا تھا اس دن کی قیمت کا اعتبار ہو گا اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس دن کی قیمت معتبر ہو گی جس دن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



غصب کیا تھا اور امام محمد کہتے ہیں کہ اس دن کی قیمت کا اعتبار کیا جائے جس دن وہ شے بازار سے ناپید ہوئی تھی۔(۱)

۲۔پانی مثلی شے ہے لیکن کسی شخص نے ایسے صحرا میں پانی غصب کر لیا جہاں پانی دستیاب نہیں ہے تو اب اس شخص کا دوسری جگہ مثلاً نہر کے کنارے سے صرف پانی واپس کر دینا کافی نہیں ہوگا بلکہ اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔(۲)

یہاں ایک بات اور بھی ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ربا کے جو اجزائے ترکیبی ہم نے اوپر ذکر کیے ہیں اس میں اضافہ کا متعین ہونا بھی شامل ہے جو کسی خاص رقم کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے اور شرح کی شکل میں بھی، یعنی یہ اضافہ فریقین معاملہ بہر حال اپنی آزاد مرضی اور رضاکارانہ طور پر طے کرتے ہیں جب کہ دین کو سونے کی قیمت کے ساتھ منسلک کرنے کے معاملہ میں نہ تو کوئی مخصوص مقدار متعین ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی خاص شرح طے کی جاتی ہے بلکہ متعلقہ فریقین کی مرضی پر بھی منحصر نہیں ہوتا اور یہ بھی یقینی نہیں ہوتا کہ سونے کی قیمت میں ہر صورت میں اضافہ ہی ہو، یعنی اس مخصوص صورت کو سد ذریعہ کے طور پر بھی بند کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔

مثلی اشیاء یا مبیع صرف کی صورت میں برابر اور ہاتھ کے ہاتھ لین دین کی علت سونے چاندی کے معاملے میں تو احناف کے نزدیک ان کا موزون ہونا ہے جس کا تذکرہ آنجناب نے بھی کیا جب کہ نقود ورقیہ میں باوجود ان کے مثلی ہونے کے موزونیت یا کیلیت نہیں پائی جاتی یعنی اس صورت میں علت ربا بھی مفقود ہے۔

پھر یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ مثلی اشیاء میں اگر کوئی عیب اور نقص پیدا ہو جایے تو اس کی تلافی ضروری ہے مثلاً کسی نے سامان غصب کر لیا اور غاصب کے یہاں اس میں کوئی عیب پیدا ہو گیا تو مطلوبہ سامان کے ساتھ اس عیب کا تاوان بھی ادا

---

(۱) الاشباہ والنظائر لابن نجیم

(۲) افادہ از مقالہ کاغذی نوٹوں کی فقہی حیثیت از مولانا خالد سیف الرحمان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کرنا ہوگا۔

امام طحطاوی کہتے ہیں:

ولو نقص المغصوب فی ید الغاصب ضمن الغاصب النقصان و یردہ علی المغضوب منہ مع ضمان النقصان۔

"غصب کردہ شے اگر غاصب کے قبضہ میں ناقص ہوگئی تو غاصب نقصان کا ضامن ہوگا اور نقصان کے تاوان کے ساتھ اصل مالک کو لوٹائے گا۔"

ہماری حقیر رائے میں روپے کی قدر میں کمی کا پیدا ہونا بھی منجملہ ان عیوب میں سے ہے جن کا قرض کے معاملات میں لحاظ کیا جاسکتا ہے۔

اس کی مثال فلوس کے معاملے میں قاضی ابو یوسف کی رائے ہے جس کا آپ نے بھی اشاریہ ہندی کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے نیز آپ فرماتے ہیں کہ "سودی حیلوں کے عادی لوگوں کو اگر تقلید کرنی ہی تھی تو بہتر تھا کہ امام ابو حنیفہ امام شافعی امام مالک اور امام محمد کی تقلید کر لیتے جن کی رائے یہ ہے کہ فلوس جب تک مارکیٹ میں بطور ثمن چل رہے ہوں (نافق ہوں کاسد نہ ہوں) اس وقت تک ادائیگی بالمثل ضروری ہوگی..... اور قوت خرید میں کمی بیشی کی وجہ سے واجب الادا فلوس کی مقدار میں کمی بیشی جائز نہ ہوگی۔ البتہ اگر دھاتی سکوں کا بازار میں چلن بند ہوگیا تو پھر قرض لینے یا بیع کے وقت ان کی جو قیمت تھی اس کے اعتبار سے مروجہ سکوں میں ادائیگی کی جائے گی۔

ہمارے خیال میں متقدمین حنفیہ امام شافعی و مالک کے نزدیک فلوس کے نافق ہونے کی صورت میں قیمت میں کمی بیشی ہونے کے باوجود بالمثل ادائیگی اس لئے ضروری تھی کہ وہ فلوس یا دھاتی سکہ کو بھی ایک معدنی سامان کی حیثیت سے دیکھتے تھے اور فلوس اپنے حجم اور قدر کے اعتبار سے بذات خود بھی قابل استفادہ اور لائق خرید و فروخت تھے یعنی دھاتی ہونے کے اعتبار سے بذات خود بھی قدر و قیمت رکھتے تھے' ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سکوں کی حیثیت سکہ جو قیمت ہوتی تھی وہ اس سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہوتی تھی جو معدنی حیثیت میں ان سکوں کی ذاتی قدر و قیمت ہوا کرتی تھی' اس لئے فقہاء کرام نے ان کے نافق ہونے کی صورت' قوت خرید کم ہو جانے کے باوجود ان کی بالمثل ادائیگی کو جو ضروری قرار دیا وہ ان کی دھاتی حیثیت کی وجہ سے دیا جو ابن ماجہ کی حدیث کی ایک تطبیقی صورت ہے جب کہ ان کے کاسد ہونے کی صورت میں اس کو ایک عیب شمار کر کے دین کی مروجہ سکوں میں ادائیگی کا فتوی دیا تاکہ دائن کا نقصان پورا کیا جا سکے۔ اس کے بر خلاف موجودہ کاغذی نوٹوں کی بجائے خود کوئی قیمت نہیں۔ نہ بحیثیت ثمن اسٹیٹ بنک کی تصدیق کے بغیر اس سے خرید و فروخت ممکن ہے دوسری طرف زمانہ کے تغیر کے ساتھ ساتھ اس میں اس درجہ تغیر واقع ہوتا جاتا ہے کہ اس کی افادیت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔

آنجناب کا یہ فرمانا کہ اس حیلے سے (سونے کی قیمت کو معیار بنانا) سود کا دروازہ کھل جائے گا۔ اگر مقصد کرنسی نوٹوں کو سونے کے ساتھ منتھی کرنا تھا اور واپسی سونے کی قیمت کے اعتبار سے کرنی تھی تو پھر اس حیلے کی کیا ضرورت تھی' سیدھے طریقے سے سونا دے کر سونا ہی واپس لیا جاتا۔

میرے خیال میں معاملات کی بہت سی صورتوں کا آنجناب کی نظر سے پوشیدہ رہ جانا اس ارشاد کا سبب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ معاملہ صرف دین کی ادائیگی تک محدود نہیں ہے بلکہ موجودہ دور میں ایسے تمام عقود میں روپیہ کی قدر و قیمت میں کمی بیشی وجہ نزاع بن سکتی ہے اور بن جاتی ہے جس میں حق دار کو بر وقت حق کی ادائیگی نہ کی جائے مثلاً آج سے پچیس سال قبل کسی خاتون کا مہر ۱۰۰۰ روپیہ مقرر ہوا تو اس کی قدر کسی طور اس زمانہ میں ۱۰ تولہ سونے سے کم نہ تھی مگر آج ۱۰ تولہ سونا کی قیمت کیا ہے اور ۱۰۰۰ میں کس قدر سونے کی مقدار آ سکتی ہے؟ آنجناب کو بھی اس کا علم ہے ایسی صورت میں نوٹ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کو سامان کی قیمت کے کم وبیش ہونے پر قیاس کرنا کسی طرح قرین انصاف نظر نہیں آتا یا مثال کے طور پر بکر نے زید کے ہاتھ ایک قطعہ اراضی جنوری ۸۰ میں دس ہزار روپے میں فروخت کی اور طے ہوا کہ زید فوری طور پر قیمت کی حوالگی کرے گا لیکن زید نے بر وقت ان واجب الاداء روپوں کی ادائیگی نہیں کی بلکہ چھ سال بعد ۸۶ میں ادائیگی کر رہا ہے۔ اس صورت میں اگر بکر یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ۸۰ کے مقابلے میں ۸۶ میں قوت خرید نصف ہو چکی ہے لہذا میں بیس ہزار لوں گا تو کیا وہ حق بجانب نہیں ہو گا ؟

یا ایک شخص کا انتقال ۸۵ میں ہوا اس کے ورثا دو بیٹوں کے حصہ میں دو دو لاکھ کی رقم آئی جو بڑے بھائی نے ادا کرنی تھی جو بڑے بھائی نے ۹۵ میں دس سال بعد ادا کرنے کی رضامندی ظاہر کی لیکن اب چھوٹے بھائی کا یہ کہنا ہے کہ ۸۵ء میں دو لاکھ میں جتنا سونا ملتا تھا اتنا سونا یا اس کے مساوی قیمت لوں گا۔ کیا چھوٹے بھائی کا یہ مطالبہ شریعت کی رو سے غلط ہو گا۔

مجھے نہیں معلوم شریعت کے کس قاعدے سے آپ ان تمام معاملات کو غلط قرار دیں گے اور حقدار کو سودی حیلہ اختیار کرنے کا مجرم قرار دیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت (سونے کی قیمت کو معیار بنانا) اگر سودی حیلہ نہیں بلکہ اگر حسن نیت سے کیا جائے تو سود اور ربا سے بچنے کی ایک کامیاب سبیل اور بہتر راستہ ہے جس میں مزید بہتری کے لئے آپ جیسے اصحاب علم کی تجاویز اور رہنمائی کی ضرورت ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر

خرم سلیم چھتری والا (ایم اے علوم اسلامی ٹی ایل کراچی)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



WWW.KITABOSUNNAT.COM

## (جواب)

(محترم جناب برادرم خرم سلیم صاحب چھتری والا کراچی)

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دفتر ترجمان القرآن کے ذریعے آپ کا گرامی نامہ ملا۔ ترجمان جون ۹۹ء میں میرا جو مضمون شائع ہوا تھا یہ دراصل سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ کے سامنے پیش کئے گئے میرے تفصیلی اور تحریری بیان کا ایک مختصر سا حصہ ہے پورا مقالہ اتحاد العلماء کے جریدۃ الاتحاد جون ۹۹ء میں بھی شائع ہوا ہے اور ہفت روزہ ایشیا میں بھی قسط وار شائع ہو چکا ہے امید ہے آپ نے پڑھ لیا ہو گا۔ بہر حال آپ کے اشکالات کے ازالے کی کوشش کر رہا ہوں۔

## پہلے اشکال کا جواب

(۱) آپ کا پہلا اشکال یہ ہے کہ افراط زر کی وجہ سے کرنسی کی قیمت اور قوت خرید میں کمی کو پورا کرنے کے لئے ادائیگی کے وقت جو اضافی رقم لی اور دی جاتی ہے اس پر ربا کی تعریف ہی صادق نہیں آتی تو یہ سود کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس کے ثبوت میں آپ نے مولانا مودودیؒ کی کتاب سود کے ص ۱۵۳ سے سود کے تین اجزائے ترکیبی نقل کئے ہیں۔ (۱) رأس المال پر اضافہ (۲) اضافے کی تعیین مدت کے لحاظ سے (۳) اور معاملہ (معاہدہ) میں اس کا مشروط ہونا یہ تین اجزائے ترکیبی ہیں جن سے سود بنتا ہے۔ اور زیر غور صورت میں کسی مخصوص شرح کے اعتبار سے یا مدت کے لحاظ سے (مثلاً فی ماہ اتنا اضافہ دینا ہو گا) اضافی رقم کا تعین نہیں کیا جاتا بلکہ دائن اپنے رأس المال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



میں خسارے سے بچنے کے لئے ادائیگی کو سونے کی قیمت کے ساتھ مشروط کرتا ہے اگر سونے کی قیمت گر جائے تو اسے اپنے رأس المال سے کم لینے پر بھی راضی ہونا پڑے گا اور اگر اس کی قیمت بڑھ جائے تو اسے قیمت میں اضافے کے تناسب سے اضافی رقم لینے کا حق بھی ہوگا۔ لیکن آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ دائن نے اپنے رأس المال کی واپسی کو سونے کی قیمت کے ساتھ اس لئے مشروط کیا تھا کہ سونے کی قیمت میں اضافی کی صورت میں اضافی رقم دینے کا مدیون یا مقروض کو پابند کر دیا جائے بس اسی مشروط اضافی رقم کا نام ربا ہے باقی رہی تعیین تو یہ متعین مقدار کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے اور نسبت کے اعتبار سے بھی ہو سکتی ہے۔ جب یہ طے ہو جائے کہ واپسی ادائیگی کے وقت سونے کی قیمت کے حساب سے کی جائے گی تو اسی کا نام تعیین ہے اگر قیمت میں ایک ہزار کا اضافہ ہوا ہو تو ایک ہزار زائد دیا جائے گا اور اگر دو ہزار کا اضافہ ہوا ہو تو رأس المال پر دو ہزار کا اضافہ لیا اور دیا جائے گا جہاں تک خسارے کا تعلق ہے تو یہ اس جگہ غیر متعلق بات ہے اس لئے کہ خسارہ رأس المال میں کمی کو کہا جاتا ہے اور دائن اپنا قرضہ بغیر کسی کمی کے پورے کا پورا وصول کرتا ہے ربا کی اجماعی تعریف یہ ہے:

و قد اجمع المسلمون نقلا عن نبيهم ان اشترط الزيادة فى السلف ربا ولو كان قبضة عن علف او حبة۔(۱)

”مسلمانوں نے اپنے نبی سے نقل کی بنا پر اجماع کر لیا ہے کہ قرض پر مشروط اضافہ ربا ہے اگرچہ ایک مٹھی گھاس ہو یا ایک حبہ (دانہ) ہو۔“ یہ اجماعی تعریف قرآن و سنت سے ماخوذ ہے سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

و ان تبتم فلكم رؤس اموالكم لا تظلمون و لا تظلمون۔

”اور اگر تم توبہ کر لو گے تو ملیں گے تم کو تمہارے اصل اموال نہ تم ظلم کرو گے

---

(۱) التمهيد لابن عبدالبر متوفى ٤٦٣ھ طبع لاہور ١٩٨٣ء ص ٦٨ ج ٤

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔"

اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ رأس المال پر اضافہ ربا ہے اور ظلم ہے اور رأس المال سے کم دینا بھی بے انصافی ہے اور ظلم ہے تو مذکورہ بالا اجماعی تعریف کا مأخذ یہ آیت ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

عن عمارة الهمداني سمعت عليا يقول قال رسول الله ﷺ كل قرض جر نفعا فهو ربا.(۱)

"عمارہ ہمدانیؒ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علیؓ سے سنا ہے فرماتے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر وہ قرض جو نفع کھینچتا ہو تو اس کا یہ نفع ربا ہے یہ حدیث زیلعی نے نصب الرایہ میں سیوطی نے الجامع الصغیر میں اور علی المتقی نے کنز العمال میں بھی نقل کی ہے لیکن سب نے مسند حارث کا حوالہ دیا ہے اس کی سند میں اگر چہ سوار بن مصعب نام کا ایک راوی آیا ہے جو ضعیف اور غیر ثقہ راوی ہے لیکن بیہقی نے چھ صحابہ سے اس کے شواہد نقل کئے ہیں۔"(۲)

ان شواہد اور سلف میں تلقی بالقبول کی بنا پر امام الحرمین اور امام غزالی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور جامع صغیر کے شارح عزیزی نے اسے حسن لغیرہ کہا ہے جو قابل استدلال حدیث ہوتی ہے۔(۳)

آیت اور حدیث سے ماخوذ مذکورہ بالا متفقہ تعریف اس اضافی رقم پر بالکل صادق آتی ہے جو کرنسی نوٹوں کی قیمت میں کمی کے بدلے میں لی جاتی ہے اس لئے کہ یہ قرض پر مشروط نفع اور اضافہ ہے۔ کیونکہ قرض دیتے وقت طے ہو گیا تھا کہ ادائیگی سونے کی قیمت کی نسبت سے کی جائے گی۔

---

(۱) المطالب العاليه از ابن حجر ص ۴۱۱ ج ۱ بحواله مسند حارث مخطوطه ص ۳۰۸ ج ۱

(۲) سنن کبری از بیهقی ص ۳۴۹ تا ۳۵۰ ج ۱

(۳) التلخيص الجير طبع سانگلاهل پاکستان ص ۳۴ ج ۳ اور عزيزی ص ۸۷ ج ۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



آپ کی طرح کچھ اور لوگوں کو بھی یہ الجھن پیش آتی ہے کہ یہ اضافہ اور نفع ربا نہیں بلکہ ادا کردہ کاغذی کرنسی کی قیمت اور قوت خرید ہے جو واپس لی گئی ہے۔ اگرچہ گنتی میں ۵ ہزار کے بدلے میں ۶ ہزار اور ۱۰ ہزار کے بدلے میں ۱۲ ہزار لئے ہیں لیکن قیمت اور ویلیو کے اعتبار سے وہی ۵ ہزار اور ۱۰ ہزار لئے ہیں جو دیئے تھے۔ یہی الجھن شریعت اپیلیٹ بنچ کے بعض ججوں کو بھی پیش آ رہی تھی جس کا جواب میں نے یہ دیا تھا کہ قرض کی ادائیگی بالمثل ہوتی ہے بالقیمت نہیں ہوتی علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

هو عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله و صح في مثلي لا في غيره المكيل والموزون والعددي المتقارب كالجوز والبيض۔

"قرض ایک مخصوص معاہدہ ہوتا ہے جس میں ایک شخص دوسرے کو مال مثلی دیتا ہے تاکہ وہ اس کی مثل واپس کرے۔ یہ معاہدہ مال مثلی میں صحیح ہے اور غیر مثلی میں صحیح نہیں ہے مال مثلی وہ ہوتا ہے جو ناپا اور تولا جا سکتا ہو یا جس کا لین دین گننے سے ہوتا ہو اور اس کی اکائیوں میں کچھ زیادہ تفاوت نہ ہو مثلاً اخروٹ اور انڈے۔(۱)

اس قسم کی عبارتیں فقہ کی اکثر کتابوں میں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ الاقراض تقضى بامثالها۔ یعنی قرضوں کی واپسی بالمثل ہوتی ہے کہ جیسی اور جتنی چیز لی تھی اسی طرح کی چیز اتنی ہی مقدار میں واپس کی جائے گی اور غیر مثلی چیزوں کا قرض لین دین جائز ہی نہیں ہے اس لئے کہ اس کی مثل کی واپسی مشکل ہوتی ہے اور قیمت کا قرض لین دین جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس کی مثل کی واپسی مشکل ہوتی ہے اور قیمت کا قرض میں لحاظ نہیں رکھا جاتا الا یہ کہ قرض لی گئی چیز نایاب ہو جائے اور اس کا چلن ختم ہو جائے تو اس صورت میں مجبوراً قیمت ادا کرنی ہو گی۔ اداء بالمثل کا تقاضا یہ

(۱) درمختار بر حاشیه رد المحتار باب المرابحه فصل في القرض ص۲۳۷ ج٤

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے کہ سونے کی قیمت میں کمی کی وجہ سے قرض کی مقدار میں کمی کرنا بھی ظلم ہے اور اس میں اضافے کی وجہ سے قرض کی مقدار میں اضافہ کرنا بھی ظلم ہے اس لئے کہ سونا الگ چیز ہے اور کاغذی کرنسی الگ چیز ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان اب کوئی قانونی اور عرفی تعلق باقی نہیں رہا جسے آپ نے بھی اپنی خط میں تسلیم کیا ہے اور عالمی مالیاتی اداروں اسلامی تحقیقاتی اداروں پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل وفاقی شرعی عدالت اور ماہرین شریعت ومعیشت سب نے تسلیم کر لیا ہے۔

(نقوو ورقیہ) یعنی کاغذی کرنسی اب مستقل ثمن عرفی اور زر قانونی ہے اور اس کا رابطہ سونے چاندی سے کلی طور پر کٹ چکا ہے اگر سونا قرض دیا تھا تو سونا ہی واپس کرنا ہوگا اور اگر نوٹ دیئے تھے تو نوٹ ہی واپس لینے ہوں گے البتہ اگر حکومت پاکستان اپنے کاغذی نوٹ کی پرانی دستاویز سند اور رسید والی حیثیت بحال کر دے اور اس کے لئے قانون بنا دے تو سونے کی قیمت کو معیار بنایا جا سکتا ہے۔

اس لئے کہ اس صورت میں ۱۰ ہزار کے نوٹ قرض دینا در اصل ۱۰ ہزار کا سونا دینا مقصود ہوگا کیونکہ نوٹ کی حیثیت اس صورت میں ثمن کی نہیں ہوگی بلکہ قرض کی رسید اور سند کی ہوگی۔ عدالت کے استفسار پر میں نے اپنے بیان میں یہی حل بتایا تھا کہ نوٹ کی پرانی حیثیت بحال کر دی جائے تو سونے کو ادائیگی کا معیار بنایا جا سکتا ہے۔

## کرنسی کی شرعی حیثیت کے بارے میں

## تحقیقاتی اداروں اور کبار العلماء کی آراء

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر علماء عصر کی آرء اور ان کے نتائج کے کچھ نمونے بھی پیش کر دیئے جائیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# سعودی عرب کے کبار العلماء
# اور مجمع الفقہ الاسلامی کی رائے

کاغذی کرنسی پر سعودی عرب کے ایک عالم عبداللہ بن سلیمان بن منیع نے کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "الورق النقدی حقیقته تاریخه حکمه۔

اصل عربی کتاب تو میرے پاس نہیں ہے مگر ڈاکٹر نور احمد شاہنواز نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے جو میرے سامنے ہے کتاب کے مصنف سعودی عرب کی مجلس کبار العلماء اور مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کے رکن ہیں اور مکہ مکرمہ کی ایک عدالت کے جج بھی ہیں۔ کبار العلماء کی مجلس نے بحث و تحقیق کے بعد ۷ اربیع الثانی ۱۳۹۳ھ کو ایک قرارداد منظور کر کے کتاب سے مکمل اتفاق کیا تھا اور رابطۃ العالم الاسلامی کے ذیلی ادارہ مجمع الفقہ الاسلامی نے بھی ۶ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ کو ایک قرارداد کے ذریعے کبار العلماء کی مجلس کی تائید کرتے ہوئے مصنف کی رائے سے مکمل اتفاق کیا تھا۔(۱)

فاضل مصنف نے کاغذی کرنسی کی تاریخ ارتقائی مراحل اور اس کی ماہیت و تعریف کے بارے میں تحقیقی مباحث کے بعد کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت کے بارے میں چار فقہی نظریات پیش کئے ہیں۔

(۱) کاغذی کرنسی قرض یا دین کی ایک دستاویز سند و ثیقہ اور رسید ہے مستقل ثمن اور زر نہیں ہے۔

(۲) کاغذی کرنسی عروض میں سے ایک عرض ہے یعنی سامان تجارت کی طرح ہے اور ان کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔

(۳) کاغذی کرنسی سونے چاندی کے علاوہ دوسرے معدنی اور دھاتی سکوں یعنی

(۱) مقدمہ طبع دوم اردو ترجمہ ص۳ طبع فضلی سنز کراچی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



(فلوس) کی طرح ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو فلوس کا ہے۔

(۴) کاغذی کرنسی سونے چاندی کا متبادل ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو سونے اور چاندی کے ٹکڑوں کا ہے۔

ان چاروں نظریات یعنی سند، عرض، والحاق بالفلوس اور بدل عن النقدین پر مصنف نے تفصیلی اور تحقیقی بحث کی ہے اور پہلے تین نظریات چونکہ کرنسی کے ابتدائی ارتقائی مراحل سے تعلق رکھتے ہیں جواب باقی نہیں رہے اس لئے ان تینوں کو مسترد کر دیا ہے بالخصوص دوسرے نمبر والے نظریئے کو تو قابل التفات بھی نہیں سمجھا گیا البتہ چوتھے نظریئے یعنی بدل عن النقدین کو صحیح تر نظریہ قرار دیا ہے لیکن اس کی پشت پر سونے چاندی کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے اس کے بعد کاغذی کرنسی کی شرعی حیثیت کے بارے میں اپنی رائے اس طرح بیان کی ہے:

ان تمام وجوہات کی بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ کرنسی نوٹ ایک ثمن (نقدی) ہیں جو بذات خود اپنی ایک قدر (ویلیو) کے ساتھ قائم ہیں اور ربا کی دونوں اقسام کے جاری ہونے کے سلسلے میں وہ سونے چاندی کے تابع ہیں اور ان کو نقدین ہی پر قیاس کیا جائے گا اور انہیں ربا کے احکام کے ضمن میں ثمنیت کے اعتبار سے دیکھا جائے گا۔(۱)

اس کے بعد فاضل مصنف نے کاغذی نوٹوں کی قیمت کے عنوان سے آخری بحث کی ہے کرنسی نوٹوں کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علم اقتصادیات کے ماہرین نے کرنسی نوٹوں کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ پر خصوصی توجہ دی ہے اور ان کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ کرنسی میں اگر اعتماد کرنے کے اسباب پورے پائے جائیں اور ملک پر کسی قسم کا اقتصادی بحران نہ آئے تو یہ نوٹ اپنی اصل

(۱) اردو ترجمہ بنام کاغذی کرنسی ص۲۹ تا ۶۱ اور ۹۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حیثیت بر قرار رکھتے ہیں اور اس کی قدر میں کوئی کمی نہیں آتی اور لوگ کرنسی نوٹوں کی قیمتوں میں جو اتار چڑھاؤ دیکھتے اور سنتے ہیں یہ دراصل نوٹوں کی قیمت کا اتار چڑھاؤ نہیں ہے بلکہ یہ اس سامان کی کمی بیشی کا معاملہ ہے جس سے یہ کرنسی وابستہ ہے کہ مارکیٹ میں اس کی طلب ورسد کے اعتبار سے جو صورت حال پیدا ہوتی ہے وہ ان نوٹوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔(ص ۹۱)

نقود ورقیہ کے ماہرین اور اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں کرنسی کی ساکھ (ویلیو) بر قرار رکھنے کے لئے سونا جمع کر کے رکھنا اور اس پر بھروسہ کرنا ضروری نہیں ہے اور نہ اس کی بڑی مقدار ذخیرہ کرنے کی ضرورت ہے بلکہ کرنسی کی ساکھ کا تعلق اول و آخر کسی ملک کی اندرونی اقتصادی صورت حال پر کنٹرول ہے اور پھر عالمی سطح پر اقتصادی تبدیلیوں کے اثرات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ہے حالات وواقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ اقتصادی تبدیلیوں کے اثرات کا مقابلہ کرنے کے لئے سونا کبھی بھی بہترین مقابل نہیں رہا۔ آگے چل کر لکھتے ہیں اگر کاغذی کرنسیوں اور سونے کا تعلق انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (آئی ایم ایف) کے ذریعے قائم رہتا تو اس کا بھی کسی ملک کے اندرونی تجارتی معاملات پر اثر نہ پڑتا اس کا ثبوت یہ ہے کہ تجارتی لین دین کی دنیا میں کاغذی کرنسی کی قیمت اس کی سونے سے منسوب قیمت کے مقابلہ میں کم ہوئی ہے اور اس کی کمی کا جاری کرنے والوں کی جانب سے کوئی عوض معاوضہ نہیں دیا گیا۔(۱)

مصنف نے کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت اور رأس المال کی قدر و قیمت کے اسباب کے بارے میں جو رائے قائم کی ہے اس کے نتائج بیان کرتے ہوئے کتاب کے آخر میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا جامع خلاصہ یہ ہے کہ:

---

(۱) ص ۹۶ تا ۹۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۱۔ ایک ملک کی کاغذی کرنسی میں ربا الفضل اور ربا النسیئہ کی دونوں قسمیں جاری ہوں گی جیسے سونے چاندی اور دیگر معدنی کرنسی میں جاری ہوتی ہیں۔

۲۔ ایک ہی ملک کی کرنسی نوٹوں کی آپس میں کمی بیشی کے ساتھ ادھار یا نقد خرید و فروخت جائز نہ ہوگی مثلاً ۵ اکاغذی ریال کے بدلے ۶ اکاغذی ریال لینا جائز نہ ہوگا۔

۳۔ مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کی آپس میں کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت جائز ہوگی مثلاً ایک امریکی ڈالر ۵ سعودی ریالوں یا اس سے کم وبیش کے عوض بیچنا جائز ہوگا بشرطیکہ دست بدست ہو۔

۴۔ کرنسی نوٹوں پر زکوۃ بھی فرض ہوگی جب کہ ان کی قیمت سونے یا چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کے برابر ہو جائے یا سامان تجارت کے ساتھ مل کر یہ نصاب کو پہنچ جائیں۔

۵۔ کرنسی نوٹوں کو بیع سلم اور دوسرے شراکتی معاملات میں رأس المال قرار دینا جائز ہوگا۔

درج بالا نتائج سے ثابت ہوتا ہے کہ قرض دیئے گئے یا کسی چیز کی قیمت کے طور پر عائد کئے گئے کرنسی نوٹوں کی مقدار میں سونے یا اشیاء صرف کی قیمت کے حساب سے اضافہ لینا دینا اسی طرح کا سود ہے جس طرح کہ سونے یا چاندی کی طے شدہ مقدار پر اضافہ لینا دینا سود اور ربا ہے۔ اس لئے کہ دونوں اثمان ہیں ایک خلقی اور دوسرا عرفی۔

## فقہ اکیڈمی انڈیا کی رائے

(۲) اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کے دوسرے فقہی سیمینار منعقدہ ۸، ۹، ۱۰، ۱۱ دسمبر ۱۹۸۹ء میں پہلا زیر غور مسئلہ کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت کا تھا شرعی حیثیت کے بارے میں شرکاء سیمینار کا متفقہ فیصلہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ا۔ کرنسی نوٹ سند و حوالہ نہیں ہے بلکہ ثمن ہے عصر حاضر میں نوٹوں نے ذریعہ تبادلہ ہونے میں مکمل طور پر زر خلقی (سونا چاندی) کی جگہ لے لی ہے اور باہمی لین دین نوٹوں کے ذریعے انجام پاتا ہے اس لئے کرنسی نوٹ بھی احکام میں ثمن حقیقی کے مشابہ ہے لہذا ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کمی و بیشی کے ساتھ نہ تو نقد جائز ہے نہ ادھار۔

۲۔ دو ملکوں کی کرنسیاں دو اجناس ہیں اس لئے ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دوسرے ملک کی کرنسی سے کمی بیشی کے ساتھ حسب رضائے فریقین جائز ہے۔

۳۔ نوٹوں پر زکوۃ لازم ہوگی اور نوٹوں میں زکوۃ کا نصاب چاندی کے نصاب کی قیمت کے مساوی ہوگا۔

اکیڈمی کے سیکرٹری جنرل مولانا مجاہد الاسلام قاسمی نے بحث کے لئے ۵ سوالات مرتب کئے تھے ان میں سے چوتھا سوال اشاریہ بندی سے متعلق تھا اور پانچواں سوال یہ تھا کہ کیا یہ جائز ہوگا کہ نوٹوں کی شکل میں قرض دیتے وقت یا مہر کے تقرر کے وقت یا ادھار فروختگی کے وقت طرفین واجب الاداء نوٹوں کی مالیت سونے یا چاندی میں طے کرلیں اور بوقت ادائیگی اس قدر سونے یا چاندی کی قیمت کے مساوی نوٹ ادا کرنے پر معاملہ طے کرلیں؟ اس کے جواب میں ۱۴ مقالہ نگاروں میں سے ۸ اکابر اور جید علماء نے اپنے مقالوں میں ثابت کیا ہے کہ جائز نہیں ہے کیونکہ اقراض و دیون میں واپسی بالمثل ہوتی ہے بالقیمت نہیں ہوتی اور مثلیت سے مراد قدر و قیمت میں برابری نہیں ہے بلکہ کمیت اور نوعیت میں برابری مراد ہے جیسا کہ اموال ربویہ کے بارے میں احادیث سے ثابت ہے اور فقہاء کا فیصلہ ہے اور ۶ مقالہ نگاروں نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ (۱)

---

(۱) جدید فقہی مباحث ص ۷۴ تا ۷۹ ج ۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لیکن سیمینار کے تمام شرکاء نے کرنسی نوٹ کی جو مذکورہ بالا شرعی حیثیت بالاتفاق متعین کی ہے اس کا منطقی تقاضیٰ تو یہ ہے کہ قرض ودین کی ادائیگی کے وقت پہلے سے طے شدہ نوٹوں پر اضافہ لینا جائز نہ ہو اس لئے کہ جب نوٹوں نے مکمل طور پر سونے چاندی کی جگہ لے لی ہے اور سونے چاندی کی صورت میں تو اضافہ لینا سود ہے تو کرنسی نوٹوں پر اضافہ کس طرح سود نہیں ہوگا؟ مگر چونکہ اتفاق رائے نہیں ہو سکا تھا اس لئے فیصلہ یہ ہوا کہ اس بارے میں کوئی فیصلہ آئندہ مزید غور وفکر کے بعد کیا جائے گا البتہ مہر کے بارے میں طے ہوا کہ اس کی تعیین سونے چاندی کے ذریعے عمل میں آئے تاکہ عورتوں کے حقوق کا تحفظ ہو سکے اور سکوں کی قوت خرید میں کمی کی وجہ سے ان کو نقصان نہ پہنچے۔(۱)

## مولانا تقی عثمانی کی رائے

(۳) دارالعلوم کراچی کے شیخ الحدیث اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے نائب صدر اور پاکستان کی شریعت اپیلیٹ بنچ کے جج مولانا تقی عثمانی نے کاغذی کرنسی کی فقہی حیثیت پر الگ مقالہ لکھا ہے اور کرنسی کی قوت خرید اور ادائیگیوں پر اس کے اثرات کے موضوع پر الگ مقالہ لکھا ہے جو ان کے فقہی مقالات جلد اول میں شامل ہے پہلے مقالے میں کاغذی کرنسی کے عالمی نظام میں تغیرات اور ارتقائی مراحل پر بڑی اچھی مستند اور مفید معلومات دی گئی ہیں اور اس کی فقہی حیثیت یہ بتائی گئی ہے کہ ابتداء میں یہ سند اور حوالہ کی حیثیت رکھتی تھی لیکن اب یہ مستقل ثمن عرفی اور زر قانونی کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اور دوسرے مقالے میں تفصیل کے ساتھ احادیث نبویہ اور فقہی نصوص کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ اقراض و دیون میں ادائیگی بالمثل ہو گی اور

---

(۱) ص ۵۶۸ ج ۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



، مثلیت سے مراد جنس وقدر یعنی وزن ناپ اور عدد میں برابری ہے قیمت میں برابری مراد نہیں ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے اپنی تحقیقی اور مدلل رائے کی تائید میں پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل کا یہ متفقہ فیصلہ بھی نقل کیا ہے کہ قرضوں کی قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ ربط کے نظریہ کی شریعت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور اسلامی ترقیاتی بینک جدہ اور عالمی ادارہ برائے اسلامی اقتصادیات اسلام آباد نے مشترکہ طور پر ۱۴۰۷ھ میں جو سیمینار منعقد کیا تھا اس کی متفقہ قرارداد بھی پیش کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

"کرنسی نوٹ تمام معاملات میں نقدین یعنی درہم اور دینار کی طرح ہے (مثلاً سود جاری ہونے' زکوۃ واجب ہونے' بیع سلم اور مضاربت و مشارکت میں رأس المال بننے میں) سود اور قرض کی احادیث میں جو مثلیت اور برابری ضروری قرار دی گئی ہے اس سے شرعی جنس اور قدر یعنی وزن ناپ اور عدد میں برابری مراد ہے قیمت میں برابری مراد نہیں ہے اور یہ بات ان احادیث کے ذریعہ پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

جو اموال ربویہ کے تبادلہ میں عمدہ اور گھٹیا ہونے کے وصف کو غیر معتبر قرار دیتی ہیں اور اسی پر امت کا اجماع ہے اور اسی پر عمل جاری ہے۔ دیون چاہے وہ کسی بھی قسم کے ہوں ان کو قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ منسلک کر دینا جائز نہیں کہ ان کو کسی سامان کے ساتھ منسلک کر کے یہ شرط ٹھہرائیں کہ مدیون ادائیگی کے وقت اس سامان کی قیمت موجودہ کرنسی میں ادا کرے گا۔(۱)

ظاہر ہے کہ جب اشیاء صرف کی قیمتوں کے حساب سے ادائیگی جائز نہیں ہے تو سونے کی قیمت کے حساب سے ادائیگی بھی جائز نہیں ہو سکے گی کیونکہ کاغذی نوٹ ثمن عرفی اور زر قانونی ہونے کی وجہ سے سونے چاندی اور دیگر اموال ربویہ کی طرح

(۱) تفصیلی دلائل کے لئے ملاحظہ کیجئے فقہی مقالات میمن اسلامک پبلشرز کراچی ص ۱۳ تا ۸۷ ج ۱۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہیں اور اموال ربویہ میں عمدہ اور گھٹیا اور قیمتوں کی اتار چڑھاؤ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

## مولانا غلام رسول سعیدی کی رائے

(۴) دار العلوم نعیمیہ کراچی کے شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی جو بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں ان کی پہلی رائے یہ تھی کہ اگر قرض میں پہلے یہ طے کر لیا جائے کہ معیار سونا ہوگا تو واپسی کے وقت سونے کی قیمت کے حساب سے ادائیگی ہوگی۔ (۱)

لیکن اپنی تفسیر (تبیان القرآن) جو شرح مسلم سے بعد میں لکھی گئی ہے اس میں علامہ سعیدی نے افراط زر کی صورت میں اصل زر کو بحال رکھنے کا حل یہ بتایا ہے کہ جو شخص ۴۔۵ سال یا زائد عرصے کے لئے بینک میں اپنا پیسہ رکھنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنی رقم ڈالرز یا کسی اور مستحکم کرنسی میں منتقل کر کے ان بنکوں میں اپنی رقم رکھے جو غیر ملکی کرنسی میں بھی اکاؤنٹ کھولتے ہیں اسی طرح جو شخص کسی کو قرض دیتا ہے تو وہ اپنی رقم کو ڈالر میں منتقل کر کے قرض دے اور جتنے ڈالر دیئے ہوں اتنے ہی واپس لے لے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر اس نے ملکی کرنسی میں قرض دیا تھا تو پھر بھی ادائیگی کے وقت ڈالر کے حساب سے واپسی ہو سکتی ہے مثلاً قرض دیتے وقت ایک ہزار جتنے ڈالر کے مساوی تھے دس سال بعد اگر اتنے ڈالر کے دس ہزار روپے بنتے ہیں تو وہ دس ہزار روپے لے سکتا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں بہر حال ایک ہزار دے کر دس ہزار لے رہا ہے اور معنوی طور پر خواہ ان کی قدر برابر ہو لیکن ظاہری اور صوری طور پر اس کے سود ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ افراط زر سے بچنے کے لئے ملکی کرنسی کو سونے چاندی سے بدل کر قرض دینا بھی جائز نہیں ہے

(۱) شرح مسلم ص۳۴۷ تا ۳۵۰ ج۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



انتہی ملخصا۔(۱)

علامہ موصوف نے اپنی پہلی رائے سے رجوع اس لئے کیا کہ تفسیر لکھتے وقت ان کی توجہ اس طرف مبذول ہوگئی کہ دیون میں ادائیگی کے وقت قیمت معتبر نہیں ہوتی بلکہ جنس اور مقدار میں برابری معتبر ہوتی ہے اس لئے جتنے روپے دیئے تھے اتنے ہی واپس لینے ہوں گے اور جتنے ڈالر دیئے تھے اتنے ڈالر ہی واپس لینے ہوں گے اسی طرح اگر سونا دیا تھا تو سونا ہی واپس لینا ہوگا اور اگر کاغذی نوٹ دیئے تھے تو نوٹ ہی واپس لینے ہوں گے۔ اسی طرح اگر سونا دیا تھا تو سونا ہی واپس لینا ہوگا اور اگر کاغذی نوٹ دیئے تھے تو نوٹ ہی واپس لینے ہوں گے۔

علامہ سعیدی صاحب نے اپنی رائے کو اپنے مقالات میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس طرح ذکر کیا ہے:

اس کا حل یہ ہے کہ قرض دینے والا مقروض کو ایک ہزار روپے کی کرنسی کے بجائے ایک ہزار روپے کی کوئی جنس مثلاً سونا چاندی یا غلہ قرض دے اور دس سال بعد مثلاً جتنا سونا چاندی یا غلہ قرض دیا تھا اتنا ہی واپس لے لے اس صورت میں قرض خواہ کو کوئی نقصان بھی نہیں ہوگا اور وہ سود کی لعنت سے بھی محفوظ رہے گا۔(۲)

## دوسرے اشکال کا جواب

۲۔ آپ کا دوسرا اشکال یہ ہے کہ مسلمہ فقہی قاعدہ ہے الضرر یزال جو حدیث رسول ﷺ لا ضرر ولا ضرار سے ماخوذ ہے یعنی نقصان کا ازالہ کیا جائے اور نہ نقصان اٹھایا جائے اور نہ پہنچایا جائے۔ آپ کی یہ بات بالکل صحیح ہے کہ یہ مسلمہ قاعدہ

---

(۱) تبیان القرآن ص ۱۰۳۱ ج ۱

(۲) مقالات سعیدی ص ۴۲۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے جس کا ذکر مجلہ ترکیہ کے مادہ ۲۰ میں بھی ہوا ہے الاشباہ والنظائر میں بھی ہوا ہے اور دوسری کتابوں میں بھی اس کا حوالہ متعدد جزئیات میں دیا گیا ہے۔ لیکن اس کا انطباق ہمارے زیر بحث مسئلے پر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ دائن کے جتنے نوٹ مدیون کے ذمے واجب الاداء تھے وہ بغیر کسی کمی اور نقصان وضرر کے اسے واپس ملیں گے باقی رہی قوت خرید میں کمی تو اس کا سبب چیزوں کی قیمتوں میں اضافہ اور مہنگائی ہے جس میں مقروض اور مدیون کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ اس کا سبب یا قدرتی طور پر پیداوار میں کمی اور طلب و رسد میں عدم توازن ہے یا تاجروں اور سرمایہ داروں کے استحصالی اقدامات ہیں یا حکومت کی بد انتظامی اور بد عنوانی ہے یا پھر بین الاقوامی اقتصادی حالات ہیں۔ البتہ اگر کاغذی نوٹ فلوس کاسدہ کی طرح بالکل ناکارہ ہو گئے ہوں اور مارکیٹ میں اس کا چلن ہی ختم ہو گیا ہو تو اس صورت میں وہی پرانے نوٹ دینا جائز نہیں ہو گا کیونکہ نوٹوں کی ثمنیت اور مالیت عرف و قانون کی وجہ سے ہے ورنہ ذاتی طور پر تو یہ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں جن کی کوئی قیمت نہیں ہے اور جب ان کی ثمنیت کساد یعنی چلن بند ہونے کی وجہ سے ختم ہو گئی تو اس صورت میں وہی پرانے نوٹ دینا ثمن عرفی اور زر قانونی کے بدلے میں کاغذ کے ٹکڑے دینا ہے جو یقیناً ضرر و نقصان پہنچانا ہے اور ظلم ہے اس لئے لازم ہے کہ مدیون ان نوٹوں کی وہ قیمت واپس کرے جو قرض یا بیع کے وقت تھی۔ باقی رہا آپ کا یہ استدلال کہ لا تظلمون و لا تظلمون کا تقاضہ یہ ہے کہ دائن کے رأس المال میں کمی نہ کی جائے تو اس استدلال کی بنیاد آپ کا وہی پہلا اشکال ہے جس کا جواب تفصیل کے ساتھ عرض کر دیا گیا ہے آیت کا مفہوم تمام مفسرین نے یہی بیان کیا ہے کہ رأس المال کی جنس اور مقدار پوری کی پوری واپس کی جائے گی اور فلکم رؤس اموالکم کا بھی یہی تقاضیٰ ہے یہ تو کسی نے کہا بھی نہیں ہے اور سیاق کلام کے منافی بھی ہے کہ رأس المال کی قیمت میں کمی نہ کرو بلکہ پوری کی پوری قیمت واپس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کرو۔ یہ تو وہی دلیل ہے جو حکومت نے اپنی اپیل میں پیش کی ہے کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا تھا کہ فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاء ھم تم ناپ تول پورا کیا کرو اور لوگوں کو نقصان نہ پہنچاؤ ان کی چیزوں میں سورۃ مطففین میں ان لوگوں کو عذاب کی خبر سنائی گئی ہے جو ناپ تول میں کمی بیشی کرتے ہیں اپیل کا استدلال یہ تھا کہ کرنسی کی قیمت میں کمی کو پورا نہ کرنا ناپ تول میں کمی کرنا ہے اور لوگوں کو نقصان پہنچانا ہے حالانکہ کیل اور وزن اور عدد کا تعلق چیزوں کی مقدار سے ہوتا ہے قیمتوں سے تو نہیں ہوتا۔ ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق ناپ کر یا تول کر یا گن کر پورے کے پورے ادا کرو اور ان میں ذرہ بھر کمی نہ کرو۔ ایک تولہ سونا واجب الاداء ہے تو ایک تولہ واپس کرو ایک من گندم واجب الاداء ہے تو اس میں ایک چھٹانک کی کمی نہ کرو اور اگر ایک ہزار روپے کے کاغذی نوٹ واجب الاداء ہیں تو ان میں ایک روپے کی کمی بھی نہ کرو بلکہ پورے ایک ہزار واپس کرو۔

## تیسرے اشکال کا جواب

(۳) آپ کا تیسرا اشکال قرض اور غصب اور اموال ربویہ اور اموال غیر ربویہ کے درمیان فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ آپ نے میری اس بات کو تو تسلیم کیا ہے کہ کاغذی کرنسی مستقل طور پر ثمن عرفی اور مال مثلی ہے اور سونے چاندی کی قائم مقام بن چکی ہے اور فقہاء کے اس قاعدے کو بھی آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ اشیاء ستہ یعنی اموال ربویہ میں مثلیت سے مراد قدر و جنس میں برابری ہے قیمت میں برابری مراد نہیں ہے لیکن فقہاء نے بعض صورتوں میں مثلی اشیاء میں بھی قیمت اور منفعت کو ملحوظ رکھا ہے آپ نے اس کے ثبوت میں غصب سے تعلق رکھنے والی دو مثالیں پیش کی ہیں ایک یہ کہ اگر غصب کردہ چیز بازار سے ناپید ہوگئی ہو تو اس کی قیمت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ادا کی جائے گی اور دوسری مثال آپ نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے مقالے سے یہ پیش کی ہے کہ صحرا میں غصب کردہ پانی کے بدلے میں پانی نہیں بلکہ اس کی قیمت واپس کی جائے گی اس لئے کہ صحرا میں پانی دستیاب نہیں ہوتا اور اس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔

ان مثالوں کی وجہ سے آپ کا اشکال یہ ہے کہ جب غصب کردہ چیزوں میں قیمت ملحوظ رکھی جاسکتی ہے تو قرض لی گئی کرنسی نوٹوں میں بھی ان کی قیمت اور قوت خرید کو ملحوظ رکھنا چاہئے اور قیمت میں کمی کو پورا کرنا چاہئے۔ اس اشکال کے ازالے کے لئے مندرجہ ذیل نکات پر غور کیجئے۔

(الف) سونے چاندی گندم جو' کھجور اور نمک کے تبادلے کے بارے میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث میں مثلاً بمثل کا جو لفظ آیا ہے اس سے مقدار میں مثلیت مراد ہے قیمت میں مثلیت مراد نہیں ہے اس لئے کہ ابو سعید خدریؓ کی دوسری حدیث میں وزنا بوزن اور کیلا بکیل کا لفظ آیا ہے اور کیل و وزن یعنی ناپ اور تول کا تعلق مقدار سے ہوتا ہے بلکہ ایک حدیث میں تو صریح الفاظ میں آیا ہے کہ جیدھا ورديئها سواء یعنی عمدہ اور گھٹیا دونوں برابر ہیں۔(۱)

یہی وجہ ہے کہ صحیحین کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمدہ کھجور کی ایک صاع کے بدلے میں گھٹیا قسم کی کھجور کے دو صاع لینے دینے کو سود قرار دیا ہے حالانکہ ان دونوں کی مالیت اور قیمت میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔ انہی دلائل کی بنا پر امام سرخسیؒ نے لکھا ہے:

والمراد به المماثلة فى القدر دون الصفة و ان كان مطلق اسم المماثلة يتناولهما و لكنه ذكر هذا الحديث فى اول كتاب الصرف و ذكر

---

(۱)ہدایہ کتاب البیوع باب الربا)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مکان قوله مثلا بمثل وزنا بوزن فبذالك اللفظ يتبين ان المراد من هذا اللفظ المماثلة في الوزن و بهذا اللفظ يتبين ان المراد بقوله وزنا بوزن المماثلة قدراً لا وصفا و كلام رسول الله ﷺ يفسر بعضه بعضا .... و في حديث عبادة بن الصامت قال جيدها و رديئها سواء فهو بيان ان المراد المماثلة في القدر (۱)

"مثلاً بمثل سے مراد مقدار اور کمیت میں برابری ہے صفت میں برابری مراد نہیں ہے (یعنی عمدہ اور گھٹیا ہونے میں) اگر چہ مماثلت کا لفظ دونوں کو شامل ہے لیکن یہ حدیث مبسوط کی کتاب الصرف کے آغاز میں بھی ذکر ہوئی ہے اور وہاں پر مثلاً بمثل کی جگہ وزنا بوزن کا لفظ آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مماثلت وزن میں مراد ہے اور وزن کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مماثلت مقدار میں مراد ہے وصف میں مراد نہیں ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ایک دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے.... اس کے علاوہ عبادہ بن صامتؓ کی حدیث میں فرمایا ہے کہ ان چیزوں میں جید اور ردی یعنی اعلی اور ادنی دونوں برابر ہیں تو یہ بھی اس بات کا بیان ہے کہ مثل بمثل سے مراد مقدار میں برابری ہے۔"

(ب) جب کاغذی کرنسی سونے کا متبادل ہے اور ثمن عرفی ہے تو اس میں بھی مثلیت مقدار اور جنس میں معتبر ہوگی وصف و معنویت اور قیمت و مالیت میں مثلیت مراد نہیں ہوگی اور ادائیگی اسی ملک کے نوٹوں میں ہوگی جس ملک کے نوٹ لئے گئے تھے قیمت و مالیت کا فرق اثر انداز نہیں ہوگا۔

(ج) غصب کے احکام اور قرض کے احکام میں کئی وجوہ سے فرق ہے مشہور حنفی فقیہ عبداللہ بن محمود بن مودود الموصلی المتوفی ۶۸۳ھ اپنی کتاب المختار اللفتوی میں لکھتے

(۱) المبسوط للسرخسی ص ۱۱۰ تا ۱۱۱ ج ۱۲ فی اوائل البیوع طبع بیروت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہیں:

و من غصب شیئا فعلیه رده فی مکان غصبه فان هلك و هو مثلی فعلیه مثله و ان لم یکن مثلیا فعلیه قیمته یوم غصبه و ان نقص ضمن النقصان و اذا نقطع یجب قیمته یوم القضاء.(۱)

”جس نے کسی کی کوئی چیز غصب کی ہو تو اس پر لازم ہے کہ جس جگہ سے غصب کی تھی اسی جگہ پر واپس پہنچا دے اگر وہ چیز ہلاک اور ضائع ہو گئی ہو اور وہ چیز مثلی تھی تو اسی طرح کی چیز واپس کرنی لازم ہے اور اگر وہ مثلی نہیں تھی تو غصب کے وقت اس کی جو تھی وہ واپس کرنی ہو گی اور اگر غصب کردہ چیز میں کمی آ گئی ہو تو اس کمی کو پورا کرنا غاصب پر لازم ہو گا لیکن جب وہ چیز ناپید ہو گئی ہو تو (مثلی ہونے کے باوجود) قاضی کے فیصلے کے وقت اس کی جو قیمت ہو وہ ادا کرنی ہو گی۔“

(ابو یوسفؒ کے نزدیک غصب کے وقت جو قیمت تھی وہ دینی ہو گی اور امام محمدؒ کے نزدیک ناپید ہونے کے وقت کی قیمت دینی ہو گی۔)

ہدایہ اور دوسری کتابوں میں بھی اسی طرح کے احکام بیان ہوئے ہیں جو قرض کے احکام سے الگ اور جدا ہیں مثلاً قرض اموال مثلیہ میں صحیح ہے اور غیر مثلی میں صحیح نہیں ہے مگر غصب مثلی اور غیر مثلی دونوں کا ہو تا رہتا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ مال مغصوبہ بعینہ واپس کرنا واجب ہے مثلی میں مثل اور غیر مثل میں قیمت کی واپسی اسی وقت معتبر ہو گی جب کہ حاصل کردہ چیز اپنی اصل شکل میں موجود نہ ہو بلکہ ضائع ہو گئی ہو لیکن قرض لیا گیا مال بعینہ واپس نہیں کیا جائے گا بلکہ لینے والا اسے اپنی ضرورت پر خرچ کرے گا۔ اور وقت مقررہ پر اس کی مثل واپس کرے گا البتہ ایک صورت میں غصب اور قرض کا حکم یکساں ہے اور وہ یہ ہے کہ غصب شدہ مال یا قرض لیا

(۱) الاختیار لتعلیل المختار ص۵۹ ج۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



گیامال مارکیٹ سے غائب ہو گیا ہو ناپید ہو گیا ہو اور اس کا چلن اور لین دین ختم ہو گیا ہو تو اس صورت میں قیمت واپس لی جائے گی اس لئے کہ جب مثل کی ادائیگی ممکن نہ ہو تو قیمت اس کی قائم مقام ہو جاتی ہے لیکن یہ یکسانیت آپ کی رائے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اس لئے کہ آپ کی رائے تو یہ ہے کہ واجب الادا نوٹوں کی قوت خرید میں اگر کمی آگئی ہو تو اس کے بدلے میں اضافی رقم لینا جائز ہے۔ اور یہاں پر مسئلے کا انطباق اس صورت پر ہوتا ہے کہ نوٹ کاسد ہو جائیں اور ان کا چلن بند ہو جائے تو پھر قیمت ادا کی جائے گی اور یہ صحیح ہے۔ لیکن زیر بحث تو یہ صورت نہیں ہے۔

باقی رہی مال مغصوبہ میں غاصب کے قبضے میں نقصان کی بات۔ تو اگر مقدار میں کمی ہوئی تھی مثلاً ایک من گندم غصب کی تھی اور اس میں دس سیر کی کمی آگئی تو ظاہر ہے کہ اسے پورا کرنے کا ذمہ دار غاصب ہی ہو گا لیکن اگر غصب کردہ چیز اموال ربویہ میں سے تھی مثلاً ایک من گندم غصب کی تھی اور غاصب کے پاس اس میں تعفن آگیا اور وہ خراب ہو گئی مگر مقدار میں کمی نہیں آئی تو اس صورت میں گندم کا مالک یعنی مغصوب منہ یہ مطالبہ نہیں کر سکتا کہ گندم تو ایک من ہے مگر چونکہ خراب ہو گئی ہے اس لئے مجھے ڈیڑھ من گندم واپس کی جائے کیونکہ اموال ربویہ میں چونکہ جید اور ردی برابر ہوتے ہیں اس لئے ایک من کے بدلے میں ڈیڑھ من لینا ربا متصور ہو گا جو حرام ہے۔ البتہ غصب شدہ گندم جیسی گندم اگر مل سکتی ہو تو مالک کو اختیار ہے کہ وہ اسی خراب گندم کو قبول کرتا ہے بغیر کسی اضافے کے یا اپنی گندم کی مثل فراہم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

شیخ الاسلام مرغینانی اسی صورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و مراده غير ربوى اما في الربويات لا يمكنه تضمين النقصان مع استرداد الاصل لانه يؤدى الى الربا و قال في العنايه في شرحه كما

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اذا غصب حنطة فعفنت عنده ولكن صاحبه بالخيار ان شاء اخذ ذالك بعينه ولا شیئی له غیرہ و ان شاء ترکه و ضمنه مثله۔

(ہدایہ مع العنایہ ص۳۲۸ ج۹ کتاب الغصب)

"امام قدوری کی مراد غیر سودی اموال ہیں ورنہ اموال ربویہ میں اصل مال کی واپسی کے ساتھ نقصان پورا کرنے کی ذمہ داری ڈالنا شرعاً ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ ربا بن جاتا ہے۔ عنایہ میں اس کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ مثلاً گندم غصب کی تھی اور وہ غاصب کے پاس متعفن ہو گئی تو اس خرابی کے بدلے میں اضافہ طلب نہیں کیا جا سکتا البتہ مالک یعنی مغصوب منہ کو اختیار ہے کہ وہ اسی خراب گندم کو لیتا ہے مگر اس صورت میں اسے مزید کچھ نہیں ملے گا۔ یا اس کو وصول نہیں کرتا اور غاصب سے اپنی گندم کا مثل فراہم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔"

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ طحطاوی سے مال مغصوبہ میں نقصان کی ضمانت کے بارے میں جو مسئلہ آپ نے اپنے خط میں نقل کیا ہے یہ فقہ کی عام کتابوں میں بھی نقل ہوا ہے۔ مگر اس کا تعلق اموال غیر ربویہ سے ہے اور ہمارا موضوع کاغذی کرنسی ہے جو سونے کا بدل ہونے کی وجہ سے اموال ربویہ میں سے ہے۔ جن میں اصل راس المال کے علاوہ قیمت ومالیت میں نقصان اور کمی کے بدلے میں اضافہ لینا ربا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اپنی تائید میں غصب سے متعلق جو دو مسئلے آپ نے نقل کئے ہیں آپ کے لئے مفید نہیں ہیں۔

## مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے مقالے کا جائزہ

آپ نے صحرا اور بیابان میں پانی غصب کرنے کی جو مثال دی ہے یہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب صدر مدرس سبیل السلام حیدر آباد کے مقالے سے ماخوذ ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جو جدید فقہی مباحث ص ۶۳ تا ۸۰ ج ۲ پر چھپا ہوا موجود ہے۔ بلکہ آپ کے دلائل اور اشکالات وہی ہیں جو مولانا رحمانی کے ہیں۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ ان کے مقالے پر مختصر سا تبصرہ کر لیا جائے۔ اور یہی آپ کے اشکالات کا جواب ہو گا۔

علامہ رحمانی صاحب نے اپنے مقالے میں ایک طرف تو چاروں مکاتب فکر کی مستند اور متداول کتابوں کے حوالے سے بجا طور پر لکھا ہے کہ مثلی اموال کے قرض و دین یا غصب و اتلاف سب صورتوں میں مثل ہی واپس کرنا ہو گا۔ اور نرخوں کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے قیمتوں کی کمی بیشی کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا الا یہ کہ وہ مال مثلی ناپید ہو جائے اور ملتا ہی نہ ہو تو اس صورت میں قیمت ادا کی جائے گی اور یہ بھی انہوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ کاغذی نوٹ دراہم و دنانیر کی طرح مال مثلی ہیں جس طرح کہ فلوس یعنی دھاتی سکے مال مثلی اور ثمن عرفی ہیں۔ ان کی اس تحقیق کا نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ قرض دیئے گئے نوٹوں کی واپسی کے وقت ان کی قوت خرید اور مالیت و قیمت اثر انداز نہیں ہو گی بلکہ جتنے نوٹ لئے تھے اتنے ہی واپس کرنے ہوں گے۔ لیکن دوسری طرف چونکہ انہوں نے فقہاء کے مسلمہ اصول اور علماء عصر کی اکثریت کے فیصلے کو نظر انداز کر کے یہ رائے بنالی ہے کہ کرنسی نوٹوں کی قیمت میں کمی کو پورا کرنے کے لئے اضافی رقم لینا ربا نہیں ہے بلکہ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کمی پوری کی جائے اس لئے انہوں نے شاذ و نادر قسم کی مثالیں تلاش کر کے ان کا سہارا لینے کی کوشش کی ہے۔(۱)

حالانکہ علماء راسخین کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مسلمہ اصول و ضوابط اور اجماعی فیصلے یا جمہور فقہاء کے فیصلے کے خلاف شاذ قسم کی جزئیات کی تاویل کرتے ہیں ان کو دلیل نہیں بناتے۔ انہوں نے پانی کی جو مثال دی ہے وہ سیوطی کی الاشباہ میں اس طرح نقل ہوئی ہے:

---

(۱) ص ۷۶ تا ۷۳ ج ۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ان المضمونات انواع الاول الغصب فالمثل فی المثلی والقیمة فی المتقوم لا اعلم فیه خلافاً الثانی الاتلاف بلا غصب و هو کذالك و خرج عنهما صور احدها المثلی الذی خرج مثله عن ان تکون له قیمة کمن غصب او اتلف ماءً فی مفازة ثم اجتمعا علی شط نهر او فی بلد او اتلف علیه الجمد فی الصیف واجتمعا فی الشتاء فلیس للمتلف بدل المثل بل علیه قیمة المثل فی مثل تلك المفازة او فی الصیف ثانیها الحلی اصح الاوجه انه یضمن مع صنعته بنقد البلد و ان کان من جنسه ولا یلزم من ذالك الربا لانه یجری فی العقود لا فی الغرامات۔(۱)

”جن چیزوں کا تاوان واجب ہوتا ہے ان کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قسم غصب شدہ چیز کی ہے جس کا حکم یہ ہے کہ مثلی کے بدلے میں مثل واپس کرنا ہےاور ذوات القیم (غیر مثلی) کے بدلے میں قیمت واپس کرنی ہے۔ اس حکم میں مجھے کسی کا اختلاف معلوم نہیں اور دوسری قسم بغیر غصب کے کوئی چیز ضائع اور تلف کرنا ہے۔ اس کا حکم بھی غصب جیسا ہے لیکن ان میں بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ ایک وہ مثلی چیز ہے جس کے مثل کی قیمت ہی ختم ہوگئی ہو۔ مثلاً ایک شخص نے کسی کا پانی صحرا اور بیابان میں زبردستی چھین لیا ہو یا اسے تلف کردیا ہو اور پھر دونوں کسی دریا کے کنارے پر یا کسی شہر میں اکٹھے ہوجائیں یا کسی نے گرمی کے موسم میں کسی کی برف ضائع کردی ہو اور پھر سردی کے موسم میں دونوں اکٹھے ہوجائیں تو پانی اور برف ضائع کرنے والے یا چھیننے والے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ دریا کے کنارے پر اتنا پانی دیدے جتنا اس نے چھینا تھا۔ یا سردی کے موسم میں اتنی برف دے دے جتنی اس نے ضائع کی تھی بلکہ بیابان میں اس پانی کی جتنی قیمت بنتی تھی اور گرمی کے موسم میں اس برف کی جتنی قیمت تھی وہ

(۱)الاشباہ والنظائر از جلال الدین سیوطی ص۳۵۶تا۳۵۷ طبع مصر ۱۹۵۹ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



غاصب یا متلف پر واجب ہے۔اور دوسری استثنائی صورت یہ ہے کہ صحیح ترین توجیہ کے مطابق غصب کردہ یا تلف کردہ زیور کی بناوٹ کی قیمت کے ساتھ مروجہ سکوں میں قیمت ادا کی جائے گی اگرچہ وہ قیمت زیور کے جنس میں سے ہو اور اس سے ربا لازم نہیں آتا۔اس لئے کہ ربا عقود اور معاہدوں میں جاری ہوتا ہے چیزوں کا تاوان ادا کرنے میں جاری نہیں ہوتا۔"

میں نے پوری عبارت اس لئے نقل کی ہے کہ فاضل مقالہ نگار نے تشریح کے بغیر مختصر سا ترجمہ کیا تھا جس سے مسئلے کی اصل وجہ عام قارئین یا سامعین کے سامنے نہیں آسکتی تھی۔

اس کے جواب میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ دو مثالیں غصب و اتلاف کے ضمان و تاوان سے متعلق ہیں۔ قرض و دین یا بیع و شراء سے متعلق نہیں ہیں۔ اور عقود و معاہدات کے احکام ضمانات و غرامات کے احکام کے ساتھ ہر چیز میں برابر نہیں ہوتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ سیوطی نے اس بات پر تو اجماع نقل کیا ہے کہ ذوات الامثال کا بدل بالمثل ادا کیا جائے گا اور ذوات القیم کا عوض بالقیمت دیا جائے گا البتہ پانی اور برف کو مخصوص صورت میں اس لئے مستثنیٰ کیا ہے کہ دشت و بیابان میں پانی کی اور گرمیوں کے موسم میں برف کی قیمت اور ضرورت ہوتی ہے۔لیکن دریا کے کنارے پر یا آبادی کے اندر پانی کی کوئی قیمت نہیں ہوتی بلکہ بالعموم بغیر قیمت کے مفت کے ملتا ہے اور انہار و آبار یعنی نہروں، دریاؤں اور کنوؤں کا پانی بیچنا جائز بھی نہیں ہے۔اسی طرح گرمیوں کے موسم میں برف کی بڑی قیمت اور ضرورت ہوتی ہے اور سردیوں کے موسم میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔بلکہ لوگ مفت استعمال کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے۔اس لئے اس مخصوص صورت میں پانی اور برف کی مثل نہیں بلکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قیمت ادا کرنی ہوگی۔ کیونکہ جب اس کے مثل کی کوئی قیمت ہی نہیں ہے تو وہ کس طرح اس کا بدل اور عوض بن سکتا ہے؟

ظاہر ہے کہ کسی قیمتی چیز کے بدلے میں ایسی چیز دینا جو ظاہری صورت میں تو اس کی مثل ہو لیکن اس کی کوئی افادیت معنویت اور قیمت نہ ہو۔ عدل وانصاف کے تقاضے کے منافی ہے۔ اگر کرنسی نوٹ کی قیمت اور ثمنیت ختم ہوگئی ہو تو وہ بھی اس نوٹ کا بدل نہیں بن سکتا۔ جس کی قیمت تھی اور وہ ثمن عرفی اور زر قانونی تھا۔ نرخوں (اسعار) کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے قیمتوں میں کمی بیشی کا حکم الگ ہے۔ جو ہمارا موضوع بحث ہے۔ اور قیمت کا بالکل ختم ہو جانا الگ مسئلہ ہے۔ جو ہمارے موضوع سے متعلق نہیں ہے۔

باقی رہی زیور کی مثال تو ظاہر ہے کہ سونے کے ڈھلانے اور بنانے کی بھی قیمت ہوتی ہے تو اگر جتنا سونا زیور میں تھا اتنا ہی تول کر مالک کو دے دیا جائے تو یہ اس کا نقصان ہوگا جو نرخ کی کمی کی وجہ سے نہیں بلکہ ڈھلائی اور بناوٹ کی قیمت نہ دینے کی وجہ سے اسے پہنچایا گیا ہے۔ مثلاً زیور میں پانچ دینار کا سونا تھا اور غاصب نے اسے چھ دینار دیئے تو یہ ایک دینار بنانے اور ڈھلانے کی قیمت ہوگی لیکن اگر وہی پانچ دینار دیئے گئے جو زیور میں تھے حالانکہ بنانے ڈھلانے کی قیمت کے ساتھ زیور کی قیمت چھ دینار تھی تو یہ بے انصافی ہوگی۔ اس کے علاوہ زیور استعمال کی چیز ہے اور اسی وجہ سے اس میں زکوۃ کا واجب ہونا اختلافی مسئلہ ہے اجماعی مسئلہ نہیں۔ حالانکہ سونے میں تو زکوۃ کا واجب ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔ زیور کی مثال کا بھی ہمارے زیر بحث مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس لئے کہ نوٹوں کی مالیت اور ثمنیت کے علاوہ بناوٹ اور طباعت کی الگ کوئی قیمت تو مقرر نہیں کی گئی تاکہ اس کے بدلے میں زائد نوٹ عائد کئے جائیں اس لئے جتنے لئے تھے اتنے ہی واپس کرنے ہوں گے۔ قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے نوٹوں کی مقدار میں کمی بیشی کرنا تو تقاضائے عدل نہیں۔ جیسا کہ فاضل مقالہ نگار نے کہا ہے کیونکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قیمتوں کے تفاوت و تغیر میں مدیون کا کوئی قصور نہیں ہے۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے خود بھی مبسوط اور فتاوی ابن تیمیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ادائیگی بالمثل زیادہ قرین انصاف ہے بنسبت اس کے کہ مثل کی قیمت واجب قرار دی جائے۔(۱)

محترم علامہ رحمانی صاحب نے فرمایا ہے کہ اشیائے استعمال مثلاً گندم کے لین دین میں قیمتوں کے تفاوت کو فقہاء نے اس لئے ملحوظ نہیں رکھا کہ اس تفاوت کی وجہ سے افادیت اور مقصدیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ مثلاً ایک شخص نے دس سال پہلے دس کلو گندم قرض لیا تھا اور اس وقت اس کی قیمت دس روپے تھی اور دس سال بعد اس کی قیمت زیادہ یا کم ہو گئی ہے اور مقروض وہی دس کلو واپس کرتا ہے تو قیمت میں کمی بیشی کے باوجود اس کی غذائی افادیت میں کوئی کمی نہیں آتی۔ لیکن درہم و دینار اور سونا چاندی تو غذائی اجناس اور کھانے پینے کی چیزیں نہیں ہیں بلکہ اثمان ہیں۔ جن سے کھانے پینے اور استعمال کی چیزیں خریدی جاتی ہیں تو ان کے قرض لین دین میں قیمتوں کے فرق کو کیوں ملحوظ نہیں رکھا جاتا؟ اور جتنے درہم و دینار یا جتنا سونا لیا تھا اتنا ہی واپس کرنا کیوں ضروری ہوتا ہے؟ خواہ قیمت میں اضافہ ہوا ہو یا کمی ہوئی ہو۔ حقیقت میں یہ خلط مبحث ہے جو ہو رہا ہے۔ اصل بات بالکل واضح اور صاف ہے کہ اموال ربویہ اور اموال مثلیہ میں ادا بالمثل لازم ہے۔ اور قیمتوں کے تفاوت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ خواہ وہ غذائی اجناس ہوں یا غذائی اجناس خریدنے کے اثمان ہوں۔ اور یہ قاعدہ فقہاء کا ایجاد کردہ نہیں ہے بلکہ احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔ یہ بات درست ہے کہ درہم و دینار اور سونے چاندی کی اپنی ذاتی مالیت اور قیمت بھی ہے اور کاغذی کرنسی کی اپنی ذاتی مالیت نہیں ہے بلکہ یہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے لیکن یہ مالیت یہی تو ہے کہ ان سے اشیائے ضرورت خریدی جا سکتی ہیں اور یہ اثمان خلقیہ ہیں ورنہ کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں تو

---

(۱) ص ۱۷، ج ۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یہ بھی نہیں ہیں اور کاغذی کرنسی بھی جب تک چل رہی ہے اس وقت تک اس میں وہی مالیت موجود ہے جو درہم و دینار میں ہے۔ اس لئے کہ اس کے ذریعے بھی اشیاء خریدی جاسکتی ہیں۔ اور قوت خرید میں کمی بیشی درہم و دینار میں بھی ہوتی رہتی ہے۔ اور کاغذی کرنسی میں بھی ہوتی رہتی ہے۔ چاروں ائمہ نے فلوس یعنی سونے چاندی کے علاوہ دوسرے معدنی سکوں کی قیمتوں میں کمی بیشی کا اعتبار نہیں کیا۔ بلکہ جتنے قرض لئے تھے یا کسی چیز کی قیمت کے طور پر مقرر کئے تھے وہی دینے ہوں گے خواہ ان کی قوت خرید میں کمی ہوئی ہو یا اضافہ ہوا ہو اس کا تقاضی یہ ہے کہ کاغذی کرنسی کا حکم بھی یہی ہو اس لئے کہ یہ بھی ثمن عرفی ہیں اور فلوس بھی ثمن عرفی ہیں لیکن علامہ خالد رحمانی صاحب اپنی رائے کا دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایسا اس لئے ہوتا تھا کہ وہ ان فلوس کو بھی ایک معدنی سامان (عروض) کی نظر سے دیکھتے تھے اس لئے کہ یہ فلوس اپنی ذاتی معدنی حیثیت میں بھی قابل استفادہ اور لائق خرید و فروخت تھے اور ان کی بحیثیت سکہ جو قیمت تھی وہ ان کی اس قیمت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی جو بحیثیت دھاتی سامان کے ہوا کرتی تھی۔ لیکن یہ دفاعی دلیل موثر نہیں ہے اس لئے کہ تانبے لوہے اور سلور کے ٹکڑوں کی حیثیت عروض یعنی سامان تجارت اور اشیاء استعمال کی ہے اور اسی حیثیت میں لوگ ان کی خرید و فروخت کرتے ہیں اور ان ہی دھاتوں کے جب سکے ڈھلوا دیئے جائیں اور وہ عرفاً و اصطلاحاً اشیاء صرف کی خریداری کا ذریعہ بن جائیں تو پھر وہ اثمان کے طور پر چلتے ہیں عروض و سامان کے طور پر نہیں چلتے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اسلام نے فلوس کی قیمتوں میں کمی بیشی کے عدم اعتبار کی دلیل یہ نہیں بیان کی کہ ان کی ذاتی اور معدنی قیمت بھی ہے یہ تو مولانا رحمانی صاحب کا ذاتی اندازہ ہے بلکہ انہوں نے دلیل یہ بیان کی ہے کہ فلوس جب تک بطور ثمن مروج ہوں اور چل رہے ہوں اس وقت تک یہ اموال مثلیہ ہیں اور مال مثلی میں قیمت کا اعتبار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نہیں ہوتا بلکہ مقدار اور جنسیت کا اعتبار ہوتا ہے۔ البتہ جب یہ کاسد ہو جائیں اور بطور ثمن ان کا چلن ختم ہو جائے تو پھر یقیناً ان کی حیثیت عروض یعنی سامان تجارت کی ہو جاتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فلوس نافقہ اثمان ہیں اور فلوس کاسدہ عروض ہیں اور کاغذی کرنسی بھی جب تک بطور ثمن چل رہی ہے تو مال مثلی ہے اور ثمن عرفی ہے جس کی قیمت میں کمی بیشی کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور جب اس کا چلن ختم ہو جائے تو پھر ایک کاغذ ہے اور سامان ہے یعنی اوراق نافقہ اثمان ہیں اور اوراق کاسدہ عروض ہیں۔ فلوس نافقہ میں بھی ان کی معدنیت مقصود نہیں ہوتی بلکہ ثمنیت مقصود ہوتی ہے اور اوراق نافقہ یعنی نقود ورقیہ میں بھی ان کی ورقیت (کاغذ ہونا) مقصود نہیں ہوتی بلکہ ثمنیت مقصود ہوتی ہے بلکہ ان کی ثمنیت فلوس کی ثمنیت سے زیادہ قوت رکھتی ہے اس لئے کہ ان کے ذریعے زیادہ سے زیادہ اور مہنگی سے مہنگی چیزیں خریدی جاسکتی ہین اور ان کی پشت پر اب کوئی سونا نہیں ہے بلکہ یہ مستقل نقود کے طور پر چل رہے ہیں اور فلوس مفلس لوگوں کے لئے جاری کئے جاتے ہیں تاکہ وہ ان سے روزمرہ کے استعمال کی کم قیمت چیزیں خرید سکیں یعنی فلوس درہم و دینار کے چینج اور ریزگار کے طور پر استعمال ہوتے ہیں اور کاغذی کرنسی کسی درہم و دینار کی ریزگاری نہیں بلکہ مستقل کرنسی اور ثمن عرفی ہے۔ مولانا رحمانی صاحب نے فرمایا ہے کہ مثلی اشیاء میں اگر عیب پیدا ہو جائے تو اس کی تلافی ضروری ہے اور میرے خیال میں روپے کی قدر میں کمی بھی عیب ہے جس کی تلافی ضروری ہے۔ ان کا خیال تو یہ ہے لیکن نرخوں کے اتار چڑھاؤ کے بارے میں تو علامہ کاشانی نے لکھا ہے کہ:

اذا عرض فی ید الغاصب ما یوجب نقصان قیمة المغصوب والعارض لا یخلوا اما ان یکون تغیر السعر و اما ان یکون فوات جزء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



من المغصوب .... فان كان تغير السعر لم يكن مضمونا لان المضمون نقصان المغصوب و نقصان السعر ليس بنقصان المغصوب بل لفتور يحدثه الله عز شانه فی قلوب العباد لاصنع للعبد فيه فلا يكون مضمونا.

"جب غاصب کے ہاتھ میں غصب شدہ مال میں وہ عیب پیدا ہو گیا ہو جس کی وجہ سے غصب شدہ مال کی قیمت میں کمی آگئی ہو تو یہ عیب یا تو نرخ کے بدلنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہو گا یا مال کے کسی حصے اور جزء کے ضائع ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوا ہو گا اگر نرخ کے بدلنے کی وجہ سے قیمت میں کمی آئی ہو تو اس کمی کو پورا کرنے کا غاصب ذمہ دار نہیں ہو گا اس لئے کہ اس کی ذمہ داری غصب شدہ مال کی کمی کو پورا کرنا ہے اور نرخ کی کمی غصب شدہ مال کے مقدار کی کمی نہیں ہے بلکہ یہ قیمت کی کمی ہے جو اس کی خریداری میں لوگوں کے دلوں میں رغبت اور طلب کی کمی کی وجہ سے آئی ہے جس میں انسان کے فعل کا کوئی دخل نہیں ہے اس لئے اس نقصان کی ذمہ داری غاصب پر نہیں آتی۔"

اس عبارت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ غصب اور قرض دونوں صورتوں میں مال مثلی کے کسی جزء یا صفت میں اگر تغیر یا نقصان پیدا ہوا ہو جس کی وجہ سے اس کی قیمت میں کمی آئی ہو تو اس کی تلافی کا غاصب یا مقروض و مدیون ذمہ دار ہے لیکن اگر قیمت میں کمی نرخوں کی اتار چڑھاؤ کی وجہ سے آئی ہو تو اس کمی کو پورا کرنا مقروض یا غاصب کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ یہ جو کہا گیا ہے کہ صفت کے تغیر کی وجہ سے قیمت کی کمی پوری کی جائے گی یہ بھی اس صورت میں ہے کہ اموال ربویہ نہ ہوں ورنہ اموال ربویہ کے بارے میں کاشانی لکھتے ہیں "اگر غصب کردہ مال اموال ربویہ میں سے تھا جن کا اپنی جنس کے ساتھ تبادلے میں کمی بیشی جائز نہیں ہے تو اس میں اگر کوئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نقص و عیب غاصب کے عمل کی وجہ سے یا اس کے عمل کے بغیر پیدا ہو گیا ہو تو مالک یعنی مغصوب منہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ غاصب سے اس نقصان کی قیمت وصول کرے اس لئے کہ یہ سود بن جاتا ہے۔ مثلاً گندم غصب کی گئی تھی اور غاصب کے پاس یہ بدبودار ہو گئی یا پانی ڈالنے کی وجہ سے گیلی ہو گئی۔ جس کی وجہ سے اس کی قیمت کم ہو گئی تو اس صورت میں مالک کو اختیار ہے کہ وہ یا تو اسی حالت میں اسے لے لے اور اس صورت میں اس کو مزید کچھ نہیں ملے گا اور یا اسے وصول نہ کرے اور غاصب سے اسی طرح کی گندم فراہم کرنے کا مطالبہ کرے جیسی کہ اس سے چھینی گئی تھی لیکن اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اسی بدبودار یا گیلی گندم کو وصول کرے اور نقصان کی قیمت کا مطالبہ کرے کاغذی کرنسی بھی اموال ربویہ میں سے ہے اس لئے کہ سونے کی قائم مقام ہے تو اس کی قیمت میں کمی کے بدلے میں اضافہ لینا بھی ربا بن جاتا ہے جب کہ اس کی صفت میں بھی کمی نہیں آئی۔" (۱)

علامہ خالد رحمانی نے اپنی بحث کا نتیجہ یہ نکالا ہے کہ کرنسی نوٹوں کی قوت خرید اور قدر و قیمت میں کمی کی تلافی کرنے کے لئے سونے کی قیمت کے حساب سے اضافہ لینا مثلاً دس سال پہلے کے ایک ہزار کے بدلے میں دو ہزار لینا ربا نہیں ہے اس لئے کہ یہ اضافہ اور نفع مشروط نہیں ہے اور یہ مدت اور اجل کے بدلے میں نہیں لیا جاتا بلکہ کرنسی کی قدر و قیمت میں کمی کے بدلے میں لیا جاتا ہے اور سود وہ ہوتا ہے جو مشروط ہو اور مدت کا بدل ہو۔ اس شبہے کا جواب میں ابتدا میں دے چکا ہوں کہ جب قرض یا بیع مؤجل کا معاہدہ کرتے وقت طے شدہ نوٹوں کی واپسی کو سونے کی قیمت کے ساتھ مشروط کر دیا جائے تو سونے کی قیمت میں اضافے کی صورت میں اضافی نوٹ ادا کرنے کا مقروض پابند ہوگا۔ اور اسی پابندی کا نام ہے شرط لگانا باقی رہی یہ بات کہ یہ اضافہ

---

(۱) بدائع ص۱۵۹ ج۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مدت کا عوض نہیں ہے بلکہ کرنسی کی قدر میں کمی کا عوض ہے تو اس کا جواب تو گزشتہ بحث میں تفصیل کے ساتھ سامنے آچکا ہے کہ اموال مثلیہ اور اموال ربویہ میں جب قدر و قیمت کا اعتبار ہی نہیں ہے تو اس کا عوض کس طرح لیا جاسکتا ہے؟ مال مثلی کے بدلے میں اس کی مثل واپس کرنی ہوتی ہے قیمت واپس نہیں کی جاتی تو عملاً یہ اضافی رقم مدت ہی کے بدلے میں لی اور دی جاتی ہے اس لئے کہ قیمت کی کمی کا بدل یہ شرعاً نہیں سکتی اور احسان کے طور پر اسے ملی نہیں ہے تو اس کا نام قرض پر نفع لینے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور میں ربا کی اجماعی تعریف پہلے نقل کر چکا ہوں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رأس المال پر اضافہ لینا اور قرض کے بدلے میں نفع اٹھانا ربا ہے اگر یہ طریقہ رائج ہو گیا اور اسے شرعی جواز بھی مل گیا تو سودی ذہنیت والوں کے لئے بڑی آسانیاں پیدا ہو جائیں گی اور سود کا راستہ کھل جائے گا لوگ بڑی آسانی سے ۱۰ ہزار کے بدلے میں ۱۲ ہزار اور ۱۰ لاکھ کے بدلے میں ۱۲ لاکھ اور ۱۰ کروڑ کے بدلے میں ۱۲ کروڑ کا لین دین کریں گے اور سود لینے دینے کی بدنامی سے بھی بچ جائیں گے اگرچہ آخرت کی گرفت کا خطرہ موجود رہے گا۔

آپ نے مہر کی مثال دی ہے اس کا علاج تو بڑا آسان ہے اور علماء نے طے کر دیا ہے کہ مہر نوٹوں کی بجائے سونے کی شکل میں مقرر کیا جائے۔ آپ نے ایک مثال دی ہے کہ جنوری ۱۹۸۰ء میں ایک شخص نے ۱۰ ہزار روپے نقد کے بدلے زمین کا ایک قطعہ فروخت کیا لیکن خریدار نے ٹال مٹول کر کے ۶ سال بعد ادائیگی کی حالانکہ اس وقت اس قطعہ کی زمین کی قیمت ۲۰ ہزار ہو گئی ہے۔ دوسری مثال آپ نے یہ دی ہے کہ فرض کیجئے ۱۹۸۵ء میں ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کے دو بیٹوں کے حصے میں دو دو لاکھ روپے کی رقم آئی جو بڑے بھائی نے ادا کرنی تھی لیکن اس نے ادا کرنے میں دس سال کی تاخیر کر دی۔ آپ کی ان دو مثالوں کے علاوہ ظلم کی اور بھی کئی مثالیں ہم دیکھتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پڑھتے لور سنتے ہیں۔ میں اگر چہ عملاً کوئی کاروباری آدمی نہیں ہوں لیکن فاسد معاشرے کے مظالم لور مفاسد سے بے خبر بھی نہیں ہوں مگر ظلم و فساد کے انسداد اور عدل و انصاف کے نفاذ کے لئے اسلامی نظام میں مکمل ہدایات اور احکام موجود ہیں۔

جن دو مثالوں کا آپ نے ذکر کیا ہے ان کے شرعی اور فقہی احکام بھی موجود ہیں لیکن سوال یہ ہے اور یہ بڑا توجہ طلب سوال ہے کہ کیا ظلم و فساد کی وجہ سے شریعت کے اصول و احکام کو تبدیل کیا جاسکتا ہے؟ یا ان میں ترمیم کی جاسکتی ہے؟ جب کہ ظلم و فساد کے انسداد کے لئے شریعت میں دوسرے احکام بھی موجود ہیں۔ ایک شخص نے حق دار کا حق بروقت ادا نہیں کیا تو اس کی وجہ سے ۱۰ ہزار کے بدلے میں ۲۰ ہزار لینا اور ۲ لاکھ کے بدلے میں ۴ لاکھ طلب کرنا آخر کس طرح جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ حق دار کا حق کچھ مدت تک دبائے رکھنا ظلم ہے تو کسی کا مال غصب کرنا یعنی زبردستی لینا اس سے بڑا ظلم ہے لیکن اس کے باوجود مغصوب منہ کو اپنے مال سے زائد طلب کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ظلم کے خلاف مظلوم کو عدالتی چارہ جوئی یا معاشرتی دباؤ ڈالنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن اپنے حق سے زائد وصول کرنا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے۔

آپ نے آخر میں سوال اٹھایا ہے کہ شریعت کے کس قاعدے کے تحت ان معاملات کو غلط قرار دیا جاتا ہے؟ یعنی کرنسی کی قیمت میں کمی کی وجہ سے ۱۰ ہزار کے بدلے ۲۰ ہزار لینا یا دو لاکھ کے بدلے میں ۴ لاکھ طلب کرنا یا نوٹوں کے بدلے میں سونا طلب کرنا کس قاعدے کے تحت ممنوع ہے؟ تو عرض یہ ہے کہ وہ قاعدہ یہ ہے کہ اقراض و دیون کی ادائیگی بالقیمت نہیں ہوتی بالمثل ہوتی ہے۔

میری یہ ساری تحریر اس شرعی قاعدے کی تفصیل ہے اور یہی آپ کے آخری سوال کا جواب ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم بھی دیا ہے لور تحقیق و استدلال کا ذوق و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



شوق بھی دیا ہے مجھے امید ہے کہ آپ اگر میری اس تحریر کو توجہ سے پڑھنے کی زحمت فرمائیں گے تو انشاء اللہ اشکالات کا ازالہ ہو جائے گا۔

والسلام

گوہر رحمان

مدیر و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تفہیم القران مردان

# کاغذی کرنسی کے بارے میں

# مولانا محمد طاسین مرحوم کی رائے پر تبصرہ

## (سوال)

ماہنامہ ترجمان القرآن منصورہ لاہور کے مدیر نے کراچی کے مولانا محمد طاسین مدظلہ کی ایک تحریر بھیجی تھی جس میں حضرت مولانا نے کرنسی نوٹوں کے قرض لین دین کو ناجائز قرار دیا تھا۔ ان کی رائے یہ ہے کہ قرض لیتے وقت نوٹوں کا جتنا سونا بنتا ہے ادائیگی کے وقت اتنا سونا واپس کیا جائے تاکہ افراط زر کی وجہ سے کرنسی کی قیمت میں کمی کی تلافی کی جاسکے۔ ترجمان کے مدیر نے اس مسئلے پر میری رائے طلب فرمائی تھی جس کے جواب میں درج ذیل تحریر لکھ کر ترجمان القرآن کو ارسال کی گئی تھی۔ اس کتاب میں یہ تحریر شامل کی جارہی ہے اس لئے کہ اس کا تعلق بھی سود کے مسئلے سے ہے۔

گوہر رحمان

۲۰۰۰۔۷۔۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# (جواب)

جواب: کاغذی نوٹوں کی ابتداء تو اصل میں ان رسیدوں سے ہوئی تھی جو صراف اور سنار ان لوگوں کے نام بطور وثیقہ جاری کرتے تھے جو سونے چاندی کے سکے ان کے پاس بطور امانت رکھتے تھے لیکن مختلف مراحل طے کر کے آج یہ کرنسی نوٹ زر قانونی یعنی ثمن عرفی اور مالی متقوم کا مقام حاصل کر چکے ہیں اور اب ان کا حکم وہی ہے جو فقہی اصطلاح میں "فلوس نافقہ" کا ہے یعنی دھات کے ان سکوں کا جو معاشرے میں بطور ثمن مروج ہوں۔ یہ بات درست ہے کہ ابتداء میں یہ نوٹ بھی صرافوں کی جاری کردہ رسیدوں کی طرح سند' وثیقہ اور دستاویز کی حیثیت رکھتے تھے جسے دکھا کر منک سے سونا چاندی حاصل کی جا سکتی تھی اس کے لین دین پر حوالہ کے احکام جاری ہوتے تھے لیکن کافی مدت سے یہ نوٹ ارتقاء کر کے سونے کی جگہ لے چکے ہیں اور قانوناً عرفاً بطور ثمن رائج ہو چکے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کو کیش رقم کہا جاتا ہے مگر چیک اور دوسری مالی دستاویزات کو کیش نہیں کہا جاتا اسی کرنسی کے ذریعے دنیا بھر میں خرید و فروخت ہوتی ہے' انہی سے مزدوروں کو اجرتیں دی جاتی ہیں اور انہی نوٹوں کو لوگ بچا کر مستقبل کی ضروریات کے لئے جمع رکھتے ہیں اگرچہ تمام ممالک آج بھی اپنے آپ کو سونے سے مستغنی نہیں سمجھتے اور احتیاطی تدبیر کے طور پر سونے کی زیادہ سے زیادہ مقدار ذخیرہ کرتے ہیں لیکن عملاً ان نقود ورقیہ کا سونے کے ساتھ کوئی قانونی تعلق اب باقی نہیں رہا اگر کوئی شخص

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کرنسی نوٹوں کو سونے چاندی سے تبدیل کرانے کے لئے بنکوں کے پاس چلا جائے تو اسے پرانے نوٹوں کے بدلے میں نئے نوٹ یا بڑے نوٹوں کی جگہ چھوٹے نوٹ تو دے دیئے جائیں گے لیکن ان کے بدلے میں سونے یا چاندی دینے کے وہ پابند نہیں ہیں اس سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ نوٹ اب حوالہ اور وثیقہ کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ اس بارے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مال کی وہ قانونی اور فقہی تعریف نقل کر دی جائے جو فقہاء نے بیان کی ہے۔ ابن نجیم مصریؒ اور ابن عابدین شامیؒ نے جو تعریف کی ہے وہ اس طرح ہے:

ما يميل اليه الطبع و يمكن ادخاره لوقت الحاجة والمالية تثبت بتمول الناس كافة او بعضهم و فى الحاوى القدسى المال اسم لغير الادمى خلق لمصالح الادمى وامكن احرازه والتصرف فيه على وجه الاختيار۔(۱)

"مال ہر وہ چیز ہے جس کی طرف لوگوں کی طبیعت راغب ہو اور اسے مستقبل کے لئے بچا کر ذخیرہ کیا سکتا ہو کسی چیز کی مالیت اس سے ثابت ہوتی ہے کہ سب لوگوں نے یا کچھ لوگوں نے اسے مال بنا دیا ہو۔ حاوی قدسی میں ہے کہ مال ہر اس چیز کا نام ہے جو انسانی ضرورت پوری کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہو' اس کا ذخیرہ کرنا ممکن ہو اور انسان اس میں اپنے اختیار سے تصرف کر سکتا ہو۔"

ترکی کی عثمانی خلافت کی تیار کردہ کتاب "المجلہ" کی دفعہ ۱۲۶ میں بھی مال کی یہی تعریف کی گئی ہے اس فقہی تعریف کا حاصل مفہوم یہ ہے کہ:

"جس چیز کو لوگ اپنے کاروبار اور لین دین میں استعمال کرتے ہوں وہ لوگوں میں طبعا مرغوب ہو اور اسے آئندہ کی ضرورت کے لئے ذخیرہ کیا جا سکتا ہو وہ مال

(۱) البحر الرائق ص ۲۷۷ ج ۵ اور رد المحتار ص ۴.۳ ج ۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے۔"

مال کی پھر دو قسمیں ہیں ایک مال حلال جس کا استعمال شریعت میں ممنوع نہ ہو اور دوسری قسم ہے مال حرام جس کا استعمال ممنوع ہو مثل اشراب اور خنزیر ادخار اور احراز کی شرط حنفیہ نے لگائی ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک حقوق اور خدمات کو مال نہیں کہا جا سکتا بلکہ مال وہی چیز ہو سکتی ہے جو آئندہ کی ضرورت کے لئے محفوظ کی جا سکتی ہو لیکن باقی ائمہ کے نزدیک مال کی تعریف میں یہ شرط شامل نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک ہر وہ مال ہے جس کی کوئی قیمت ہو اور اس کے تلف کرنے پر تاوان ادا کرنا لازم ہو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

لا يقع اسم المال الا على ماله قيمة يباع بها و يلزم متلفه بضمانه۔(۱)

"مال کا اطلاق اسی چیز پر ہوتا ہے جس کی کوئی قیمت ہو، جس کے ذریعے خرید وفروخت ہوتی ہو اور جس کے ضائع کرنے والے پر اس کا تاوان لازم ہو۔"

جدید مالی قانون میں بھی مال ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کی کوئی قیمت ہو۔

مذکورہ فقہی تعریف کی روشنی میں دیکھا جائے تو جس طرح اشیاء صرف اور سونا چاندی مال ہے اسی طرح دھاتی سکے اور کرنسی نوٹ بھی مال ہیں اس لئے کہ دونوں لوگوں کو مرغوب ہیں' دونوں کاروبار میں مروج ہیں اور دونوں کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ سونا اور چاندی "ثمن خلقی" ہیں اور کرنسی نوٹ "ثمن عرفی" ہیں اور ثمن عرفی وجوب زکوۃ میں اور دوسرے احکام میں "ثمن خلقی" یعنی نقدین کی طرح ہے۔ مسند احمد کے مرتب ومبوب اور شارح شیخ احمد البناء فرماتے ہیں:

(۱) الاشباہ والنظائر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ان حکم الورق المالی کحکم النقدین فی الزکوۃ سواء بسواء لانہ یتعامل بہ کالنقدین تماما ولان مالکہ یمکنہ صرفہ و قضاء مصالحہ بہ فی ای وقت شاء۔(۱)

"زکوۃ کے بارے میں کاغذی نوٹوں کا وہی حکم ہے جو سونے اور چاندی کا ہے اس لئے کہ اس کے ذریعے سونے چاندی کی طرح ہر قسم کا لین دین ہوتا ہے' کرنسی کا مالک اس کو استعمال کرتا ہے اور جب چاہتا ہے اس سے اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہے۔"

شیخ احمد البناء نے یہ رائے اس وقت ظاہر کی تھی جب کاغذی نوٹ کی حوالہ اور وثیقہ کی حیثیت کسی نہ کسی درجے میں ابھی باقی تھی لیکن اب تو کرنسی مکمل طور پر زر قانونی بن چکی ہے۔ ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

والحق وجوب الزکوۃ فیھا لانھا اصبحت ھی اثمان الاشیاء وامتنع التعامل بالذھب .... فینتفع بھا حاملھا فعلا کما ینتفع بالذھب الذی اعتبر ثمنا للاشیاء۔(۲)

"حق یہی ہے کہ کاغذی نوٹوں پر زکوۃ واجب ہے اس لئے کہ اب یہ چیزوں کی قیمت کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور سونے کے ذریعے خرید و فروخت اب بند ہو چکی ہے۔ جس کے پاس یہ کرنسی نوٹ ہوں وہ ان کے ذریعے اسی طرح نفع اٹھاتا ہے جس طرح کہ سونے سے نفع اٹھاتا ہے جو اشیاء صرف کی قیمتوں کا معیار ہے۔"

مولانا محمد طاسین صاحب مد ظلہ نے مال کی تقسیم اس طرح کی ہے کہ:

"ایک ہے "حقیقی مال" اور دوسرا ہے "حکمی مال" حقیقی مال کی تعریف میں

(۱) بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی

(۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ طبع بیروت ص ۷۷۲ ج ۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وہ چیزیں آتی ہیں جو انسان کی طبعی اور جبلی ضرورت پوری کرتی ہوں جیسے کھانے پینے' پہننے پوشنے اور رہنے سہنے سے متعلق چیزیں جو بازار مین خریدی جاتی ہیں اور فروخت کی جاتی ہیں ان میں راحت و آسائش اور تعیش و تنعم کی چیزیں بھی شامل ہیں اور حکمی مال سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کی ذات کے اندر مذکورہ صلاحیت نہ پائی جاتی ہو لیکن معاشرے نے ان کو حقیقی مال کے تبادلے کا ذریعہ بنایا ہو جیسے کرنسی کے نوٹ جو اپنے اندر مالیت نہیں رکھتے لیکن معاشرے اور اس کی نمائندہ حکومت نے ان کو سونے اور چاندی کی طرح قانوناً اور عرفاً ثمن قرار دیا ہے جس کے ذریعے حقیقی اموال کی خرید و فروخت کی جاسکتی ہے اور جب حکومت ان نوٹوں کو منسوخ کر دیتی ہے تو ان کی مذکورہ حیثیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔"

مولانا کو اللہ تعالی نے علم و دانش کی بڑی دولت دی ہے لیکن ان کی اس بات کو میں سمجھ نہیں سکا ہوں کہ مال حقیقی وہ ہوتا ہے جو انسان کی طبعی اور جبلی ضرورت پوری کرتا ہو۔ یعنی وہ کھانے پینے پہننے پوشنے اور رہنے سہنے کی کوئی چیز ہو اگر یہ شرط لگا دی جائے تو پھر سونا چاندی بھی حقیقی مال کی تعریف سے خارج ہو جائیں گے اس لئے کہ کھانے پینے' پہننے پوشنے اور رہنے سہنے کی چیزیں تو یہ بھی نہیں ہیں بلکہ ان چیزوں کے حصول کا ذریعہ ہیں اور آج کل تو ان چیزوں کے حصول کا ذریعہ کرنسی کے نوٹ ہیں سونے اور چاندی کے سکے تو اب نایاب ہو چکے ہیں۔ مال کی صحیح تقسیم اس طرح کرنی چاہئے کہ مال منقول جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتا ہو اور مال غیر منقول مثلاً زمین اور عمارات۔ مال منقول کی پھر دو قسمیں ہیں ایک مثمن مثلاً عام اشیاء استعمال اور ثمن جو تمام اشیاء ضرورت کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے۔ ثمن کی پھر دو قسمیں ہیں ایک ہے ثمن خلقی یعنی سونا اور چاندی جو اشیاء صرف کے تبادلے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور دوسری قسم ہے ثمن عرفی مثلاً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دھاتی سکے اور کرنسی نوٹ (فلوس نافقہ اور نقود ورقیہ) یا اس سے بھی زیادہ آسان اور سادہ تقسیم اس طرح کی جاسکتی ہے کہ مال کی ایک قسم ہے اشیاء صرف اور دوسری قسم ہے اثمان خواہ خلقی اثمان ہوں یا عرفی کیونکہ کرنسی نوٹ یا دھاتی سکے جب تک منسوخ نہ ہوئے ہوں اس وقت تک یہ حقیقی ثمن ہوتے ہیں۔ البتہ ثمن خلقی نہیں ہوتے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اشیاء استعمال بھی حقیقی مال ہیں اور اثمان الاشیاء بھی حقیقی مال ہیں اگر حقیقی مال صرف اشیاء ضرورت کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے تو پھر اثمان الاشیاء پر حقیقی مال کی تعریف صادق نہیں آئے گی۔ حالانکہ یہ تو بالاجماع اموال حقیقیہ میں شامل ہیں۔

## کرنسی نوٹوں کا قرض لین دین

گزشتہ بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کرنسی نوٹ زر قانونی اور ثمن عرفی ہیں اور ان پر مال کی تعریف ہر لحاظ سے صادق آتی ہے لیکن کیا ان کا قرض لین دین جائز ہے یا ان کے قرض لین دین کے لئے سونے کو بنیاد بنانا ضروری ہے؟ اس بارے میں مولانا محمد طاسین مرحوم اپنے جواب میں لکھتے ہیں:

"کرنسی نوٹوں کے قرض کا معاملہ جب کہ وہ طویل المیعاد ہو اور اس میں یہ طے ہو کہ قرض کے طور پر جتنے نوٹ لئے دیئے گئے ہیں بوقت ادائیگی اتنے ہی نوٹ لئے دیئے جائیں گے شرعاً جائز معاملہ قرار پاتا ہے۔"

اس رائے کی جو دلیل بیان کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرض دینے والا اپنے مال کی مثل کا حقدار ہوتا ہے اور کرنسی نوٹوں میں مثلیت کا مطلب ہے قوت خرید میں برابری جو کرنسی نوٹوں میں نہیں ہو سکتی کیونکہ آج کے نوٹ قوت خرید میں ان نوٹوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو مثلاً پانچ سال پہلے قرض کے طور پر لئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دیئے تھے لہذا اتنے ہی نوٹ واپس کرنا جتنے لئے تھے قرض دینے والے کی حق تلفی ہے اور ظلم ہے اور جو معاملہ ظلم و حق تلفی کا موجب ہو وہ باطل اور ناجائز ہوتا ہے جب یہ معاملہ باطل ہے تو کیا کرنسی نوٹوں کے قرض لینے دینے کی کوئی جائز شکل بھی ہے یا نہیں ؟ اس کا جواب مولانا نے یہ دیا ہے کہ نوٹ قرض دیتے وقت یہ معلوم کیا جائے کہ ان کے بدلے میں سونے کی کتنی مقدار ملتی ہے پھر ادائیگی کے وقت نوٹوں کی مقدار سونے کی اس مقدار کی قیمت کے برابر ہونی چاہیے جو قرض لیتے وقت معلوم کر لی گئی تھی۔ مثلاً آج کسی کو ۵ ہزار روپیہ قرض دیا گیا جس کے بدلے میں ایک تولہ سونا ملتا ہے اور ایک سال کے بعد ادائیگی کے وقت ایک تولہ سونے کی قیمت معلوم کر لی جائے اگر ۵ ہزار ہے تو یہی دیئے جائیں گے لیکن اگر ایک تولے کی قیمت بڑھ کر ۶ ہزار ہو گئی ہو تو ایک ہزار کا اضافہ کر کے ۶ ہزار روپے لئے اور دیئے جائیں گے اور یہ ربا اس لئے نہیں ہے کہ ایک تولے کی قیمت کے برابر نوٹ لئے گئے تھے اور ایک تولے کی قیمت ہی کے برابر نوٹ واپس دیئے گئے ہیں۔ یہ ہے مولانا کی رائے کی دلیل کا حاصل مفہوم۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کرنسی نوٹوں کو سونے کے ساتھ نتھی کرنا تھا تو پھر سیدھے طریقے پر ایک تولہ سونا قرض دے کر ادائیگی کے وقت ایک تولہ سونا واپس لینے میں کیا رکاوٹ تھی ؟ حقیقت یہ ہے کہ کرنسی نوٹوں کے قرض لین دین کو سونے کی قیمت کا تابع بنانا سود کا دروازہ کھولنے اور اس کو شرعی جواز فراہم کرنے کے مترادف ہے اس لئے کہ کرنسی نوٹون کا کوئی قانونی تعلق اب سونے کے ساتھ نہیں ہے بلکہ یہ مستقل طور پر مال مثلی اور ثمن عرفی کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں تو اس حیلے کے ذریعے ۵ ہزار دے کر ۶ ہزار لینا یا ۱۰ ہزار دے کر ۱۲ ہزار لینا اسی طرح کا سود ہے جس طرح کہ ایک تولہ سونا دے کر ڈیڑھ تولہ سونا لینا یا ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



من گندم دے کر ڈیڑھ من لینا سود ہے باقی رہی یہ بات کہ افراط زر کی وجہ سے نوٹوں کی قوت خرید میں کمی ہوتی ہے تو اس میں مقروض کا کوئی قصور نہیں تو نہیں ہے کہ اس پر کمی کی تلافی لازم کر دی جائے اشیاء صرف کی قیمتوں میں اضافہ یا تو اس وجہ سے ہوتا ہے کہ پیداوار کم ہو جائے یا تاجروں نے اپنے استحصالی حربوں کے ذریعے مصنوعی قلت پیدا کر دی ہو یا پھر حکومت کی بد انتظامی اور بد عنوانی کی وجہ سے قیمتیں بڑھ گئی ہوں۔ اگر تفریط زر کی وجہ سے نوٹوں کی قیمت خرید میں اضافہ ہو جائے مثلاً جو چیز پہلے ایک ہزار میں ملتی تھی وہ اگر ادائیگی کے وقت آٹھ سو میں مل سکتی ہو تو اس صورت میں کیا قرض دینے والا ایک ہزار کے بدلے میں آٹھ سو لینے پر راضی ہو جائے گا؟ تفریط زر کی صورت اگرچہ کم ہی پیش آتی ہے لیکن اس کے امکان سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا اور یہ امکان محض فرضی امکان نہیں ہے بلکہ اس کی واقعاتی مثالیں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ بنکوں کے سود کو حلال ٹھہرانے والوں کے بڑی دلیل یہی انفلیشن اور افراط زر کا بہانہ ہے جسے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے میں ماہرین کی آراء کی روشنی میں رد کر دیا گیا ہے۔

## قرض لین دین اموال مثلیہ میں جائز ہے

مسئلے کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ معلوم کر لیا جائے کہ قرض کی فقہی تعریف کیا ہے؟ اور قرض لین دین کس قسم کے اموال میں جائز ہے؟ فقہ حنفی میں قرض کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

هو عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله و صح في مثلي لا في غيره .... كالمكيل والموزون والعددي المتقارب كالجوز والبيض و حاصله ان المثلي ما لا تتفاوت في

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



آحاده ای تفاتا تختلف به القيمة فان نحو الجوز تتفاوت احاده تفاتا يسيرا.(۱)

"قرض ایک مخصوص قسم کا معاہدہ ہوتا ہے جس میں ایک شخص دوسرے کو مال مثلی دیتا ہے اور قرض لینے والا ادائیگی کے وقت اس مال کی مثل واپس کرتا ہے۔ یہ معاہدہ مال مثلی میں صحیح ہے اور غیر مثلی میں صحیح نہیں ہے مال مثلی وہ ہوتا ہے جسے ماپا اور تولا جاسکتا ہو یا جس کی مقدار گننے سے معلوم کی جاسکتی ہو اور اس کی اکائیاں مقدار میں ایک دوسرے سے زیادہ متفاوت نہ ہوں مثلا اخروٹ اور انڈے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مال مثلی ہر اس مال کو کہا جاتا ہے جس کی اکائیوں میں ایسا فرق نہ ہو جس کی وجہ سے قیمتوں میں فرق آتا ہو اخروٹ جیسی چیزوں میں اگرچہ تھوڑا سا فرق ہوتا ہے لیکن اس کا قیمت پر کوئی اثر نہ پڑتا۔"

درج بالا عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر قسم کے اموال مثلیہ میں قرض دینا اور لینا جائز ہے خواہ وہ کھانے پینے اور استعمال کی چیزیں ہوں یا وہ ان چیزوں کے خریدنے کا ذریعہ ہوں (اثمان الاشیاء) اور اموال مثلیہ وہ ہیں جن کی خرید و فروخت کیل اور وزن کے ذریعے ہوتی ہو یا وہ عددیات متقاربہ ہوں یعنی وہ چیزیں جن کی خرید و فروخت گننے کے ذریعہ ہوتی ہو مثلا درجن کی قیمت اتنی ہے اور نصف درجن کی اتنی ہے جیسے اخروٹ 'انڈے 'مالٹے اور کیلے وغیرہ۔ کرنسی نوٹ مال مثلی کی اسی تیسری قسم میں شامل ہیں اس لئے کہ ان کا لین دین گننے سے ہوتا ہے اور ان کے درمیان ایسا فرق نہیں ہے جس کا اثر قیمت پر پڑتا ہو نوٹ پرانا ہو یا نیا ہو اس کی مالیت برابر ہوتی ہے۔ مال مثلی کی تعریف میں یہ شرط تو کسی نے نہیں لگائی کہ اس کی مالیت اور قوت خرید میں کمی بیشی نہ ہوتی ہو اس لئے کہ قوت خرید کی کمی بیشی تو

---

(۱) درمختار برحاشیه رد المحتار ۲۳۷ ج ٤ باب المرابحه فصل فی القرض

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سونے چاندی کے سکوں اور گندم و چاول میں بھی ہوتی ہے لیکن ان کا قرض لین دین تو بالاجماع جائز ہے۔ اسی طرح مال مثلی کی تعریف میں یہ شرط بھی کسی نے نہیں لگائی کہ وہ اشیاء استعمال ہوں یا اثمان خلقیہ ہوں بلکہ صرف یہ شرط لگائی ہے کہ اس کی مثل موجود ہو اور نوٹوں کی مثل موجود ہے تو جب ان کی مثل موجود ہے اور مروج ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سونے سے مربوط کئے بغیر ان کا قرض لین دین باطل قرار دیا جائے۔ قرض لینے دینے کے لئے مال مثلی کی شرط بھی صرف حنفیہ نے لگائی ہے ورنہ باقی ائمہ کے نزدیک ہر اس چیز کا قرض لین دین جائز ہے جس کی خرید وفروخت کی جاتی ہو اور جس میں بیع سلم جائز ہو۔(۱)

## نوٹ جتنے لئے تھے اتنے ہی واپس کرنے ہوں گے

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ نقود ورقیہ یعنی کاغذی نوٹ اموال مثلیہ میں شامل ہیں اور ان کا قرض دینا اور لینا جائز ہے تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ جس ملک کی کرنسی جتنی مقدار میں لی گئی تھی اسی ملک کی اتنی ہی کرنسی واپس لوٹانی پڑے گی اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ الاقراض تقضی بامثالھا یعنی قرضوں کی واپسی بالمثل ہوتی ہے کہ جیسا اور جتنا مال لیا تھا ویسا ہی مال اتنی ہی مقدار میں واپس لوٹایا جائے گا۔ اموال مثلیہ کے قرض کے معاملے میں مالیت اور قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ کمیت اور نوعیت میں مثلیت اور برابری ضروری ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص نے کسی کو ایک من گندم قرض دی جس کی قیمت ۲ سو روپیہ تھی مگر ادائیگی کے وقت اس کی قیمت ڈیڑھ سو روپیہ ہو گئی تو قرض دینے والا یہ مطالبہ نہیں کر سکتا کہ میں نے جو گندم دی تھی اس کی قیمت ۲ سو روپیہ تھی اس لئے مجھے دو سو

---

(۱) المغنی لابن قدامہ ص ۲۳۷۔۲۳۸ ج ٤

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



روپے کی گندم دی جائے یعنی من کی بجائے ڈیڑھ من دی جائے۔ تمام ائمہ متفق ہیں کہ وہی ایک من گندم واپس کرنی ہوگی جو لی گئی تھی یا مثلاً کسی نے ایک تولہ سونا قرض دیا جس کی قیمت ۴ ہزار روپیہ تھی مگر ادائیگی کے وقت ۵ ہزار ہو گئی تو قرض لینے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تو اتنا ہی سونا دوں گا جتنا ۴ ہزار میں ملتا ہے اس لئے کہ میں نے جو سونا لیا تھا اس کی قیمت ۴ ہزار روپیہ تھی۔ نہیں اسے پورا ایک تولہ سونا ہی دینا ہوگا اس لئے کہ گندم اور سونا مال مثلی ہیں جس میں مالیت اور قیمت میں کمی بیشی اثر انداز نہیں ہوتی بلکہ مقدار اور جنس میں برابری ضروری ہوتی ہے اسی طرح کرنسی نوٹ مال مثلی ہیں تو ان میں بھی مالیت اور قوت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔
آج جو لوگ نوٹوں کا قرض لین دین کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں یہ بات نہیں ہوتی کہ ادائیگی سونے کی قیمت کے حساب سے کی جائے گی اگر ایسا ہوتا تو وہ نوٹوں کی بجائے سونے کا قرض لین دین کرتے قرآن کریم میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون کہ "تم کو صرف اپنی اصل رقم کی وصولی کا حق ہے تم بھی ظلم نہیں کرو گے اور تم پر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

تو اس آیت میں کہیں اشارتاً بھی یہ نہیں کہا گیا کہ رأس المال کی ادائیگی اس کی قیمت کی بنیاد پر کی جائے گی بلکہ صاف طور پر کہا گیا ہے کہ جتنا دیا تھا اتنا ہی لینا ہوگا۔ اس سے زیادہ کا مطالبہ کرنا ظلم ہے جو تم نہیں کرو گے اور اس سے کم دینا بھی ظلم ہے جو تم پر نہیں کیا جائے گا۔ یہ بات تو نہ آیت میں موجود ہے اور نہ کسی مفسر نے کہی ہے کہ رأس المال کی قیمت سے زیادہ لینا اور کم دینا ظلم ہے بلکہ مقدار سے کم دینا یا زیادہ مانگنا ظلم ہے جس کو ممنوع قرار دیا گیا ہے تو آخر کرنسی نوٹوں کو اس قرآنی ضابطے سے کیوں خارج سمجھا جا رہا ہے جب کہ یہ اب وثیقہ اور حوالہ کی حیثیت سے ترقی کر کے سونے کی جگہ لے چکے ہیں جب مال کی تعریف بھی ان پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



صادق آتی ہے اور مال مثلی کی تعریف بھی ان پر پوری طرح صادق آتی ہے تو ان کا حکم بھی اموال مثلیہ کا ہونا چاہئے۔ باقی رہی یہ بات کہ اگر یہ نوٹ مالک کے پاس ہوتے تو وہ ان کو تجارت میں لگا کر نفع کما لیتا اور افراط زر کی وجہ سے ہونے والے نقصان کی تلافی ہو جاتی تو اگر کسی کی ضرورت پوری کر کے اخروی نفع کمانا مقصد نہیں تھا اور تبرع و احسان کی جگہ تجارت کرنی تھی تو قرض نہ دیتے بلکہ کسی کو مضاربت یا مشارکت پر دے دیتے یا خود تجارت شروع کر دیتے قرض تو تبرعات میں شامل ہے کاروبار نہیں ہے اگر افراط زر کے اثرات سے بچنا مقصد ہے تو پھر قرض کے طور پر سونا دے کر سونا ہی واپس لینا چاہئے۔

## سودی حیلے

انسان کی طبیعت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ جس چیز کا عادی ہو جائے اسے چھوڑنا اس کے لئے مشکل ہو جاتا ہے اور وہ اس کے لئے حیلے بہانے تلاش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ نشے کے عادی شخص کو اگر اچھے سے اچھا مشروب بھی دیا جائے تو وہ مطمئن نہیں ہو گا لیکن اگر نام اور لیبل بدل کر کوئی نشہ آور مشروب دیا جائے تو وہ اسے بخوشی قبول کر لے گا۔ یہی حالت سود خوروں کی ہے یہ لوگ چونکہ انگریزوں کے زمانے سے سودی کاروبار کے عادی بن چکے ہیں اس لئے ان کو یہ بات سمجھ ہی نہیں آتی کہ تجارت بھی سود کا متبادل ہو سکتی ہے۔ مضاربت' مشارکت' بیع مرابحہ اور بیع مؤجل وغیرہ کی صورتوں میں اگرچہ حلال نفع کمایا جا سکتا ہے اور اس کی مقدار بالعموم سود سے زیادہ ہوتی ہے لیکن چونکہ ان صورتوں میں نقصان کا خطرہ بھی ہوتا ہے اس لئے سود کے عادی لوگ ایسے حیلے تلاش کرتے رہتے ہیں جن کا نام تو سود نہ ہو مگر ان میں سود کا نشہ اور حرام کی آمیزش موجود ہو۔ ان حیلوں میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سے ایک حیلہ یہ ہے کہ کرنسی نوٹ سونے کے حساب سے دیئے جائیں اور سونے ہی کے حساب سے واپس لئے جائیں۔ بعض حلقوں کی جانب سے یہ تجویز بھی سننے اور پڑھنے میں آئی ہے کہ قرض کی واپسی جنس کی صورت میں کی جائے مثلاً ۱۰ ہزار روپے کے نوٹ قرض دیتے وقت یہ طے کر لیا جائے کہ ادائیگی کے وقت ۱۰ ہزار روپے کی جتنی گندم ملتی ہو وہ دی جائے گی تو اس طرح کرنسی کی قیمت میں کمی کا ازالہ ہو جائے گا لیکن یہ تجویز قرض کے بارے میں اس مسلمہ قاعدے کے خلاف ہے کہ قرض کی واپسی بالمثل ہونی چاہیے یعنی جو چیز لی تھی اس کی مثل واپس کی جائے گی اور اس تجویز میں نوٹوں کے بدلے میں گندم یا کوئی اور جنس لینا دینا طے کیا جاتا ہے۔ اس تجویز میں نوٹوں کے بدلے میں گندم یا کوئی اور جنس لینا دینا طے کیا جاتا ہے۔ اس تجویز میں دوسرے خرابی یہ ہے کہ یہ بیع سلم جیسا معاملہ ہے اور دو قسم کے معاہدے ایک چیز میں بیک وقت نہیں کیے جاسکتے اگر ۱۰ ہزار روپے بطور قرض دیئے گئے ہیں تو ادائیگی بالمثل کرنی ہوگی یعنی دس ہزار کے نوٹ واپس کرنے ہوں گے اور اگر معاملہ بیع سلم کا ہے یعنی ۱۰ ہزار روپے اس گندم کی قیمت ہے جو وقت مقررہ پر ادا کی جائے گی تو پھر بیع سلم کے جواز کی شرائط پوری کرنی پڑیں گی جن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جنس اور قیمت دونوں کی مقدار معاہدے کی مجلس میں متعین کی جائے۔

افراط زر کے اثرات سے بچنے کے لئے اشاریہ بندی (انڈیکسیشن) کی تجویز بھی بار بار دہرائی جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اشیاء صرف اور ضروریات زندگی کی قیمت معروف تخمینی طریقے سے معلوم کر لی جائے اور اوسط نکال کر فی صد کے حساب سے اندازہ لگا دیا جائے کہ قیمتوں میں کتنا اضافہ ہوا ہے اور اسی تناسب سے قرض کی مقدار میں بھی اضافہ کر دیا جائے اگر چیزوں کی قیمتوں میں ۵ فی صد اضافہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہوا ہے تو قرض کی مقدار میں ۵ فیصد اضافہ کر دیا جائے اور اگر قیمتیں دس فی صد بڑھی ہیں تو قرض میں ۱۰ فی صد اضافہ کر دیا جائے۔ اشاریہ بندی کی یہ تجویز بھی سودی حیلوں میں سے ایک حیلہ ہے جو قرض کے بارے میں شرعی قاعدے سے متصادم ہے اس لئے کہ قرض میں برابری مقدار اور جنس میں معتبر ہے۔ قیمتوں میں کمی بیشی کا قرض میں کوئی اعتبار نہیں ہے اور اشاریہ بندی میں قرض کی ادائیگی کو اشیاء صرف اور ضروریات زندگی کی قیمتوں کے ساتھ منسلک کر دیا گیا ہے۔ دوسری خرابی اس میں یہ ہے کہ قرض کی واجب الادا رقم قیمتوں میں اشاریہ بندی کی بنیاد پر متعین کی جاتی ہے جو ظاہر ہے کہ ایک تخمینی اور قیاسی چیز ہے اور شرعاً یہ لازم ہے کہ قرض کی ادائیگی پہلے سے متعین حقیقی مقدار کے مطابق کی جائے یہ تجویز وفاقی شرعی عدالت کے سامنے پیش ہوئی تھی اور بحث کے دوران جدید ترین علم معیشت کے ممتاز ماہرین کی یہ رائی سامنے آئی تھی کہ اشاریہ بندی سے افراط زر میں مزید اضافہ ہوتا ہے اور یہ کرنسی کی قیمت میں استحکام پیدا کرنے کا کوئی علاج نہیں ہے۔(۱)

اسلامی بنکاری اور شریعت کے ماہرین نے اشاریہ بندی کو مسترد کر دیا ہے اور متعدد بین الاقوامی سیمیناروں میں طے ہو چکا ہے کہ یہ افراط زر کے مسئلے کا حل بھی نہیں ہے اور شرعی قواعد و ضوابط کے منافی بھی ہے لیکن چونکہ مسلمانوں کی قیادت آج ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو خود بھی سود کے لعنتی نظام کے پرانے عادی ہیں اور بین الاقوامی سود خوروں کی معاشی اور استحصالی زنجیروں میں جکڑے ہوئے بھی ہیں اس لئے "خوئے بدر ابہانہ بسیار" کے مطابق حیلے بہانے تراشتے رہتے ہیں۔

حکومت پاکستان کی مقرر کردہ کمیٹی نے ۱۹۸۰ء میں غیر سودی بنکاری کا مکمل

---

(۱) ملاحظہ کیجئے سود کے خاتمے کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ پیراگراف نمبر ۱۶۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور قابلِ عمل خاکہ مرتب کر کے دے دیا تھا جو آج بھی اسلامی نظریاتی کونسل کی الماریوں میں محفوظ ہے اس کمیٹی میں چوٹی کے ممتاز علماء دین اور جدید ترین علم الاقتصاد کے خصوصی ماہرین دونوں شامل تھے جنہوں نے طویل بحثوں کے بعد ایک تاریخی اور تحقیقی رپورٹ مرتب کر کے نفاذ کے لئے حکومت کو پیش کر دی تھی لیکن حکومت نے اسے نظر انداز کر کے پی ایل ایس (نفع نقصان میں شراکت) کے خوبصورت نام پر اسی پرانے سودی نظام کو آج تک بحال رکھا ہوا ہے۔ عالم اسلام میں متعدد ایسے اسلامی بنک موجود ہیں جو سود کے بغیر چل رہے ہیں اور روبہ ترقی ہیں لیکن اس عملی تجربے کے باوجود پاکستان کی حکومت متبادل کی تلاش کے چکر میں پڑی ہوئی ہے۔

## فلوس کے قرض کے بارے میں فقہاء اسلام کی رائے

فلوس جمع کثرت ہے فلس کی جس کی جمع قلت افلس ہے۔ فقہاء اسلام نے فلوس کی تعریف اس طرح کی ہے:

**كل ما يتخذه الناس ثمنا من سائر المعادن عدا الذهب والفضة۔**

"سونے چاندی کے علاوہ وہ تمام دھاتی سکے فلوس ہیں جن کو لوگوں نے ثمن قرار دے دیا ہو۔"

فلوس اصل میں نادار اور تنگ دست لوگوں کے لئے تانبے' لوہے اور دوسری دھاتوں سے بنائے جاتے تھے تاکہ وہ اپنی ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزیں خرید سکیں۔ اس لئے کہ سونے چاندی کے سکے (دینار و درہم) زیادہ مقدار میں خریداری کرنے کے لئے یا قیمتی چیزیں خریدنے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تنگ دست لوگوں کے پاس نہیں ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے فقیر اور تنگ دست شخص کو مفلس کہتے ہیں۔ یعنی فلوس والا شخص جس کے پاس درہم ودینار یعنی سونے اور چاندی کے سکے موجود نہ ہوں۔ فلوس دھاتی سکے جب تک بازار میں چل رہے ہوں اس وقت تک اس کی حیثیت ثمن کی ہوتی ہے اور جب یہ کاسد ہو جائیں یعنی ان کا چلن ختم ہو جائے تو پھر ان کی حیثیت عروض یعنی سامان تجارت کی ہو جاتی ہے۔ جیسے تانبا' لوہا اور سلور وغیرہ فلوس کے بارے میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان کی قیمت اور قوت خرید میں کمی بیشی ہو جائے مگر مارکیٹ میں بطور ثمن چل رہے ہوں تو کیا اس تغیر کا کوئی اثر قرض کی مقدار پر پڑتا ہے یا نہیں۔ مثلاً ایک شخص نے کسی کو ۵ سو فلوس قرض دیئے مگر ادائیگی کے وقت ان کی قیمت و قوت خرید میں دس فیصد کی کمی ہو گئی یعنی جو چیز ۵ سو فلوس میں ملتی تھی وہ ادائیگی کے وقت ۵۵۰ میں ملتی ہو تو کیا مقروض پر ۵۵۰ فلوس دینار لازم ہو گا یا وہی ۵ سو واپس کرنے ہوں گے۔ یا اس کے برعکس قیمت میں دس فیصد اضافہ ہو گیا ہو مثلاً جو چیز پہلے ۵ فلوس میں ملتی تھی وہ ادائیگی کے وقت ۴۵۰ میں مل جاتی ہو۔ تو کیا پورے ۵ سو فلوس لوٹانے ہوں گے یا ۴۵۰ دینے سے حق ادا ہو جائے گا؟ اس بارے میں فقہ حنفی' فقہ مالکی' فقہ شافعی اور فقہ حنبلی چاروں کی مستند کتابوں مثلاً بدائع الصنائع' المدونہ' شرح المھذب اور المغنی میں صراحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ ادائیگی بالمثل ضروری ہے۔ یعنی جتنے فلوس بطور ثمن یا بطور قرض واجب الادا تھے اتنے ہی واپس کرنے ہوں گے۔ اور قوت خرید میں کمی بیشی کی وجہ سے واجب الاداء فلوس کی مقدار میں کمی بیشی جائز نہیں ہے۔ ائمہ اربعہ کی دلیل یہ ہے کہ فلوس جب تک کاسد نہ ہو جائے ہوں بلکہ بازار میں بطور ثمن مروج ہوں اس وقت تک یہ اموال مثلیہ میں شامل ہیں اور اموال مثلیہ میں قیمت اور مالیت کا اعتبار نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہوتا بلکہ مقدار اور نوعیت کا اعتبار ہوتا ہے مثلاً کھجور مال مثلی ہے تو بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں آیا ہے کہ ان میں مثلیت اور برابری مقدار میں ضروری ہے اگرچہ قیمت اور مالیت میں کمی بیشی موجود ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے گھٹیا درجے کے کھجور کے دو صاع کو اعلیٰ درجے کے کھجور کے ایک صاع کے بدلے میں بیچنے سے منع کر دیا تھا حالانکہ دونوں کی قیمت میں نمایاں فرق تھا۔ اس مضمون کی اور بھی کئی احادیث مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک جنس کی قیمت میں مثلیت مقدار میں معتبر ہوتی ہے۔ قیمت اور قوت خرید میں کمی بیشی کا ان چیزوں میں یعنی اموال مثلیہ میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد قاضی ابو یوسف کی اس مسئلے میں آخری رائے یہ بنی تھی کہ اگر فلوس کی قیمت میں کمی بیشی ہو گئی ہو تو قرض کی ادائیگی فلوس کی اس قیمت کے مطابق کی جانی چاہیے جو قرض لینے کے وقت یا بیع کے وقت تھی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ فلوس دراصل دراہم کی ریزگاری ہے اور ان کی بنیاد چاندی یا سونے کے سکے ہیں۔ مثلاً اگر درہم میں دس فلس ہوں تو ایک فلس درہم کا دسواں حصہ بنتا ہے تو دس فلوس قرض لینا دراصل ایک درہم قرض لینے کے مترادف ہے اور جب قیمت میں دس فیصد کی کمی ہو گئی ہو تو اس صورت میں دس فلوس ہی واپس کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ درہم کا دسواں حصہ کم دیا ہے اور گیارہ فلوس دینے کے معنے یہ ہوں گے کہ پورا درہم جو لیا گیا تھا واپس کیا گیا ہے اگرچہ امام ابو حنیفہ کا اپنا مسلک ائمہ ثلاثہ کے مسلک کے مطابق ہے لیکن ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے المنتقی 'الذخیرہ' 'بزازیہ' خلاصۃ الفتاوی تنویر الابصار کے حوالے سے لکھا ہے کہ فتویٰ ابو یوسفؒ کے قول پر دیا گیا ہے البتہ مشائخ حنفیہ میں سے قاضی خان نے ابو حنیفہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ کہ قیمت میں کمی بیشی کا اعتبار نہیں ہے بلکہ جتنے فلوس دیئے تھے اتنے ہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



واپس کرنے ہوں گے۔(۱)

سودی حیلوں کے عادی لوگوں نے امام ابو یوسف کے قول کو سونے یا اشیاء صرف کی قیمتوں کو قرض کی بنیاد بنانے کی دلیل قرار دیا ہے۔ ان کو تو کوئی حیلہ اور بہانہ چاہیے ورنہ اگر تحقیق کی بجائے تقلید ہی کرنی تھی تو ایک امام ابو یوسف کی تقلید کی بجائے ائمہ اربعہ یعنی ابو حنیفہؒ' مالکؒ' شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کی تقلید زیادہ بہتر ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ابو یوسفؒ نے جس بنیاد پر ادائیگی بالقیمت کا فتویٰ دیا تھا وہ بنیاد یہ تھی کہ فلوس درہم و دینار کی ریزگاری ہے اور درہم مثلاً کبھی دس فلس کا ہو جاتا تھا اور کبھی گیارہ فلس تک بڑھ جاتا تھا۔ لیکن یہ بنیاد اب ختم ہو گئی ہے کیونکہ کرنسی نوٹ اب نہ درہم و دینار کی ریزگاری ہیں اور نہ یہ اب سونے اور چاندی کی دستاویز اور وثیقہ ہیں بلکہ مستقل طور پر ثمن عرفی اور مال مثلی ہیں اور جب تک یہ منسوخ نہ ہوئے ہوں اور ان کا چلن کلی طور پر ختم نہ ہوا ہو اس وقت تک ان کی ادائیگی بالمثل ضروری ہے کہ جتنے اور جیسے دیئے تھے اتنے ہی اسی جنس سے واپس کرنے ہوں گے۔

گوہر رحمان

۷-۹-۴-۱۱

2696

(۱) تنبیہ الرقود علی احکام العقود لابن عابدین طبع کویت ص۱۹ تا ۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

# ادارہ تفہیم الاسلام کے

## اغراض و مقاصد

ادارہ تفہیم الاسلام جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن کا اہم ترین شعبہ ہے جو افتاء، تصنیف و تالیف اور اجتماعی بحث و تحقیق کا کام کرتا ہے اور جماعتی، گروہی اور فرقہ وارانہ عصبیتوں سے بالاتر ہو کر حق جوئی، حق پرستی کے اصولوں کو مدنظر رکھتا ہے۔

## اس کے اغراض مقاصد درج ذیل ہیں

- جدید حل طلب مسائل کی تنقیح اور ان کے شرعی حکم کی تحقیق۔
- دینی احکام کی جدید عصری طرز میں تدوین و تشریح
- سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان پہلے سے جو مسائل اختلافی چلے آ رہے ہوں ان میں سے دینی اور ملی مصالح کی بنا پر یا دلیل کی قوت کی بنا پر کسی ایک رائے کو ترجیح دینا۔
- نصوص کی اجماعی تعبیر اور اہلسنت کی متفقہ رائے کے خلاف متجددین کی تعبیرات و تاویلات پر علمی تنقید کرنا۔
- قومی اور بین الاقوامی طور پر زیر بحث مسائل میں اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت کرنا اور قرآن و سنت کی روشنی میں ان پر تبصرہ کرنا۔
- استفتاءات و استفسارات کے جوابات دینا۔
- عوام کے اندر فہم دین، شعور دین، محبت دین، اور فکر اقامت دین پیدا کرنے کے لیے دعوتی، تبلیغی، تعلیمی اور اصلاحی کام کرنا۔
- نسلی، لسانی، علاقائی، جماعتی و گروہی اور فرقہ وارانہ عصبیتوں کے استیصال اور امت مسلمہ کے اتحاد و یکجہتی کیلئے علمی اور دعوتی دونوں میدانوں میں کام کرنا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ